الرّفیقُ الفصِیح
لمشکوٰۃ المصَابِیح
جلد ۱
افادات
حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہٗ
شیخ الحدیث مفتاح العلوم جلال آباد
مرتب
محمد فاروق غفرلہٗ
ڈیزائننگ و کمپوزنگ
مجیب الرحمٰن قاسمی 7895786325

مُقَدِّمَۃ

الرفیق الفصیح

لمشکوٰۃ المصابیح

جلد ۱

افادات

حضرت علاّمہ رفیق احمد صاحب قدس سرہٗ
شیخ الحدیث مفتاح العلوم جلال آباد

مرتب

محمد فاروق غفرلہٗ
خادم جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی) ۲۴۵۲۰۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیلات

نام کتاب......مقدمہ الرفیق الفصیح لمشکوٰۃ المصابیح ج:اول

افادات............حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہٗ

مرتب............محمد فاروق غفرلہٗ خادم جامعہ محمودیہ میرٹھ

کمپوزنگ............مجیب الرحمٰن لکھیم پوری شعبہ کمپیوٹر جامعہ ہذا

سن اشاعت............۱۴۳۲ھ مطابق ۲۰۱۱ء

صفحات............۳۴۱

قیمت

ناشر

مکتبہ محمودیہ

جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی)۲۴۵۲۰۶

نذرِ حقیر

بارگاہ رسالتمآب سید الاولین والآخرین

صلی اللّٰہ علیہ وعلیٰ اٰلہ وصحبہ وبارك وسلم

گر قبول اُفتد زہے عِزّو شرف

زمین وسماں سب صلاۃ وسلام　　مکین ومکاں سب صلاۃ وسلام

صلاۃ وسلام اور صلاۃ وسلام　　مرا جسم وجان سب صلاۃ وسلام

سلام　علی　رحمۃ　العالمین

سلام　علی　سید　المرسلین

یہ ھدیہ امت مسلمہ کے ان خوش نصیب فرزندوں کی خدمت میں پیش کرنے کی جسارت کی جارہی ہے جن کے لئے کائنات کی سب سے بڑی مستجاب الدعوات شخصیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں دعاء کی ہے:

"نضر الله عبدا سمع مقالتی فحفظها ووعاها واداها، فرب حامل فقه غير فقيه ورب حامل فقه الى من هو افقه منه"

[اللہ تعالیٰ اس بندے کو تروتازہ اور خوش وخرم رکھے جس نے میری بات کو سنا اور سن کر یاد کرلیا، پھر اس کو محفوظ رکھا اور اس کو آگے پہنچا دیا، ایسے شخص کی یہ خدمت واقعی قابل قدر ہے، اس لئے کہ ہوسکتا ہے بعض دین کی بات محفوظ رکھنے والے ایسے ہوں جو خود اس کی زیادہ گہری سمجھ نہ رکھتے ہوں، اور ہوسکتا ہے کہ وہ آگے کسی شخص کو یہ بات پہنچا دے جو اس سے زیادہ فقہی بصیرت رکھنے والا ہو۔]

کتنے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو دعائیں لے رہے ہیں!

کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو یہ بشارت عظمیٰ دی گئی!

حق تعالیٰ قدردانی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

فہرست مقدمہ

الرفیق الفصیح

لمشکوۃ المصابیح

اجمالی فہرست

مصادرومراجع

شمارہ	نام کتاب	نام مصنف	مطبع
۱	مرقاۃ المفاتیح	علامہ علی ابن سلطان محمد القاریؒ	اصح المطابع بمبئی
۲	شرح الطیبی	الامام شرف الدین الحسین الطیبیؒ	زکریا دیوبند
۳	التعلیق الصبیح	حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ	فخریہ دیوبند
۴	فتح الباری	الامام الحافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانیؒ	دارالسلام الریاض
۵	عمدۃ القاری	علامہ بدرالدین العینیؒ	دارالفکر بیروت
۶	فتح الملہم	حضرت مولانا شیخ شبیر احمد عثمانیؒ	اشرفیہ دیوبند
۷	بذل المجہود	شیخ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ	دارالبشائر الاسلامیۃ
۸	نووی علی المسلم	حضرت مولانا یحییٰ بن شرف النوویؒ	عباس احمد البازمکۃ مکرمہ
۹	شرح الأبی	الامام محمد بن خلیفہ الوستانی الأبی	دارالکتب العلمیۃ بیروت
۱۰	ایضاح البخاری	حضرت مولانا ریاست علی بجنوری زیدمجدہم	قاسم المعارف دیوبند
۱۱	انعام الباری	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی زیدمجدہم	حقانیہ سورت گجرات
۱۲	کشف الباری	شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خاں مدظلہ العالی	دارالکتاب دیوبند
۱۳	الدرالمنضود	حضرت مولانا محمد عاقل صاحب مدظلہ العالی	خلیلیہ سہارنپور
۱۴	نفحات التنقیح	حضرت مولانا سلیم اللہ خاں مدظلہ العالی	دارالکتاب دیوبند
۱۵	اشرف التوضیح	حضرت مولانا نذیر احمد دامت برکاتہم	العارفی فیصل آباد
۱۶	تنظیم الاشتات	حضرت مولانا محمد ابوالحسن صاحب	دارالکتاب دیوبند
۱۷	درس مشکوۃ	حضرت مولانا محمد اسحٰق جلال آبادی	فیصل دیوبند

۱۸	اشرف المشکوۃ	حضرت مولانا محمد ناظم صاحب ندوی	فیض القرآن دیوبند
۱۹	فیض المشکوۃ	مفتی حارث عبدالرحیم	فیض القرآن دیوبند
۲۰	مظاہر حق جدید	حضرت مولانا قطب الدین خاں دہلویؒ	ادارہ اسلامیات دیوبند
۲۱	درس ترمذی	حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی	دار الکتاب دیوبند
۲۲	معارف السنن	حضرت علامہ شیخ محمد یوسف بنوریؒ	اشرفی دیوبند
۲۳	بیان القرآن	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	فیصل دیوبند
۲۴	آسان ترجمہ قرآن	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی	آصف بکڈپو دیوبند
۲۵	حجۃ اللہ البالغۃ	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ	مصر
۲۶	رحمۃ اللہ الواسعۃ	حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری مدظلہ	حجاز دیوبند
۲۷	البیان المحقق فی شرح مقدمۃ الشیخ عبدالحق	حضرت مولانا مفتی ریاست علی قاسمی	العافیہ ہاپوڑ
۲۸	مصباح اللغات	ابوالفضل مولانا عبدالحفیظ بلیاویؒ	دیوبند
۲۹	القاموس الوحید	حضرت مولانا وحیدالزماں کیرانویؒ	حسینیہ دیوبند
۳۰	المعجم الوسیط		حسینیہ دیوبند
۳۱	انوارالبیان	حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی بلندشہریؒ	مکتبہ فرید دہلی
۳۲	نصرالباری	حضرت مولانا شیخ محمد عثمان غنیؒ	زکریا دیوبند
۳۳	اوجز المسالک	حضرت مولانا شیخ الحدیث محمد زکریاؒ	خلیلیہ سہارنپور
۳۴	تحفۃ الالمعی شرح سنن ترمذی	حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری	حجاز دیوبند
۳۵	طریق السالکین	حضرت مولانا ڈاکٹر ساجد الرحمٰن صدیقی	جاوید دیوبند
۳۶	فتاویٰ محمودیہ جدید	مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی قدس سرہٗ	مکتبہ فرید دہلی

فہرست

مقدمہ الرفیق الفصیح لحل مشکوٰۃ المصابیح

E:\Mishkat Shareef Jild-1\ Fahrist 01

E:\Mishkat Shareef Jild-1\ Fahrist 01

E:\Mishkat Shareef Jild-1\ Fahrist 01

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۷۳	حدیث مدرج....................................	۸۴
۷۴	مدرج المتن....................................	//
۷۵	مدرج الاسناد....................................	//
۷۶	ادراج کا حکم....................................	۸۵
۷۷	**فصل**: **تنبیہ** روایت بالمعنیٰ واللفظ کا بیان....................................	//
۷۸	روایت باللفظ کا حکم....................................	//
۷۹	روایت بالمعنیٰ کا حکم....................................	۸۶
۸۰	**فائدہ**....................................	//
۸۱	حدیث معنعن کا بیان....................................	۸۷
۸۲	حدیث معنعن کا حکم....................................	//
۸۳	حدیث مسند کا بیان....................................	۸۸
۸۴	**مسند** کے معنیٰ....................................	//
۸۵	حدیث مسند کی تعریف....................................	//
۸۶	تیسری فصل....................................	۸۹
۸۷	حدیث شاذ، منکر اور معلل کا بیان....................................	//
۸۸	**مقبول**....................................	//
۸۹	**مردود**....................................	//
۹۰	**تنبیہ**....................................	//
۹۱	حدیث **شاذ**....................................	//
۹۲	**فائدہ**....................................	۹۰

E:\Mishkat Shareef Jild-1\ Fahrist 01

E:\Mishkat Shareef Jild-1\ Fahrist 01

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۲۷۲	مدلس	۱۴۳
۲۷۳	مضطرب	//
۲۷۴	مدرج	//
۲۷۵	عنعنہ	//
۲۷۶	معنعن	//
۲۷۷	مسند	//
۲۷۸	شاذ:۱/	//
۲۷۹	شاذ:۲/	//
۲۸۰	شاذ:۳/	//
۲۸۱	مردود	//
۲۸۲	محفوظ	//
۲۸۳	منکر:۱/	//
۲۸۴	منکر:۲/	//
۲۸۵	معروف	//
۲۸۶	معلل	۱۴۴
۲۸۷	متابع	//
۲۸۸	شاہد	//
۲۸۹	اعتبار	//
۲۹۰	صحیح	//
۲۹۱	صحیح لذاتہ	//

E:\Mishkat Shareef Jild-1\ Fahrist 01

نمبرشمار	مضامین	صفحہ نمبر
	﴿......تذکرہ ائمہ محدثینؒ......﴾	
	(امام بخاریؒ)	
۳۷۰	نام ونسب	۱۹۴
۳۷۱	ولادت	//
۳۷۲	والدہ کی مستجاب دعا	//
۳۷۳	تعلیم وتربیت	//
۳۷۴	حفظ وذہانت	۱۹۵
۳۷۵	اساتذہ	//
۳۷۶	تلامذہ	//
۳۷۷	حفظ وذہانت کا ایک عجیب واقعہ	//
۳۷۸	وفات	۱۹۶
۳۷۹	قبر سے مشک کی خوشبو کا آنا	//
۳۸۰	خواب بعد از وفات	//
۳۸۱	تاریخی جملہ	۱۹۷
۳۸۲	صدق حمید نور	//
۳۸۳	تصانیف	//
۳۸۴	صحیح بخاری	//
۳۸۵	وجہ تالیف	۱۹۸
۳۸۶	طریق تالیف	//

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	(امام مسلمؒ)	
٣٨٧	نام ونسب	١٩٩
٣٨٨	ولادت باسعادت	//
٣٨٩	سماع حدیث کیلئے اسفار کی ابتداء	//
٣٩٠	شیوخ	//
٣٩١	تلامذہ	٢٠٠
٣٩٢	اخلاق، عادات، زہد وتقوی،	//
٣٩٣	فضل وکمال کا اعتراف	//
٣٩٤	شغف علم کا ایک عجیب واقعہ	//
٣٩٥	وفات	//
٣٩٦	تصنیفات	//
	(امام مالکؒ)	
٣٩٧	نام ونسب	٢٠١
٣٩٨	ولادت	//
٣٩٩	حلیہ مبارک	//
٤٠٠	طلب علم	//
٤٠١	فضائل ومناقب	٢٠٢
٤٠٢	علماء کا اعتراف	//
٤٠٣	تصانیف	//
٤٠٤	وفات	//

E:\Mishkat Shareef Jild-1\ Fahrist 01

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۵۳۲	علماء کا حسن اعتراف	۲۳۵
۵۳۳	اساتذہ	۲۳۶
۵۳۴	تلامذہ	//
۵۳۵	وفات	//
۵۳۶	تصانیف	//
۵۳۷	تعارف صحیح الحاکم المعروف بالمستدرک	۲۳۷
	(امام ضیاء الدین المقدسیؒ)	
۵۳۸	نام ونسب	۲۳۸
۵۳۹	ولادت	//
۵۴۰	اسفار	//
۵۴۱	وفات	//
۵۴۲	تعارف المختارہ	//
	(امام ابوعوانہؒ)	
۵۴۳	نام ونسب	۲۳۹
۵۴۴	اسفار	//
۵۴۵	مستقل اقامت	//
۵۴۶	علماء کا حسن اعتراف	//
۵۴۷	اساتذہ	//
۵۴۸	تلامذہ	//
۵۴۹	وفات	۲۴۰

E:\Mishkat Shareef Jild-1\ Fahrist 01

E:\Mishkat Shareef Jild-1\ Fahrist 01

تمت وبالفضل عمت

عرض مرتب

جس میں استاذ محترم حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہٗ کا مختصر تعارف، شرح کا محرک شرح کی نوعیت و کیفیت کو بیان کیا گیا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مرتب

﴿علامہؒ رفیق احمد صاحبؒ﴾

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد۔

استاذ محترم محدث جلیل حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہ بھیسانی اسلام پور ضلع مظفر نگر یوپی کے رہنے والے تھے۔ یہ بستی تھانہ بھون کے قریب ہے۔

اس بستی سے حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ کا خاص تعلق تھا اور اس بستی کو اپنی بستی فرمایا کرتے تھے۔

حضرت علامہؒ صاحبؒ کی بسم اللہ حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے کرائی اور ابتدائی تعلیم اپنی بستی میں حاصل کی۔ اور خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں حضرت تھانویؒ کی زیر سرپرستی قرآن پاک حفظ کیا۔

اور خانقاہ میں نابالغ بچوں کے قیام کی اجازت نہ ہونے کی وجہ سے صاحب اعلاء السنن حضرت مولانا علامہ ظفر احمد تھانوی قدس سرہٗ کے مکان پر قیام رہتا تھا۔ اور موصوفؒ پوری پوری نگرانی فرماتے تھے۔ حضرت حکیم الامتؒ کے مکان میں بھی آنا جانا تھا، اور مکان سے حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں کوئی سامان پان وغیرہ لیجانے کی خدمت بھی گاہے گاہے انجام دیتے تھے۔

حضرت علامہ ظفر احمد صاحب قدس سرہٗ کا ڈھا کہ یونیورسٹی میں جانا تجویز ہوگیا اس لئے موصوف نے حضرت مولانا مسیح اللہ نور اللہ مرقدہٗ کے نام خط لکھ کر دیا کہ اب مولویت کی تعلیم مفتاح العلوم جلال آباد حاصل کرو اس خط کو دیکھ کر حضرت جی نور اللہ مرقدہ نے داخلہ کرلیا اور ابتدائی فارسی عربی کی کتابیں شروع کرادیں تعلیم کے ساتھ حضرت جی نور اللہ مرقدہ کی خدمت کی سعادت میسر رہی۔

کنز الدقائق، شرح جامی وغیرہ کتابوں کی تعلیم حاصل کر کے دارالعلوم دیوبند ١٣٦١ھ میں داخلہ لیکر شرح جامی کے بعد سے دورۂ حدیث شریف تک کی تمام کتابیں دارالعلوم دیوبند میں پڑھیں۔ اور ١٣٦٦ھ مطابق ١٩٤٧ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔

دارالعلوم دیوبند میں:

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب قدس سرہٗ

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہٗ

حضرت مولانا فخر الحسن صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالاحد صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب نور اللہ مرقدہم مخصوص اساتذہ تھے۔

حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صاحب لوہاروی ثم پاکستانی شیخ الحدیث دارالعلوم فاروقیہ کراچی وصدر وفاق المدارس پاکستان مخصوص رفیق درس تھے۔ جن سے دوستانہ تعلق تھا۔

فراغت کے بعد ہی مفتاح العلوم جلال آباد میں تقرر ہوگیا، اور شروع ہی میں شرح جامی، مختصر المعانی، مقامات حریری وغیرہ کتابیں سپرد ہوئیں۔ اس وقت یہی آخری کتابیں تھیں۔

١٣٧٧ھ میں تقریباً دورۂ حدیث شریف کا آغاز ہوا۔ اور حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب لکھنویؒ مجاز بالصحبت از حضرت حکیم الامتؒ اور مجاز بالبیعت حضرت مسیح الامتؒ شیخ

الحدیث کوتجویز کیا گیا۔مگر موصوف ایک سال کے بعد ہی وصال فرما گئے اور بخاری شریف مکمل، ترمذی شریف مکمل، حضرت علاّمہ صاحب قدس سرہٗ کے سپرد ہوئیں۔صرف بخاری شریف کتاب العلم تک حضرت جی نوراللہ مرقدہ پڑھاتے تھے۔

اس طرح مفتاح العلوم کے اخیر قیام ۱۳۹۹ھ تک آپ اس منصب شیخ الحدیث پر فائز رہے۔اور کماحقہ اس کا حق ادا فرماتے رہے۔

مفتاح العلوم سے علیحدگی کے بعد مصباح العلوم بھیسانی اسلام پور میں بھی درس حدیث دیا۔اور دارالعلوم وقف دیوبند میں آپ کو شیخ الحدیث تجویز کیا گیا۔مگر آپ اپنے مشاغل کی وجہ سے اس کو نباہ نہ سکے اور پھر مظاہر علوم کی تقسیم کے بعد حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب قدس سرہٗ کے حکم اور اصرار پر مظاہر علوم وقف میں آپ کو شیخ الحدیث تجویز کیا گیا۔اور اخیر حیات تک وہاں اس منصب پر فائز رہے۔

۱۶ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ مطابق ۶ اکتوبر ۱۹۹۰ء بروز شنبہ تقریباً ۱۲ بجے شب وصال ہوا۔مصباح العلوم بھیسانی اسلام پور کے احاطہ میں حافظ عبدالرزاق بھیسانویؒ کے پہلو میں تدفین ہوئی۔انا للہ و انا الیہ راجعون.

بخاری شریف، ترمذی شریف کے ساتھ ساتھ مشکوٰۃ شریف کا درس حضرت علاّمہ صاحبؒ کا خاص درس تھا۔جس کو حضرت انتہائی بشاشت سے پڑھاتے تھے۔اور سیر حاصل بحث فرمایا کرتے تھے۔

بندہ کو حضرت علاّمہ رفیق احمد صاحب قدس سرہٗ سے مشکوٰۃ شریف پڑھنے اور درس کے ساتھ ہی درس کی تقریر لکھنے کی سعادت بھی میسر آئی اس وقت ٹیپ ریکارڈ کا سلسلہ زیادہ شروع نہیں ہوا تھا اس لئے ہاتھ سے ہی لکھنا ہوتا تھا۔حق تعالیٰ شانہ کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ اس نے مکمل مشکوٰۃ شریف کی درسی تقریر لکھنے کی سعادت بخشی جو پچاسوں کاپیوں میں پھیلی

ہوئی تھی۔ مسیح الامت حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خاں صاحب نور اللہ مرقدہ بندہ کے جلال آباد میں قیام کے زمانہ میں بندہ کے کمرہ میں تشریف لائے اور ان کاپیوں کو ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا، انکو چھپوانا چاہئے۔ بندہ خاموش ہوگیا اس لئے کہ بندہ کے تصور وخیال میں بھی نہیں تھا کہ اس تقریر کی کبھی اشاعت کی نوبت آئیگی، مگر کیا معلوم تھا کہ ع

قلندر　ہرچہ　گوید　دیدہ　گوید

حسن اتفاق

فقیہ الامت حضرت اقدس سیدی ومرشدی مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہ کے یہاں جامع العلوم کانپور قیام کے دوران بخاری شریف مسلم شریف اور دیگر کتب حدیث کے درس کے ساتھ ساتھ مشکوۃ شریف کا درس بھی بہت اہتمام کے ساتھ ہوتا تھا اور درس مشکوۃ کو خاص اہمیت حاصل تھی یہاں تک کہ بعض بڑے مدارس سے طلباء درس مشکوۃ کی شرکت کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ حضرت والا درس مشکوۃ کے لئے متعدد شروح حدیث کا مطالعہ فرماتے تھے اور اپنی کتاب مشکوۃ شریف پر بعض اشارے اور حوالجات تحریر فرماتے تھے، مگر وہ حوالجات صرف کتاب کا نام صفحہ نمبر جلد نمبر ہوتا تھا۔ اور ایک ایک صفحہ پر اسطرح متعدد حواشی ہوتے تھے اور بعض صفحات پر بیسوں شروح حدیث کے حوالجات ہوتے تھے۔ حوالجات زیادہ تر بذل المجہود، اوجز المسالک، الکوکب الدری، مرقاۃ المصابیح، فتح الباری، نووی شرح مسلم، امانی الاحبار، لامع الدراری، فتح الملہم کے ہوتے تھے۔

یہ حواشی صرف مشکوۃ شریف کا مطالعہ کرنیوالے کیلئے تو زیادہ مفید نہیں، لیکن مشکوۃ شریف پر شرح وغیرہ کا کام کرنیوالے کیلئے بے حد مفید ہیں، کہ ان حوالجات سے ان کتب سے مراجعت

بہت سہل اورآسان ہوجاتی ہے کہ فلاں جلد اور فلاں صفحہ نکالو اور متعلقہ مسئلہ و بحث دیکھ لو۔

حضرت اقدس فقیہ الامت قدس سرہ کے یہاں تقسیم کتب کا بہت زور تھا کہ اپنے متعلقین اور شاگردوں کو کثرت سے کتب تقسیم فرمایا کرتے تھے، اور خاص طور سے جس کو اہل دیکھتے اسکو بڑی فراخدلی سے خرید کر کتب عنایت فرمایا کرتے، اور اخیر زمانہ میں کثرت امراض اور ضعف بصر کے بعد اپنا پورا کتب خانہ ہی تقسیم فرمادیا تھا، جس کا بڑا حصہ اس ناکارہ کو عنایت فرمایا۔

مشکوۃ شریف جو حضرت والا قدس سرہ کے زیر درس رہتی تھی اور جس پر حوالجات درج تھے اس پر ایک بڑے عالم اور مفتی صاحب کا نام حضرت والا قدس سرہ نے اپنے قلم سے تحریر فرمایا تھا اس ناکارہ کو عنایت فرمائی اور ارشاد فرمایا: اس کو میں نے فلاں کے لئے رکھا تھا اور ان کو دینے کا ارادہ تھا لیکن یہ میں تم کو دیتا ہوں اور ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا: کہ یہ محض مطالعہ کے لئے تو زیادہ مفید نہیں مگر مشکوۃ پر کام کرنے والے کیلئے بہت مفید ہے۔

اس ناکارہ کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ اس ظلوم وجہول کو بھی مشکوۃ شریف جیسی اہم کتاب پر اس طرح کا کام کرنے کی نوبت آئیگی، یہ ناکارہ اس کو سوچ بھی نہیں سکتا تھا، رحمت دوعالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا ارشاد عالی کتنا برحق ہے: ''اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله'' [مومن کی فراست سے ڈرو پس بیشک وہ اللہ تعالی کے نور سے دیکھتا ہے۔]

حضرت والا قدس سرہٗ نے اپنے نور فراست سے کتنی دور کی چیز کو دیکھ لیا تھا، اور فرمایا تھا کہ مشکوۃ شریف پر کام کرنے والے کیلئے یہ بہت مفید ہے۔

حضرت والا قدس سرہٗ کا یہ ارشاد حرف بحرف کتنا سچ نکلا۔

حضرت والا قدس سرہٗ نے جن شروح حدیث کے حوالجات نقل فرمائے ہیں اس شرح میں عامۃً ان ہی کتابوں سے زیادہ مدد لی گئی ہے، اور اس کام میں بھی یقیناً حضرت فقیہ الامت قدس سرہٗ کی دعاؤں توجہات عالیہ کا زیادہ دخل ہے، ورنہ اپنا حال تو وہ ہے کہ ع

من آنم کہ من دانم

؎ کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں
مصلحت را تہمت بر آہوئے چین بستہ آند

اصل محرک

استاذ محترم مسیح الامت حضرت مولانا محمد مسیح اللہ نور اللہ مرقدہٗ خلیفہ اجل حضرت حکیم الامت تھانویؒ قدس سرہٗ اور سیدی ومرشدی فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ خلیفہ اجل شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ ہر دو حضرات کی دعا وتوجہات عالیہ کا حال تو معلوم ہو چکا کہ شرح مشکوۃ اسی کا ثمرہ ہے۔ یہ تو باطنی محرکات تھے۔

ظاہری اصل محرک یہ ہوا کہ جوں جوں عمر گذر رہی ہے اپنی تہی دامنی کا احساس بھی بڑھتا جا رہا ہے، اب جب کہ عمر ساٹھ برس سے تجاوز کر گئی اس احساس میں مزید ترقی ہوتی جا رہی ہے اس لئے شدت سے تقاضا ہوا کہ عمر کا جتنا حصہ باقی ہے وہ حدیث پاک کی خدمت میں گذر جائے کہ حدیث پاک کی خدمت ومشغولی بذات خود بہت بڑی دولت اور نقد نفع ہے اور اس رحمٰن ورحیم کی کریم ذات سے کیا بعید ہے کہ وہ اس کی برکت اور محض اپنے فضل وکرم سے حدیث پاک کے خدمت گذاروں میں حشر فرما دیں۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

تصور میں سراپائے حبیب حق بسائیں گے
دل ودیدہ کی محفل ان کے جلوؤں سے سجائیں گے
نگاہ نامراد دید کی حسرت نکالیں گے
کسی صورت دل مہجور کو اپنے سنبھالیں گے
تمناؤں کا اک طوفان اٹھ آیا ہے سینے میں
مچلتی ہو مئے گل رنگ جیسے آبگینے میں

مرے دل کو غم عشق نبی اے میرے باری دے
تڑپ دے سوز دے درد والم دے بیقراری دے
نہ تھمتی چشم نم میری نہ ہوتا اشک کم میرا
اسی شغل مبارک میں نکلتا کاش دم میرا

کسی صاحب دل نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

یہ دعائے دل ہے خدا کرے
تو آتش عشق میں جلا کرے
نہ نصیب ہو تجھے بیٹھنا
تیرے دل میں درد اٹھا کرے

تقریباً ۱۳۸۹ھ اور ۱۳۹۰ھ میں بندہ نے مشکوٰۃ شریف پڑھی جس کو چالیس برس کا زمانہ گذر گیا اور وہ کاپیاں بھی بوسیدہ ہو گئیں اس خیال سے کہ یہ تقریر محفوظ ہو جائے اس کو دوسری کاپیوں میں نقل کرانا شروع کیا۔ اکثر حصہ نقل ہو جانے پر بندہ نے اس کو دیکھا، باوجودیکہ مشکوٰۃ شریف پر بہت کام ہو چکا ہے اور عربی، اردو، میں اسکی شرحیں کافی موجود ہیں اور بعض درسی تقریریں بھی آ چکی ہیں مگر اس کو دیکھنے کے بعد اسکی اشاعت کا تقاضہ ہوا (اصل وجہ اوپر گذر چکی) اور ارباب علم حضرات جنہوں نے دیکھا انہوں نے بھی اشاعت کا تقاضہ کیا۔ اسلئے توکلاً علی اللہ اشاعت کا ارادہ کرلیا اور اس پر نظر ثانی اور حوالجات کا انتظام کیا۔

اولاً اس کی نقل کا مسئلہ ہی بہت اہم تھا کہ زمانہ طالب علمی میں دوران درس لکھا ہوا اور اتنی مدت کے بعد جب کہ اوراق بھی انتہائی بوسیدہ ہو جاتے ہیں، بہت سی باتیں لکھنے سے رہ بھی جاتی ہیں، مگر عزیز محترم مولانا ابرار احمد ساکن کھوائی فاضل دارالعلوم دیوبند نے اس خدمت کو بہت خوش اسلوبی سے انجام دیا، جہاں سمجھ میں نہ آیا مشکوٰۃ شریف اور اس کی شروح مرقاۃ المفاتیح، التعلیق الصبیح، اور دیگر شروح حدیث کی مدد سے اس کو درست کیا۔ جہاں لکھنا رہ

گیا تھا اس کی تکمیل کی، پھر اس پر نظر ثانی اور حواشی کے لئے:

محترم مولانا محمد حسن بدایونی سلمہ فاضل جامعہ ہذا

مولانا مفتی توحید عالم چترا وی فاضل افتاء شاہی مرادآباد

مولانا مفتی ابو القاسم صاحب اد روی فاضل افتاء شاہی مرادآباد

مولانا مفتی کوکب عالم صاحب استاذ حدیث جامعہ ھذا

مولانا مفتی معراج الدین صاحب استاذ حدیث جامعہ ھذا

مولانا مفتی محمد رضوان موانوی صاحب استاذ مظاہر علوم سہارنپور

نے حسب موقع وفرصت خدمات انجام دیں۔ فجزاهم الله خير الجزاء

اس کے بعد بندہ نے از اول تا آخر دیکھا اور حسب ضرورت حذف واضافہ کیا اور دیگر شروح حدیث کی مدد سے اس کی تکمیل کی، اور اس کا نام ''الرفیق الفصیح لحل مشکوٰۃ المصابیح'' تجویز کیا۔ جسکی پہلی جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ حق تعالیٰ شانہ بحسن وخوبی بقیہ جلدوں کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اس جلد میں مندرجہ ذیل باتوں کا اہتمام کیا گیا ہے۔

(۱)...... حضرت علاّمہ صاحب مشکوٰۃ شریف شروع کرنے سے پہلے مقدمہ الشیخ عبدالحق محدث دہلویؒ پڑھایا کرتے تھے۔ اس لئے اولاً اس کی تشریح پیش کی گئی ہے۔

(۲)...... مقدمہ کی تشریح سے قبل شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا تذکرہ بھی پیش کیا گیا ہے۔

(۳)...... صاحب مشکوٰۃ نے جن حضرات محدثین سے حدیثیں لی ہیں مقدمہ میں ان کا اجمالاً تذکرہ ہے، ان حضرات کا تذکرہ قدرے تفصیل سے کردیا گیا ہے۔

(۴)...... مقدمہ میں چونکہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا تذکرہ ہے اس لئے مناسب خیال کیا کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ کا تذکرہ بھی شامل کردیا

جائے اس لئے ان حضرات ائمہ ثلاثہ کا تذکرہ بھی اخیر میں شامل کردیا گیا۔

(۵)......صاحب مشکوۃ، صاحب مصابیح کا بھی مختصراً تذکرہ کردیا گیا۔

شرح میں مندرجہ ذیل باتوں کا لحاظ کیا گیا ہے۔

(۱)......اولاً حدیث شریف مکمل ذکر کی گئی ہے۔

(۲)......حدیث کا حوالہ نقل کیا گیا ہے مثلاً یہ حدیث بخاری شریف میں یا مسلم شریف میں یا دیگر کتب حدیث میں کہاں ہے، اسکا باقاعدہ صفحہ نمبر اور باب وغیرہ بھی ذکر کیا گیا ہے۔

(۳)......حدیث شریف میں بیان کردہ الفاظ کی ضروری لغات کا بیان کیا گیا ہے۔

(۴)......حدیث شریف کا آسان اور سلیس ترجمہ کیا گیا ہے۔

(۵)......اس کے بعد حدیث شریف کی تشریح کی گئی ہے۔

(۶)......حدیث شریف سے مستنبط فقہی احکام ومسائل کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۷)......مسائل واحکام میں اختلاف ائمہ کے دلائل بیان کئے گئے ہیں مگر اس طرح کہ کسی امام کی تنقیص لازم نہ آئے بلکہ ہر ایک کا پورا احترام اور پوری عظمت قائم رہے۔

(۸)......فقہی احکام ومسائل کے علاوہ دیگر فوائد جو حدیث شریف سے نکلتے ہیں فوائد حدیث کا عنوان دیکر ان کو بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں وہ فوائد بھی ہیں جن کو دیگر شراح حدیث نے بیان کیا ہے، اور بعض وہ ہیں جو خود بندہ کے ذہن میں آئے۔

(۹)......حدیث کے راوی کا تعارف اگر تشریح میں نہیں آیا تو حاشیہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

(۱۱)......حدیث کے طالب علم کو جن چیزوں کی تلاش ہوتی ہے ان سب کی طرف رہنمائی کی پوری کوشش کی گئی ہے۔

(۱۲)...... بے ضرورت طویل ابحاث سے احتراز کیا گیا ہے۔ اور حتی الامکان اختصار کی کوشش کی گئی ہے۔

غرض کہ اب یہ تقریر صرف درسی تقریر ہی نہیں رہی بلکہ با قاعدہ شرح ہوگئی ہے جو حدیث کے طالب علم کی تشنگی کی سیرابی کے لئے کافی اور وافی ہوگی ان شاء اللہ العزیز۔

قارئین کرام سے گذارش ہے کہ جو کوتاہیاں نظر آئیں براہ کرم ان سے مطلع فرمائیں تا کہ آئندہ طباعت میں تصحیح کردی جائے۔

حق تعالیٰ شانہ اس کاوش وپیش کش کو شروح مشکوۃ میں ایک مفید اضافہ اور طلباء حدیث کے لئے نافع ومفید فرمائے۔ اور اپنی بارگاہ میں بے حد قبول فرمائے۔ آمین

ے مِتِواني كه دہی اشک مرا حسن قبول
اے کہ در ساختہ ای قطرۂ بارانی را

حق تعالیٰ شانہ کا بے انتہا کرم اور لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ اس نے اس کم سواد وناچیز وناتواں کو اس عظیم ومبارک خدمت کی توفیق مرحمت فرمائی۔

فله الحمد و الشكر و المنة

اللهم لا احصى ثناء عليك انت كما اثنيت على نفسك
ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم و تب علينا
انك انت التو اب الرحيم بحرمة حبيبك
سيد المرسلين صلى الله تعالىٰ عليه
و علىٰ اله و اصحابه اجمعين
الى يو م الدين.

محمد فاروق غفرلہ
۱۸/۱۱/۱۴۳۰ھ
جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی)

مُقَدِّمَۃ الرفیق الفصیح

لمشکوٰۃ المصابیح

جس میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا تذکرہ۔

شرح مقدمہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

- جس میں حدیث کی تعریف
- حدیث کے اقسام
- حدیث کے مصطلحات
- اقسام حدیث کے احکام کا بیان
- رسالہ اصول حدیث منظوم، از حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ
- چوبیس جلیل القدر ائمہ محدثین کا تذکرہ
- صاحب مصابیح اور صاحب مشکوۃ المصابیح کا مختصر تعارف
- دونوں کتابوں میں فرق
- دونوں کتابوں میں احادیث مبارکہ کی تعداد وغیرہ کا ذکر ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

پیدائش ماہِ محرم ۹۵۸ھ وفات ۱۰۵۲ھ شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ نے اپنے مختصر حالات، اخبارالاخیار، میں تحریر فرمائے ہیں، اس کی تلخیص پیش کرتا ہوں، ملاحظہ فرمائیں:

والد ماجد اپنی پیری اور کمزوری کے زمانے میں میری طرف اکثر متوجہ رہتے تھے، جوانی ختم ہو جانے اور دوستوں کے انتقال کی وجہ سے وہ ایک مرتبہ سخت بیمار ہوئے، اس زمانے میں میری عمر تقریباً چار سال کی تھی، اس وقت میں آپ کی خدمت اور دلدہی کیا کرتا تھا، آپ ہمہ وقت مجھ پر شفقت وعنایت فرمایا کرتے، انہی دنوں جبکہ میں بچہ تھا، صوفیوں کے اقوال سناتے اور شفقت وعنایت فرمایا کرتے، اور میری باطنی تربیت کرتے اور میں بھی فطری طور پر ان باتوں کے سننے کا متوالا تھا، وہ باتیں کرتے کرتے، خاموش ہوکر بالکل از خود رفتہ ہو جاتے۔

جس زمانہ میں میری عمر ڈھائی سال کی ہوگی، اس وقت کی اکثر باتیں اب تک مجھے یاد ہیں، اور یہ وہ باتیں ہیں جو دانشمندوں کی آ گاہی کے لئے بے انتہا ضروری اور مفید ہیں۔

ایک مرتبہ جبکہ میں کافیہ وغیرہ پڑھا کرتا تھا، ہمارے ساتھی طالب علم آپس میں ایک

دوسرے سے پوچھ رہے تھے، حصول علم کے بعد کیا کروگے؟ بعض نے ظاہری طور پر کہدیا کہ ہمارا مقصد معرفت الٰہی ہے، بعض نے اپنی سادگی سے کہا، ہمارا مقصد حصول دنیا ہے، پھر مجھ سے پوچھا، بتاؤ تم کیا کروگے؟ میں نے کہا مجھے بالکل نہیں معلوم کہ تحصیل علم کے بعد معرفت الٰہی میں مشغول رہوں گا یا دنیا طلبی میں، البتہ فی الحال اتنا معلوم ہے کہ پہلے زمانے کے عقلمندوں اور عالموں نے کیا کہا ہے اور کشف حقیقت اور معلوم مسائل میں کون سے موتی پروئے ہیں، اس کے بعد جو حالت پیش ہوگی، دیکھا جائیگا، کہ عیش وعشرت دنیاوی کی طرف متوجہ ہوں گا یا محبت الٰہی اور طلب آخرت کے راستہ پر گامزن ہوں گا۔

بچپن ہی سے مجھے معلوم نہیں کہ کھیل کود کیا ہوتا ہے، اور خواب وراحت مصاحبت ودوستی اور سیر وتفریح کیا چیز ہے۔

شعر

شب خواب چہ وسکوں کدام است
خود خواب بعاشقاں حرام است

شوق علم وعمل میں کبھی وقت پر نہ کھایا اور بروقت آبائی محل میں نہ سویا، موسم سرما کی سخت ٹھنڈی ہواؤں اور موسم گرما کی تپتی ہوئی تیز دھوپ میں گھر سے روزانہ دومرتبہ مدرسہ جاتا تھا، دوپہر کو گھر آکر ایک دونوالے بقائے حیات کی خاطر کھالیتا، عرصہ دراز تک قبل از وقت مدرسہ جاکر ایک دوپارے چراغ کی روشنی میں تلاوت کرتا، اوراس پرطرہ یہ کہ گھر پر جتنا وقت ملتا اس میں کوئی لمحہ بیکار نہ بیٹھتا بلکہ مطالعہ کتب، بحث وتکرار میں لگارہتا، رات دن پڑھتا نیز رات کے کسی حصہ میں خوشخطی بھی لکھتا۔

میرے والدینؒ ہمیشہ فرماتے کہ کسی وقت تو محلّہ کے بچوں کے ساتھ کھیل کود کر دل خوش کرلیا کرواور رات کوآرام سے سویا کرو، لیکن میں عرض کرتا کہ کھیل کود سے جب دل خوش

کرنا ٹھہرا تو میں اس سے خوش ہوتا ہوں کہ لکھتا پڑھتا رہوں۔

عام طور پر لوگ اپنے بچوں کو مدرسہ جانے اور پڑھنے کی تاکید کرتے ہیں، اس کے برعکس مجھے کھیل کود کی جانب متوجہ کیا جاتا تھا۔

پڑھتے پڑھتے جب رات کے بارہ بج جاتے تو والد ماجد فرماتے، بابا کیا کررہے ہو؟ تو میں فوراً ہی لیٹ جاتا تا کہ جھوٹ نہ ہو جائے، اور پھر عرض کرتا جی میں سو رہا ہوں، فرمایئے کیا حکم ہے؟ اس کے بعد پھر پڑھنے لگتا، اکثر ایسا ہوتا کہ چراغ کی لو سے میرے صافے اور سر کے بالوں میں آگ لگ گئی، اور مجھے اس وقت پتہ چلا جب حرارت میرے دماغ پر پہنچی۔

اشعار

چہ دودہائے چراغ کہ در دماغ نہ رفت
کدام بادۂ محنت کہ در ایاغ نہ رفت

کدام خواب وچہ آسائش وکجا آرام
چہ خار خار کہ در بستر فراغ نہ رفت

بجیر تم زدل خود کہ عمر رفت ولے
زکنج غم کدہ ہرگز بصحنِ باغ نہ رفت

تحصیل علم کے شوق اور محنت کے باوجود نماز وظیفے، شب بیداری، مناجات وغیرہ میں فطری طور پر بچپن ہی سے اتنا مشغول تھا کہ لوگ حیرت کرتے تھے، اب بھی اللہ کے فضل وکرم سے شب خیزی کا شوق ہے، اور مجھے اس راہ سے کافی نعمتیں ملی ہیں، اور اس وقت پہلے سے بھی زیادہ محنت وریاضات اور تعلیم وافادہ میں مشغول ہوں، تعلیم وافادہ نہیں کہنا چاہئے،

بلکہ تعلیم واستفادہ کہنا اچھا ہے، گوشہ تنہائی میں پڑا ہوں دنیا کے نیک وبد سے مجھے کوئی واسطہ نہیں ہے، نیز لوگوں کی دوستی ودشمنی سے میرا دل خالی ہے، اور نحوی جملوں زید وعمر کے قصوں سے علیحدہ ہوں۔

رباعی

صد شکر کہ باہیچ کسم کارے نیست
واز من بدل ہیچکس آزارے نیست
گر بر دل دشمنان من بارے نیست
بر خاطر دوستانِ من بارے نیست

پروردگار عالم نے جس کی نعمتوں کا شکر ہی ادا کرنا میرے بس میں نہیں، اس نے مجھ غریب کو اپنے ذوق وشوق کی اس حالت سے مخصوص اور مالا مال کیا ہے کہ میرا دل اور میرا تمام وقت صرف اس کے حضور میں مشغول رہتا ہے، اور لوگوں کے میل جول وغیرہ سے الگ ہوں میں اپنے خیال میں مگن ہوں، اگر چہ وہ رازہائے سربستہ کا سراہی ہو یا مالیخولیا، لیکن یہ مقطعہ میرے حالات کا آئینہ دار ہے۔ ؎

حقی کجا وصحبت کس کز خیال دوست
دارم بخود چو مردم دیوانہ عالمے

بحکم والد ماجد کہ ''ملائے خشک وناہموار نہ بننا'' میں بچپن ہی سے ہمیشہ عشق ومحبت کا دم بھرتا ہوں، اور غم خواری ودردمندی کی راہ چلتا ہوں۔

شعر

بیدرد نہ ایم ہرگز از عشق
دائم دل درد ناک داریم

مجھ فقیر حقیر کو حضرت خبیر وبشیر ونذیر صلی اللہ علیہ وسلم کے انعامات واکرامات سے جو کچھ بشارت ملی ہے، وہ بیان سے باہر ہے، اور یقین ہے کہ یہ آثار وانوار نیک لوگوں کے لئے انشاء اللہ ضامن وکفیل ہونگے۔

اگر چہ میں اپنی کمزوریوں کی وجہ سے اس قابل نہیں ہوں کہ اپنا مطلب حاصل کر سکوں لیکن امید قوی ہے اور پائے یقین مضبوط ہے، کہ کشتی نوح میں بیٹھا ہوا ہوں، اور انشاء اللہ ساحل نجات پر پہنچ جاؤں گا، اور وہاں پہنچ کر جمال الٰہی سے مسرور ہوں گا، اور جو کوئی دنیاوی کشتی میں بیٹھ کر سرکشیاں اور غرور کرے تو وہ اس کا بھی یقین کرلے کہ آتش دوزخ کے طوفان سے اس کو ہرگز نجات نہیں مل سکے گی، علاوہ ازیں ایک اور سعادت اور عظیم ترین نعمت حاصل ہوئی۔ ع

لیکن از شوق حکایت بزیاں می آید

سنئے! جب سعادت ازلی نے مجھے یہ نعمت ابدی سرفراز فرمائی، تو میں ہمیشہ اسی اشتیاق میں رہا کہ میرے مقصود کی مجھے بشارت مل جائے، تا کہ تسلی واطمینان کے ساتھ راہ سلوک میں تیزی سے آگے قدم بڑھاؤں، اور اگر طالب فرقت کی سوزش ہے، تو معلوم ہو جائے گا، کہ یہ کتنی بڑی آرزو ہے، اور مقصد کتنا عظیم الشان ہے۔ ؎

من وو صال تو ہیہات بس عجب ہوس است

ہمیں کہ نام تو ام بر زباں رود نہ بس است

ہمیشہ اسی خیال میں رات دن کاٹ رہا تھا، کبھی راتوں کو اس لئے بیدار رہتا کہ بارقہ جمال نظر آئے اور دن کو یہی جستجو رہتی کہ خواب وخیال میں اس کے وصال کی نشانی مل جائے۔

اگر تو وعدہ وصلم دہی بہ بیداری

حرام باد سر خود اگر بخواب آرم

وگر بخواب نمائی جمال خود یکدم
بروز حشر نخواہم کہ سر زخواب آرم

اور یہ حالت اس وقت تک رہی جب کہ عقل کا پردہ اور طلب کی خواہش درمیان سے اٹھ گئی، اور اللہ کے فضل وکرم نے اپنا کام کردکھایا، مجھ غریب کو براہ راست اپنی چوکھٹ پر پہنچا دیا اور ان بیداریوں کے نتیجہ میں وہ خواب دیکھا جو ہزار بیداریوں سے بہتر وبرتر ہے۔

شعر

بخیالے زتو راضی وبخوابے خوشنود
حاصل از وصل تو خوابے وخیالے دارم

یہ اس واقعہ کا اجمالی ذکر ہے جس کو زبان وقلم سے ادا ہی نہیں کیا جاسکتا۔

شعر

حقا بیان شوق بپا یاں نمی رسد
کوتاہ ساز قصہ دور دراز را

شیخ محدث دہلویؒ کا سفر حجاز

حضرت شیخ اڑتیس سال کی عمر میں ۹۹۶ھ میں حجاز کی طرف روانہ ہوئے، اور رمضان سے کافی عرصہ پہلے آپ مکہ معظمہ پہنچ گئے، چنانچہ رمضان ۹۹۶ھ تک انہوں نے وہاں کے محدثین سے صحیح بخاری ومسلم کا درس لے لیا تھا، اور پھر شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہاں انہوں نے علم کی تکمیل کرائی اور علم طریقت وسلوک سے آشنا کیا، شیخ علیہ الرحمہ کی خوش قسمتی تھی کہ آپ کو ایسا رہبر کامل مل گیا، غرض شیخ عبدالوہاب متقی سے پورا پورا اکتساب علم کیا، اور ان سے حد درجہ متاثر ہوئے، انہی کے ساتھ رمضان گزارا اور فریضہ حج بھی ساتھ ہی

ادا کیا، بعد ازاں آپ اپنے شیخ کے حکم سے ان کے زیر نگرانی حرم کے ایک حجرہ میں عبادت وریاضت کرتے رہے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شیخ کو عشق تھا جب دیار محبوب میں پہونچتے تو برہنہ پا ہو جاتے چار بار زیارت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے اور حجاز میں تین سال قیام فرمایا۔

حجاز سے ہندوستان کو واپسی

علم وعمل کی تمام وادیوں سے گزارنے کے بعد شیخ عبدالوہاب متقیؒ نے شیخ عبدالحق علیہ الرحمہ کو ہندوستان واپس جانے کا حکم فرمایا، لیکن حضرت شیخ ہندوستان کے حالات سے ایسے دل برداشتہ تھے کہ طبیعت واپس ہونے کو نہیں چاہتی تھی، لیکن شیخ کے حکم سے مجبور ہو گئے، اور یہ ارادہ کیا کہ بغداد کے راستہ سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مزار کی زیارت کرکے ہندوستان واپس ہوؤں، لیکن شیخ نے اس کی بھی بعض وجوہات کی بناء پر اجازت نہیں دی، آخر شوال ۹۹۹ھ میں آنکھوں میں آنسو اور دل میں حسرت لئے ہوئے اس مقدس سرزمین سے رخصت ہوئے۔

شعر

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم وبہار آخر شد

شیخ محدثؒ ۱۰۰۰ھ میں ہندوستان تشریف لائے، یہاں آکر دیکھا تو اکبر کے مذہبی افکار دین الٰہی کی شکل اختیار کر چکے تھے، اسلامی شعار کی تضحیک کی جارہی تھی، ایسے روح فرسا حالات میں شیخ عبدالحقؒ نے ایک دارالعلوم کی بنیاد ڈالی اور قرآن وحدیث کے درس وتدریس

میں مشغول ہو گئے، اور یہ سلسلہ زندگی کے آخری لمحات تک جاری رہا۔

شیخ محدث دہلویؒ کے روحانی پیشوا

شیخ نے ابتداء میں اپنے والد ماجد مولانا سیف الدینؒ سے روحانی تعلیم وتربیت حاصل کی، حضرت سید موسیٰ گیلانیؒ جو سلسلۂ قادریہ کے مشہور بزرگ ہیں، ان سے شیخ محدث دہلویؒ کو بہت محبت تھی، چنانچہ ۶؍شوال ۹۸۵ھ میں سید موسیٰ سے وابستہ ہوئے، اورانہوں نے اپنی خلافت سے نوازا شیخ عبدالوہاب متقیؒ سے مکہ معظمہ میں تعلیم حاصل کی جن سے شیخ کی ملاقات کاذکراوپرگزرچکا، حضرت خواجہ باقی باللہؒ مشہورترین بزرگ ہیں، جن کی پوری زندگی احیاءِ سنت واماتت بدعت میں گذری، شیخ محدثؒ نے آپ کے دست حق پرست پر بھی بیعت کی اور فیضیاب ہوئے۔

شیخ محدث دہلویؒ کا وصال

۲۱؍ربیع الاول ۱۰۵۲ھ کو یہ آفتاب علم جس نے چورانوے سال تک فضائے ہند کو منور رکھاغروب ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون. آپ کی وصیت کے مطابق حوض شمسی کے کنارے پر سپرد خاک کیا گیا، اورشیخ نورالحقؒ نے نماز جنازہ پڑھائی ''آپ کی تاریخ ولادت ''شیخ اولیا'' اورتاریخ رحلت ''فخر عالم است'' ہے۔

حضرت شیخ محدث دہلویؒ کی تصانیف

شیخ محدث دہلویؒ کی چورانوے سال کی عمر ہوئی، اور اس عمر کا بیشتر حصہ تصنیف وتالیف میں بسر ہوا، ہر علم وفن پر آپ نے کتابیں لکھی ہیں، جن کی تعداد ۶۰؍رہے، اگر مکاتیب

ورسائل کو بھی شامل کر لیا جائے تو یہ تعداد ۱۱۶ تک پہنچتی ہے، ان میں سے مشہور مطبوعہ کتابیں درج ذیل ہیں:۔

نمبر شمار	نام کتاب	موضوع	زبان	کیفیت
۱	اخبار الاخیار فی احوال الابرار	سیر وتذکیر	فارسی	مطبوعہ اردو ترجمہ مولانا فاضل صاحب
۲	آداب الصالحین	اخلاق	//	// اردو ترجمہ نواب قطب الدین دہلوی
۳	آداب اللباس	//	//	مطبوعہ اردو ترجمہ
۴	اشعۃ اللمعات فی شرح مشکوٰۃ	حدیث	//	مطبوعہ
۵	ترجمہ زبدۃ الآثار منتخب بہجۃ الاسرار	سیر	//	مطبوعہ
۶	تکمیل الایمان وتقویۃ الایمان	عقائد	//	مطبوعہ (اردو ترجمہ بھی شائع ہوا)
۷	توصیل المرید الی المراد	تصوف	//	مطبوعہ (اردو ترجمہ بھی شائع ہوا)
۸	جذب القلوب الی دیار المحبوب	تاریخ	//	مطبوعہ (اردو ترجمہ بھی شائع ہوا)
۹	شرح سفر السعادۃ		//	مطبوعہ
۱۰	شرح فتوح الغیب	تصوف	//	مطبوعہ
۱۱	فہرس التوالیف	ذاتی	فارسی عربی	مطبوعہ
۱۲	کتاب المکاتیب والرسائل	مکاتیب	فارسی	مطبوعہ (اردو ترجمہ بھی شائع ہوا)
۱۳	ماثبت بالسنۃ فی ایام السنہ	حدیث	عربی	مطبوعہ
۱۴	مدارج النبوۃ	سیر	فارسی	مطبوعہ (اردو ترجمہ بھی شائع ہوا)
۱۵	مرج البحرین	تصوف	//	مطبوعہ (اردو ترجمہ بھی شائع ہوا)
۱۶	نکات الحق والحقیقت	//	//	مطبوعہ

معاصرین

حضرت شیخ محدث دہلوی علیہ الرحمہ کے معاصرین میں حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ اور حضرت شاہ ابو المعالی علیہ الرحمہ زیادہ مشہور ہیں۔

شیخ محدث دہلویؒ کی اولاد

شیخ محدثؒ کے تین فرزند ہوئے، سب سے بڑے فرزند شیخ نور الحق مشرقی ہیں جو اپنے والد محترم کی طرح صاحب علم وفضل ہوئے، خود حضرت شیخ محدثؒ آپ سے بیحد خوش تھے، اور اپنا وجود ثانی کہتے تھے، شیخ نور الحق نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں ''تیسیر القاری'' کے نام سے چھ جلدوں میں بخاری شریف کی شرح بھی شامل ہے، آپ نے اپنے والد کی حیات میں ہی شاہجہاں کے عہد میں اکبر آباد کی قضا کا عہدہ قبول کرلیا تھا، اور جب شیخ محدثؒ کا انتقال ہوا تو شیخ نور الحق نے اپنے باپ کی مسند ارشاد کو سنبھال لیا، شیخ عبد الحق کے دوسرے فرزند شیخ علی محمد جید عالم اور بزرگ تھے، آپ نے بھی متعدد کتابیں تصنیف فرمائی تھیں، تیسرے فرزند شیخ محمد ہاشم ہیں، یہ علم حدیث میں خاص مناسبت رکھتے تھے، محمد ہاشم کے لڑکے محمد عاصم سے حضرت شیخ محدث کو بہت محبت تھی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿......مقدمہ شیخ عبدالحقؒ......﴾

علم اصول حدیث

اصطلاحی تعریف: ایسے اصول وقواعد کا جاننا جن کے ذریعہ سند ومتن کے احوال باعتبار رد وقبول معلوم ہوں۔

موضوع: اصول حدیث کا موضوع سند اور متن ہے، مقبول اور مردود ہونے کے اعتبار سے۔

غرض وغایت: اقوال غیر سے حدیث کی حفاظت اور باعتبار صحت وضعف درجات حدیث کو معلوم کرنا۔

حدیث کے لغوی معنی: حدیث قدیم کی ضد ہے، خبر، ذکر، بات، بیان وغیرہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

حدیث کی اصطلاحی تعریف: جمہور محدثین کی اصطلاح میں حدیث کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل اور تقریر پر بولا جاتا ہے۔

تقریر کا مطلب یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کوئی کام کیا گیا یا کسی نے کوئی بات بیان کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نکیر نہیں فرمائی، بلکہ سکوت اختیار فرمایا۔ بعض محدثین کے نزدیک صحابی کے قول وفعل اور تقریر پر بھی حدیث کا اطلاق ہوتا ہے، اسی طرح تابعی کے قول وفعل پر بھی حدیث کا اطلاق ہوتا ہے۔

حدیث کا موضوع: علم حدیث کا موضوع نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ وتابعین کے اقوال وافعال وتقریرات ہیں۔

حدیث کی غرض وغایت: اتصال وانقطاع کے اعتبار سے احادیث کی سند کے اقسام اور روایت کے احکام وآداب معلوم کرنا۔

غایت سند کے اعتبار سے حدیث کی تقسیم

منتہائے سند کے اعتبار سے حدیث کی تین قسمیں ہیں، مرفوع، موقوف، مقطوع

حدیث مرفوع: وہ حدیث ہے جس کی اسناد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہو یعنی اس اسناد سے خاص آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ارشاد یا عمل یا تقریر نقل کی گئی ہو[1]۔

حدیث موقوف: وہ حدیث ہے جس کی اسناد کسی صحابی تک پہنچتی ہو یعنی اس سند سے کسی صحابی کا کوئی قول یا عمل یا تقریر نقل کی گئی ہو[2]۔

حدیث مقطوع: وہ حدیث ہے جس کی اسناد کسی تابعی تک یا تابعی کے بعد کے کسی عالم تک پہنچتی ہو یعنی اس اسناد سے کسی تابعی کا یا تبع تابعی کا یا اس سے نیچے کے کسی عالم کا کوئی قول نقل کیا گیا ہو[3]۔ (تحفۃ الدرر: ص ۴۶)

---

[1] اگر مطلق مرفوع کا استعمال ہو تو، ہمیشہ یہی مراد ہوتا ہے خواہ اس کی اسناد متصل ہو یا منقطع، اور مصنفین (خواہ متاخرین ہوں) کا قول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مرفوع ہی کے زمرہ میں آئیگا۔ اور چونکہ اس میں اتصال کی شرط نہیں ہے اس لئے متصل مرسل منقطع اور معلق اور معضل تمام اس میں داخل ہو جائیں گے۔ (تعلیقات ارشاد: ۱/۱۵۷)

[2] البتہ اگر غیر صحابی کے لئے بعض مرتبہ استعمال کرتے ہیں، تو مقید کرتے ہیں، مثلاً کہتے ہیں: وقفہ فلان علی عطاء، وقفہ فلان علی عبد العزیز. (ارشاد طلاب الحقائق: ۱/۱۵۸)

[3] جمہور محدثین کی اصطلاح یہی ہے، مگر امام شافعی اور امام طبرانی کے کلام میں منقطع پر بھی مقطوع کا اطلاق ہوا ہے، مگر وہ وضع اصطلاح سے پہلے کی بات ہے۔ (ارشاد مع التعلیقات: ۱/۱۶۶)

اثـــر: عام طور سے حدیث موقوف اور حدیث مقطوع کو اثر کہتے ہیں، لیکن بعض محدثین نے حدیث کی مذکورہ تینوں قسموں پر اثر کا اطلاق کیا ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول دعاؤں کو ادعیۂ ماثورہ کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ امام طحاویؒ نے اپنی کتاب کا نام (جس میں احادیث نبویہ اور آثار صحابہ موجود ہیں) شرح معانی الآثار رکھا ہے نیز امام طبریؒ[1] کی کتاب کا نام تہذیب الآثار ہے حالانکہ اس میں اصالۃً احادیث مرفوعہ ہیں احادیث موقوفہ کہیں کہیں ضمنی طور سے آئی ہیں۔

حدیث اور اثر کے درمیان فرق

(۱) ''حدیث'' مرفوع اور موقوف کے ساتھ خاص ہے اور ''اثر'' حدیث مقطوع کو کہا جاتا ہے۔

(۲) محدثین کا مختار قول یہ ہے کہ اثر اور حدیث دونوں مترادف الفاظ ہیں، اثر کا اطلاق مرفوع، موقوف، مقطوع دونوں پر ہوتا ہے۔

(۳) فقہاءِ خراسان کی رائے یہ ہے کہ مرفوع کو حدیث اور موقوف ومقطوع کو اثر کہتے ہیں۔ (عون المغیث: ص۴۴-۵۳)

خبر اور حدیث کے درمیان فرق

(۱) مشہور اصطلاح کے مطابق خبر اور حدیث دونوں مترادف ہیں، ایک دوسرے پر اطلاق ہوتا رہتا ہے، محققین علماء اصول حدیث کی یہی رائے ہے۔

(۲) حدیث اور خبر دونوں میں تباین ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول باتوں کو حدیث اور دوسرے حضرات سے منقول باتوں کو خبر کہا جاتا ہے۔

---

[1] اصل کتاب میں ان لـلطبرانی نسخہ کی غلطی ہے، بلکہ وہ طبری ہے، اس لئے کہ ان کی کتاب کا نام تہذیب الآثار ہے، نہ کہ امام طبرانیؒ کی کتاب کا نام ہے، اس لئے اوپر طبری لکھا گیا ہے۔

(۳) بعض حضرات کے نزدیک خبر اور حدیث کے درمیان تباین کلی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ وتابعین سے منقول باتوں کو حدیث کہا جاتا ہے، اوران کے علاوہ گذشتہ زمانہ کے تاریخی واقعات اور بادشاہوں کی باتوں کو خبر کہا جاتا ہے، اسی وجہ سے حدیث اور سنت سے اشتغال رکھنے والے شخص کو محدث اور تاریخ سے ممارست رکھنے والے شخص کو اخباری (مؤرخ) کہا جاتا ہے۔

(۴) بعض حضرات کے نزدیک خبر اور حدیث کے درمیان عام خاص مطلق کی نسبت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کو حدیث کہا جاتا ہے، گویا خبر عام اور حدیث خاص ہے۔ (یہ تیسرا فرق مقدمہ میں مذکور نہیں ہے)

حدیث مرفوع کے اقسام

حدیث مرفوع کی اولاً دو قسمیں ہیں: صریحی، حکمی۔ پھر ہر ایک کی تین قسمیں ہیں: قولی، فعلی، تقریری۔ اس طرح حدیث مرفوع کی کل چھ قسمیں ہوئیں: (۱) مرفوع صریح قولی، (۲) مرفوع صریح فعلی، (۳) مرفوع صریح تقریری، (۴) مرفوع قولی حکمی، (۵) مرفوع فعلی حکمی، (۶) مرفوع تقریری حکمی۔

حدیث مرفوع صریحی قولی: وہ حدیث ہے جس کی اسناد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہو اور اس سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی صریح ارشاد نقل کیا گیا ہو جیسے صحابی کہے۔ (۱) سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول كذا، (۲) حدثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم بكذا یا راوی (صحابی یا غیر صحابی) کہے، (۳) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كذا (۴) یا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قال كذا

حدیث مرفوع صریحی فعلی: وہ حدیث ہے جس کی اسناد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہو اور اس سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عمل صراحۃً نقل کیا گیا ہو جیسے صحابی کہے رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فعل کذا یا راوی (صحابی یا غیر صحابی) کہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفعل کذا.

حدیث مرفوع صریحی تقریری: وہ حدیث ہے جس کی اسناد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہو اور اس سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کام کو یا کسی بات کو برقرار رکھنا صراحۃً نقل کیا گیا ہو، جیسے صحابی کہے فعلت بحضرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کذا پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر انکار بیان نہ کرے۔

حدیث مرفوع حکمی قولی: وہ حدیث ہے جس کی اسناد کسی ایسے صحابی تک پہنچتی ہو جو اسرئیلیات نہ بیان کرتے ہوں، اور اس سے اس صحابی کی فرمائی ہوئی کوئی ایسی بات نقل کی گئی ہو جس کا اجتہاد سے تعلق نہ ہو۔ نہ وہ کسی لفظ کے معنی ہوں اور نہ وہ کسی قلیل الاستعمال لفظ کی تشریح ہو تو اسے حکماً حدیث مرفوع کا درجہ دیا جائے گا، کیوں کہ ظاہر یہی ہے کہ اس صحابی نے وہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی بیان کی ہوگی اس لئے کہ صحابہ کرام کے علوم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے مستفاد تھے، مثلاً ابتدائے آفرینش عالم کے سلسلہ کی کوئی بات یا انبیاء کرام کے حالات یا ملاحم[1] فتن یا احوال قیامت کے سلسلے کی کوئی بات یا کسی عمل کا کوئی مخصوص ثواب وعقاب کا بیان۔

حدیث مرفوع حکمی فعلی: وہ حدیث ہے جس کی اسناد کسی صحابی تک پہنچتی ہو اور اس صحابی کا کوئی ایسا کام نقل کیا گیا ہو جس میں اجتہاد کی گنجائش نہ ہو تو صحابی کے اس عمل کو حکماً حدیث مرفوع کا درجہ دیا جائے گا اور یہ سمجھا جائے گا کہ صحابی نے یہ عمل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق کیا ہوگا۔

---

[1] ملاحم: جنگیں، لڑائیاں، فسادات، جھگڑے بازیاں، خلفشاریاں۔

حدیث مرفوع حکمی تقریری: وہ حدیث ہے جس کی اسناد کسی صحابی تک پہنچتی ہو اور اس سے کسی صحابی کا یہ اطلاع دینا نقل کیا گیا ہو کہ لوگ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں فلاں کام کرتے تھے پس اس اطلاع کو بھی حکماً حدیث مرفوع تقریری کا درجہ دیا جائیگا، کیوں کہ ظاہر یہی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے اس عمل کی اطلاع ہوئی ہوگی اسلئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر کام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر ہی کرتے تھے، نیز زمانہ بھی نزول وحی کا زمانہ تھا اسلئے اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا وہ عمل ناجائز ہوتا تو شریعت ضرور اس سلسلہ میں کوئی ہدایت دیتی یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہیں من السنة کذا (سنت یہ فعل ہے) ظاہر یہی ہے کہ سنت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مراد ہے، اگر چہ بعض حضرات سنت صحابہ اور خلفائے راشدین پر بھی سنت کا اطلاق کرتے ہیں۔

فصل

سند کی تعریف: متن حدیث تک پہنچنے کا راستہ یعنی وہ رجال جو متن حدیث کو روایت کریں۔

اسناد کی تعریف: سند کے ہم معنی لفظ ہے۔

دوسرے معنی: متن حدیث کے طریق کو نقل کرنا اسناد کہلاتا ہے یعنی معنی مصدری میں استعمال ہوتا ہے۔ سند کو رجال حدیث، سند حدیث اور اسناد کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

متن کی تعریف: وہ کلام جس پر سند آ کر رک جائے۔ چاہے وہ قول وفعل وتقریر تابعی ہو یا صحابی یا حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچ جائے، جس پر پہونچ کر ختم ہو جائے وہی متن ہے۔

اقسام سند

پھر سند کے اعتبار سے حدیث کی کئی قسمیں ہیں ان میں سے نمبر (١) متصل ہے۔

حدیث متصل: وہ حدیث ہے جس کی سند مسلسل ہو کوئی راوی سلسلۂ سند کے درمیان سے ساقط نہ ہو اس عدم سقوط راوی کا نام اتصال ہے۔

حدیث منقطع: وہ حدیث ہے جس کے اندر سند سے ایک راوی یا ایک سے زیادہ راوی ساقط ہو جائے اور اس سقوط کا نام انقطاع ہے، حدیث منقطع کا دوسرا نام غیر متصل ہے۔

پھر حدیث منقطع بمعنی حدیث غیر متصل کی چار قسمیں ہیں۔ معلق، مرسل، معضل، اور منقطع۔

حدیث معلق: وہ حدیث ہے جس کی سند کا ابتدائی حصہ حذف کر دیا گیا ہو یعنی کسی مصنف نے بالقصد ابتدائے سند سے ایک یا چند راویوں کو حذف کر دیا ہو خواہ تمام سند حذف کر دی ہو اور قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر حدیث بیان کی ہو یا صحابی کے علاوہ باقی تمام سند حذف کر دی ہو یا صحابی اور تابعی کے علاوہ باقی سند حذف کر دی ہو یا مصنف نے اپنی جانب سے ابتدائے سند سے صرف ایک یا چند راویوں کو حذف کر دیا ہو سب کو معلق کہا جاتا ہے۔ اور اس اسقاط کا نام تعلیق ہے۔

حدیث معلق کا حکم: جو محدثین ہمیشہ بالالتزام صحیح احادیث بیان کرتے ہیں جیسے امام بخاری اور امام مسلم صحیحین میں، اگر یہ محدثین صیغۂ جزم اور معروف کے صیغہ کے ساتھ تعلیقات بیان کریں مثلاً "قال" یا "ذکر" کہہ کر بیان کریں تو ان مصنفین کے اعتبار پر وہ تعلیقات مقبول ہوں گی، اور اگر بصیغۂ تمریض (مجہول کے صیغہ سے) بیان کریں مثلاً "یقال" یا "یذکر" وغیرہ کلمات سے بیان کریں تو وہ قابل قبول نہ ہوں گی بلکہ ان کی تحقیق

ضروری ہوگی اور جو محدثین صحیح اور غیر صحیح ہر طرح کی حدیث بیان کرتے ہیں ان کی **تعلیقات** مقبول نہیں ہیں۔ (تحفۃ الدرر: ص ۶۴)

فائدہ (۱) : امام بخاری کی "**الجامع الصحیح**" میں ترجمۃ الباب کے ذیل میں **تعلیقات** بکثرت آئی ہیں جو حدیث متصل کے حکم میں ہیں، کیوں کہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں صرف احادیث صحیحہ درج کرنے کا اہتمام کیا ہے لیکن ان **تعلیقات** کا مرتبہ امام بخاری کی مسند روایات سے کمتر ہے البتہ اگر امام بخاری کسی حدیث کو ایک جگہ **معلق** اور دوسری جگہ مسند ذکر کریں تو یہ مسند اور **معلق** دونوں مساوی درجہ کی ہوں گی۔

امام بخاری کی **تعلیقات** میں کچھ لوگوں نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ امام بخاریؒ جس حدیث کو صیغۂ معروف سے ذکر کریں وہ حدیث امام بخاری کے نزدیک قطعی طور سے صحیح ہے اور جس **معلق** روایت کو صیغۂ مجہول کے ساتھ ذکر کریں تو اس کی صحت میں امام ہمام کے نزدیک کلام ہے، مگر اس حدیث کا "**الجامع الصحیح**" میں آنا اس بات کا غماز ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل ضرور ہے، محدثین کرام اسی وجہ سے امام بخاریؒ کی **تعلیقات** کو صحیح قرار دیتے ہیں[1]۔ اسی وجہ سے علماء کا مقولہ ہے: **تعلیقات البخاری متصلۃ صحیحۃ**.

---

[1] جو تفصیل حضرت شیخ نے اپنے اس مقدمہ میں ذکر کی ہے یہی رائے ابن الصلاح اور امام نووی وغیرہ کی بھی ہے، اور جو حکم تعلیقات بخاری کا ہے وہی حکم تعلیقات مسلم کا بھی ہے البتہ مسلم شریف میں تعلیقات کی تعداد بمقابلہ امام بخاری بہت قلیل ہیں، صحیح بخاری میں مندرج تعلیقات کی تعداد ایک ہزار تین سو اکتالیس (۱۳۴۱) ہے، اور ان میں سے اکثر کو مکرر اپنی سند سے امام بخاری نے اپنی صحیح میں ذکر کردیا ہے، صرف ایک سو ساٹھ (۱۶۰) ایسی تعلیقات ہیں جو بخاری میں دوسرے مقامات پر متصلاً ذکر نہیں کی گئیں، لیکن حافظ ابن حجرؒ نے ایک مستقل تصنیف تعلیقات بخاری کے متعلق فرمائی ہے، اور ان تمام روایات کو سند متصل کے ساتھ ہونا ثابت فرمادیا ہے، اس کتاب کا نام "تغلیق التعلیق" ہے۔ (تعلیقات ارشاد: ۱/۱۲۷)

امام نووی کی رائے یہ ہے کہ صحیح مسلم کی تعلیقات صرف بارہ ہیں اور ان میں سے گیارہ کو خود امام مسلم نے اولاً متصلاً روایت کیا ہے پھر اس کے بعد تعلیق کرتے ہوئے فرمایا ہے: قد رواہ فلان. البتہ صرف ابو الجہیم کی روایت کو متصلاً نقل نہیں کیا صرف وہی بالکل معلق ہے۔ جو مسلم شریف: ۱۶۱/۱ پر باب التیمم میں ہے۔

فائدہ (۲): مشکوۃ شریف میں جملہ احادیث بلا سند ذکر کی گئی ہیں، مگران کو اصطلاح میں تعلیق نہیں کہا جائے گا، کیوں کہ صاحب مشکوٰۃ نے یہ احادیث اپنی سند سے روایت نہیں کی ہیں، بلکہ دوسری کتابوں سے نقل کی ہیں اوران حدیثوں کی سندیں اصل کتابوں میں موجود ہیں، لہذا احادیث مشکوٰۃ کو معلق نہیں کہا جائے گا، بلکہ اصطلاح میں ان کو مجرد کہا جائیگا، اوراس عمل کا نام تجرید ہے۔ (تحفۃ الدرر: ص۲۳)

حدیث مرسل: حدیث کی سند کا اول محدث کی طرف ہوتا ہے، اورآخر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف، اگرسقوط آخر کی طرف سے ہوتابعی کے بعدتو وہ مرسل ہے، یعنی اس میں صحابی کا ذکراورواسطہ نہ ہولہذا حدیث مرسل کی تعریف ہوئی، کہ مرسل وہ حدیث ہےجس کی سند کا آخری حصہ نہ بیان کیا گیا ہوصرف تابعی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کرحدیث بیان کرتا ہواورصحابی کے ذکر ساقط کرنے کوارسال کہتے ہیں، خواہ تابعی اعلی مرتبہ کا ہو یا معمولی مرتبہ کا ہو۔ کبھی مرسل مطلق انقطاع کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ لیکن اصطلاح اول مشہور ہے کہ مرسل اخص مطلق اور منقطع اعم مطلق ہے[1]۔

حدیث مرسل کا حکم: اگرارسال کرنے والا تابعی ثقہ اورغیر ثقہ دونوں قسم کے راویوں سے ارسال کرتا ہےتو اس حدیث مرسل کے بارے میں بالاتفاق توقف کیا جائے گا، اوراگر اس ارسال کرنے والے تابعی کی عادت معلوم ہے کہ وہ صرف ثقہ راوی ہی سےارسال کرتے ہیں تواس مرسل کے حکم میں محدثین کا اختلاف ہے۔

---

[1] علامہ ابن حجرؒ حافظ عراقی اوروزیر صنعانی وغیرہ نے مرسل اور منقطع کے درمیان تعریف کے اعتبار سے بالکل امتیاز کردیا ہے، اور ان کےقول کا خلاصہ یہ ہے کہ منقطع وہ ہےجس کی سند سے ایک یا ایک سے زائد راوی ساقط ہوجائیں، اس شرط کے ساتھ کہ ساقط ہونے والوں میں کوئی صحابی نہ ہواورسقوط پے درپے نہ ہواس تعریف کا فائدہ یہ ہوا کہ کوئی صحابی نہ ہو، کی قید سے مرسل سے احتراز ہوگیا، اور"سقوط پے درپے نہ ہو" کی قید سے معضل سے امتیاز ہوگیا۔ (تعلیقات ارشاد: ۱/۱۸۲)

(۱) جمہور علماء کے نزدیک اس کا حکم توقف ہے (یعنی اس حدیث کے مقبول یا غیر مقبول ہونے کے بارے میں توقف کیا جائے گا، اور کوئی حکم نہیں لگایا جائے گا۔ اس حدیث سے کوئی مسئلہ اور کوئی حکم اس وقت تک ثابت نہیں کر سکتے، جب تک معلوم نہ ہو کہ مرسل کون ہے، ثقہ یا غیر ثقہ۔[1]

اشکال: مرسل وہ حدیث ہے جس میں صحابی کا واسطہ نہ ہو اور صحابہ سب تو عدول وثقات ہی ہیں توقف کی کیا وجہ ہے۔

جواب: کبھی تابعی تابعی سے روایت کر دیتے ہیں اور تابعین میں ثقہ غیر ثقہ دونوں ہیں اس لئے توقف ضروری ہوا۔

(۲) امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ کے نزدیک مرسل مطلقاً مقبول ہے کیوں کہ مرسل نے حدیث کی صحت پر کمال وثوق اور کمال اعتماد کی بنیاد پر ہی حدیث کو مرسلاً بیان کیا ہے، اگر مرسل کے نزدیک یہ حدیث صحیح نہ ہوتی تو وہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ کہتا۔

(۳) امام شافعیؒ کے نزدیک اگر حدیث مرسل کو کسی دوسری حدیث مرسل یا مسند

---

[1] اور اس کی دلیل حافظ ابن حجرؒ نے امام غزالیؒ سے نقل کرتے ہوئے یہ لکھی ہے کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ راوی عادل ہونا چاہئے، نیز اگر سند میں انقطاع ہو تو اس میں توقف کیا جاتا ہے۔ اور جب مرسل میں راوی محذوف ہو تو ممکن ہے کہ وہ تابعی ہو، اس لئے کہ یہ ضروری نہیں کہ مرسل صرف صحابہؓ سے ہی روایت کرتا ہو اور جب وہ تابعی ہو تو ممکن ہے، کہ ضعیف ہو اس لئے کہ یہ بھی ضروری نہیں کہ اس کی روایت صرف ثقات ہی سے ہو اگر وہ ضعیف ہے تب تو کوئی کلام ہی نہیں، اور اگر وہ ثقہ ہو تب بھی احتمال ہے کہ وہ تابعی ثقہ کسی تابعی ہی سے روایت کرتا ہو کیونکہ ایک تابعی کی روایت بعض مرتبہ یکے بعد دیگرے چھ سات تک پائی جا چکی ہے۔ لہذا چھ سات واسطوں تک یہ احتمال چلے گا، اور وہ تمام ایسے ہیں جن کا نام معلوم نہیں اور نہ ان کا کچھ حال معلوم ہے اور اصل یہ ہے کہ مجہول الحال کی روایت معتبر نہیں تو پھر مجہول العین والحال کی روایت کیونکر معتبر ہو سکتی ہے۔ (تعلیقات ارشاد: ۱/۱۷۰)

سے تائید اور قوت حاصل ہو جائے اگرچہ یہ مسند یا مرسل ضعیف ہی کیوں نہ ہو تو وہ مرسل مقبول ہے ورنہ قبول نہ ہوگی۔[١]

(۴) امام احمدؒ سے اس سلسلہ میں دو قول ہیں ایک یہ ہے کہ مرسل غیر مقبول اور ضعیف ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ حدیث مرسل صحیح ہے، یہی دوسرا قول حنابلہ کے یہاں راجح ہے۔

حدیث معضل: وہ حدیث ہے جس کی سند کے درمیان سے دو یا زیادہ راوی مسلسل حذف ہو گئے ہوں۔

حدیث منقطع: وہ حدیث ہے جس کی سند کے درمیان سے صرف ایک راوی حذف ہوا ہو یا چند راوی حذف ہوئے ہوں مگر مسلسل نہ ہوئے ہوں بلکہ الگ الگ جگہوں سے حذف ہوئے ہوں۔

فائدہ: سابق میں گذر چکا ہے کہ منقطع غیر متصل کے معنی میں بھی آتی ہے جو مقسم ہے اور اس تعریف کے اعتبار سے منقطع غیر متصل کی قسم ہے اور دونوں کے درمیان فرق اعتباری ہے۔ مقسم یعنی غیر متصل السند میں صرف راوی کا سقوط پیش نظر ہے اور قسم میں درمیان

---

[١] حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک قبولیت مرسل کے لئے چھ شرائط ہیں۔
(١) اس روایت کو کسی حافظ حدیث نے مسنداً نقل کیا ہو۔
(٢) اگر مسنداً کسی حافظ حدیث سے نہ آئی ہو تو کسی حافظ حدیث نے مرسلاً ہی اس کو نقل کیا ہو۔
(٣) مرسل روایت بعض صحابہ کے اقوال کے موافق ہو۔
(۴) اہل علم کا فتویٰ اس کے معنی کے موافق ہو۔
(۵) اگر مرسل سے ساقط کے نام کی تحقیق کی جائے تو مجہول یا غیر معتبر کو اپنا استاذ نہ بتائے، بلکہ ثقہ کا نام ذکر کرے۔
(٦) مرسل اگر حفاظ حدیث کے ساتھ کسی روایت میں شریک ہو تو ان کی مخالفت نہ کرتا ہو اور اگر مخالفت کرے تو اس کی روایت حفاظ کی روایت کے مقابلہ میں ناقص ہو۔ (تعلیقات مع المتن: ١/١٧٦)
اور بعض علماء نے یہ تفصیل ذکر کی ہے کہ صحابہ کی مرسل روایت تو بالاتفاق مقبول ہے، اور امام شافعی کے نزدیک قرن ثانی اور ثالث کے راوی کی روایت مذکورہ شرائط کے ساتھ معتبر ہے اور امام مالکؒ اور احناف کے نزدیک قرن ثانی اور ثالث کے راوی کی روایت بھی مطلقاً مقبول ہے۔ (قفو الاثر: ٦٧)

سند سے ایک راوی یا ایک سے زائد راوی کا سقوط بشرط عدم اتصال ملحوظ ہے۔

فائدہ: احادیث کے راوی تقریباً پانچ لاکھ ہیں، ان کے حالات، اسماء، والدین کے حالات، اور واقعات کو یاد کریں پھر کہیں محدث کہلائیں گے۔[۱]

انقطاع سند اور سقوط راوی کی معرفت کا طریقہ

راوی کا سند سے سقوط راوی اور مروی عنہ کے درمیان ملاقات نہ ہونے سے معلوم ہوگا یا تو اس وجہ سے کہ دونوں میں معاصرت نہیں ہے، بلکہ دونوں کا زمانہ الگ الگ ہے، یا دونوں میں معاصرت تو ہے مگر راوی اور مروی عنہ کا اجتماع نہ ہوسکا اور راوی کو شیخ کے حوالہ سے روایت بیان کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

فن تاریخ کی ضرورت اور اہمیت: کیوں کہ رواۃ میں معاصرت وملاقات کا جاننا نہایت ضروری ہے کیوں کہ کسی بھی حدیث کے بارے میں کوئی فیصلہ اسی وقت کیا جاسکتا ہے جب لقاء یا عدم لقاء کا علم ہو جائے اور یہ بات فن تاریخ یعنی فن اسماء الرجال ہی سے معلوم ہوگی، جس میں راویان حدیث کی تاریخ ولادت، تاریخ وفات، طلب علم کا زمانہ اور تحصیل علم کے لئے اسفار کے اوقات کی تفصیلات ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے فن اسماء الرجال ایک بنیادی اور قابل اعتماد فن ہوگیا ہے۔

حدیث مدلس کا بیان

تدلیس کے لغوی معنی ہیں عیب چھپانا دَلَّسَ البائع سامان مبیع کا عیب چھپانا، رات کی تاریکی اور شدت کو بھی تدلیس کہتے ہیں۔

---

[۱] لیکن فی زماننا تمام کو یاد کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ ان کتب کا علم ضروری ہے جن میں ان کے حالات مدون ہیں اس طور پر کہ اگر ہم کسی راوی کے حالات وغیرہ کی تحقیق کرنا چاہیں، توفی الفور ان کتب سے اخذ کرسکیں جن میں ان کے حالات مرتب ہیں۔

حدیث مدلس کی اصطلاحی تعریف: حدیث مدلس وہ حدیث ہے جس میں سقط خفی ہو یعنی راوی اپنے استاذ کو (جس سے یہ حدیث سنی ہے) حذف کر کے مافوق سے (جس سے لقاء تو ہو مگر اس سے یہ حدیث نہ سنی ہو) اس طرح روایت کرے کہ استاذ کا محذوف ہونا معلوم نہ ہو، بلکہ یہ محسوس ہو کہ مافوق ہی سے سنا ہے مثلاً ''عن فلان'' یا ''قال فلان'' کہے۔ اگر اس صورت میں راوی صراحتاً مافوق سے اپنا سماع بیان کرے مثلاً ''سمعت'' یا ''حدثنی'' وغیرہ کلمات سے روایت کرے تو یہ کذب ہوگا اور اس فعل سے اس کی روایت ساقط ہو جائے گی۔[1]

تدلیس کے ارکان

جس حدیث میں تدلیس کی جائے وہ ''مُدَلَّس'' ہے اور اس فعل کا نام تدلیس ہے اور اس کے فاعل کو ''مُدَلِّس'' کہتے ہیں۔

تدلیس کی تقسیم

تدلیس کی مشہور قسمیں تین ہیں: تدلیس الاسناد، تدلیس الشیوخ، تدلیس التسویہ۔

تدلیس الاسناد: یہ ہے کہ محدث کسی حدیث کو ایسے شیخ سے روایت کرے جو اس کا ہم عصر ہے مگر اس سے ملاقات نہیں ہوئی یا ملاقات تو ہوئی ہے مگر اس سے کوئی حدیث نہیں سنی ہے یا حدیث تو سنی ہے مگر جو بیان کر رہا ہے وہ نہیں سنی بلکہ یہ حدیث محدث نے اس

---

[1] حافظ ابن حجرؒ نے تدلیس اور مرسل وغیرہ کا امتیاز بیان کیا ہے ان کی رائے ہے کہ اگر راوی اور مروی عنہ کے درمیان ملاقات نہیں تو روایت منقطع ہے، اور اگر ملاقات ہے مگر اجازت نہیں تو تدلیس ہے، اور اگر صرف معاصرت ہے ملاقات نہیں تو اس کا نام ارسال خفی ہے، اور دیگر علماء کے نزدیک اگر معاصرت ہے مگر لقاء نہیں تو وہ بھی تدلیس ہے، حافظ ابن حجرؒ کی دلیل یہ ہے کہ اگر معاصرت تدلیس کے لئے کافی ہوتی تو ابو عثمان نہدی قیس بن ابی حازم وغیرہ مخضر مین کی روایت مرسل قرار نہ دی جاتی بلکہ مدلس ہوتی، حالانکہ ان کی روایات کو مرسل قرار دیا گیا ہے۔ (تعلیقات ارشاد: ۱/۲۰۴)

شیخ کے کسی ضعیف یا معمولی شاگرد سے سنی ہے اس واسطہ کو حذف کرکے اس طرح روایت کرتا ہے کہ سماع کا وہم ہوتا ہے، جیسے بقیۃ بن الولید اور ولید بن مسلم کی تدلیس۔ تدلیس کی یہ قسم مذموم اور ناجائز ہے۔

تدلیس الشیوخ: یہ ہے کہ محدث اپنے شیخ کا ذکر غیر معروف نام یا غیر معروف کنیت یا غیر معروف نسبت یا غیر معروف صفت سے کرے تا کہ لوگ اس کو پہچان نہ سکیں کیوں کہ وہ ضعیف یا معمولی درجہ کا راوی ہے۔ تدلیس کی یہ صورت بھی نامناسب ہے مگر ناجائز نہیں ہے۔

تدلیس التسویۃ: یہ ہے کہ محدث اپنے شیخ کو تو حذف نہ کرے البتہ حدیث کو عمدہ بنانے کے لئے اوپر کے کسی ضعیف یا معمولی راوی کو حذف کردے اور وہاں ایسا لفظ لائے جس میں سماع کا احتمال ہو تدلیس کی یہ قسم بدترین قسم ہے اور حرام ہے۔

تدلیس کے اسباب

تدلیس کی دو وجوہات ہیں: اول غرض فاسد کی وجہ سے مثلاً کسی محدث کا استاذ معمولی درجہ کا ہے اور استاذ کا استاذ عالی رتبہ ہے، محدث کو اس معمولی استاذ سے روایت کرنے میں کسر شان محسوس ہوتی ہے اس لئے وہ استاذ کو حذف کرکے استاذ الاستاذ سے علو شان کے لئے روایت کرتا ہے اس مقصد سے تدلیس حرام ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ محدث اختصار کے لئے استاذ کو حذف کرکے مافوق سے روایت کرتا ہے جیسا کہ بعض اکابر محدثین سفیان بن عیینہ وغیرہ نے ایسا کیا ہے۔

تدلیس کا حکم

ائمہ حدیث کے نزدیک تدلیس حرام ہے، امام وکیعؒ فرماتے ہیں کہ جب کپڑا فروخت کرنے میں تدلیس حرام ہے تو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجہ اولی حرام ہوگی۔

اور شعبہ نے تو مدلس کی مذمت میں مبالغہ سے کام لیا ہے، یہاں تک کہ اس کو زنا سے بھی سخت اور کذب کے مرادف قرار دیا ہے۔

مدلِّس کا حکم

جس راوی کے بارے میں تدلیس ثابت ہو جائے اسکی روایت مقبول نہیں ہے، البتہ اگر تحدیث کی صراحت کرے مثلاً حدثنی اور سمعت وغیرہ سے نقل کرے تو قابل قبول ہوگی۔

حدیث مُدَلَّس کا حکم

حدیث مدلس کے قبول اور عدم قبول کے بارے میں محدثین کے اقوال مختلف ہیں:

(۱) محدثین اور فقہاء کرام کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ تدلیس ایک قسم کی جرح ہے اگر کسی راوی کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ وہ تدلیس کرتا ہے تو اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی، یعنی جس طرح دیگر عیوب کی وجہ سے مجروح کی روایات رد کر دی جاتی ہیں اسی طرح اس کی روایت بھی رد کر دی جائے گی۔

(۲) بعض محدثین تدلیس کو بالکل مضر نہیں سمجھتے اور ان کے نزدیک مدلس کی روایت علی الاطلاق مقبول ہے۔

(۳) جمہور فقہاء کرام اور محدثین عظام کی رائے یہ ہیکہ جس راوی کے بارے میں تحقیق ہو جائے کہ وہ صرف ثقہ سے تدلیس کرتا ہے جیسے سفیان ابن عیینہ وغیرہ تو اسکی روایت مقبول ہے اور جو راوی ضعیف رواۃ سے تدلیس کرتا ہے تو جب تک صریح طور سے سماع کو بیان نہ کرے اسکی روایت قابل قبول نہیں ہے یہی آخری قول متاخرین کے نزدیک قابل عمل ہے۔[۱]

---

[۱] کل اقوال اس میں پانچ ہیں تین تو اوپر بیان کئے جا چکے: (۴) یہ ہے کہ اگر تدلیس کا وقوع راوی سے نادر ہے، تو اس کی روایت مقبول ہے ورنہ مردود۔ (۵) یہ ہے کہ مدلس روایت مرسل روایت کی طرح ہے۔ (تعلیقات ارشاد:۱/۱۰۹)

مُدَلَّسْ نام رکھنے کی وجہ تسمیہ

مدلس اصطلاحی اور مدلس لغوی دونوں میں خفاء اور پوشیدگی ہوتی ہے یعنی جس طرح تاریکی سے اشیاء مخفی ہوجاتی ہیں، اسی طرح تدلیس سے سقوط راوی مخفی ہوجاتا ہے اس وجہ سے اس حدیث کا نام مدلس رکھا گیا ہے۔

حدیث مضطرب: وہ حدیث ہے جس کی سند یا متن میں متعدد راویوں یا ایک ہی راوی کے بیان میں اختلاف ہوجائے خواہ یہ اختلاف تقدیم وتاخیر کا ہو یا زیادتی وکمی میں، یا ایک راوی کی جگہ دوسرے راوی کے بدل دینے یا ایک متن کو دوسرے متن سے بدل دینے میں ہو یا سند کے اسماء اور متن کے اجزاء میں تصحیف ہوجانے سے یا اختصار وحذف وغیرہ سے اختلاف ہوجائے۔ اگر ان مختلف فیہ روایات میں جمع وتطبیق ممکن ہو تو بہتر ہے ورنہ اس سے استدلال موقوف رہے گا۔

فائدہ: ثبوت اضطراب کے لئے ضروری ہے کہ مختلف روایات درجہ میں مساوی ہوں اور کوئی قرینۂ مرجحہ بھی نہ ہو کیونکہ قوی اور ضعیف کے درمیان اختلاف معتبر ہی نہیں ہے اسی طرح قرینہ مرجحہ کی صورت میں بھی مرجوح شاذ، یا منکر ہو کر ساقط الاعتبار ہوجائے گی اور اضطراب مضر نہ ہوگا۔[1]

---

[1] محدثین کے نزدیک اختلاف فی المتن کے مقابلہ میں اختلاف فی السند پر اضطراب کا لفظ زیادہ بولا جاتا ہے، اور اس کی چھ صورتیں ہیں۔

(١) وصل اور ارسال کا تعارض (بعض مرسل روایت کرتے ہوں اور بعض موصول)

(٢) وقف ورفع کا تعارض (بعض موقوف روایت کرتے ہوں بعض مرفوع)

(٣) اتصال وانقطاع کا تعارض (بعض متصل روایت کرتے ہوں بعض منقطع)

(٤) مثلاً ایک جماعت عن رجل عن تابعی عن صحابۃ نقل کرے اور کوئی عن رجل عن تابعی آخر عن صحابۃ بعینہ نقل کرے۔

(٥) کسی سند میں ایک آدھ راوی کا اضافہ ہوجائے۔

(٦) راوی کے نسب میں اختلاف ہوجائے۔(تعلیقات ارشاد: ١/٢٥٠)

حدیث مدرج: ادراج باب افعال سے ہے ادخال الشئ فی الشئ کسی چیز کو کسی چیز میں داخل کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ اس باب سے مــــدرج صیغۂ اسم مفعول ہے جس کے معنی ہیں ''داخل کیا ہوا''۔

محدثین کی اصطلاح میں مدرج کی دو قسمیں ہیں: مدرج المتن، مدرج الاسناد.

مــــدرج الــمتــن: حدیث کے متن میں کسی راوی (صحابی یا تابعی) کا کلام اس طرح داخل کر دینا کہ بظاہر خیال ہو کہ یہ بھی کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور بظاہر متن اور مدرج میں کوئی امتیاز باقی نہ رہے۔ (خواہ کلام داخل کرنے کی غرض بیان لغت ہو یا تفسیر معنی ہو یا تقیید مطلق ہو) یہ ادراج عام طور سے آخر حدیث میں ہوتا ہے اور کبھی ابتداء حدیث اور درمیان حدیث میں بھی ہوتا ہے۔

مدرج الاسناد: اس کی چار قسمیں ہیں:

(۱) متعدد اساتذہ سے مختلف سندوں سے ایک حدیث سنی مگر بیان کے وقت ہر ایک استاذ کی سند علیحدہ بیان نہ کی بلکہ سب کی سندوں کو ملا کر ایک سند کر دی۔

(۲) شیخ نے حدیث کسی سند سے روایت کی اور اس کا کچھ حصہ دوسری سند سے بیان کیا راوی نے پوری حدیث پہلی ہی سند سے روایت کر دی یا ایک حدیث ایک شیخ سے سنی اور اس کا کچھ حصہ اس شیخ کے کسی شاگرد سے سنا پھر پوری شیخ کی سند سے روایت کر دی اور اس شاگرد کا واسطہ حذف کر دیا۔

(۳) کسی راوی کے پاس دو حدیثیں مختلف سندوں سے تھیں مگر بیان کے وقت ایک ہی سند سے دونوں کو روایت کر دیا یا ایک حدیث کو اسی کی مخصوص سند سے بیان کیا مگر دوسری حدیث کا کوئی حصہ اس میں شامل کر دیا۔

(۴) شیخ نے کسی حدیث کی سند بیان کی پھر اس کا متن بیان کرنے سے پہلے کوئی

کلام کیا شاگرد نے غلط فہمی سے اس کلام کو اس سند کا متن سمجھا اور اس سے روایت کردیا۔

ادراج کا حکم

عمداً ادراج کی حرمت پر محدثین کا اتفاق ہے کیوں کہ اس سے کلام رسول میں کلام غیر رسول کا ادخال لازم آتا ہے۔ بعض محدثین بالقصد ادراج کرنے والے کو ساقط العدالت کہتے ہیں، البتہ جو ادراج لغوی معنی کے بیان یا معنی حدیث کی تفسیر و توضیح کے لئے ہو اس سے چشم پوشی کی جائے گی لیکن اس صورت میں مناسب یہی ہے کہ اپنے کلام کو کلام رسول سے ممتاز کرکے بیان کرے۔

اور اگر ادراج بالقصد نہیں بلکہ خطاء سے واقع ہو جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ خطاء اور نسیان سے بری ہونا انسان کے لئے ممکن نہیں ہے، لیکن یہ خطاء اگر کثیر ہو جائے تو ضبط و اتقان کی حیثیت سے وہ راوی مجروح ہوگا۔

فصل تنبیہ: روایت بالمعنی واللفظ کا بیان

تنبیہ ایسے امر پر ہوتی ہے، جو بدیہی ہونے کے ساتھ معرض خفا بھی ہو۔

حدیث کو اس کے اصل الفاظ کے بجائے دوسرے ہم معنی الفاظ میں نقل کرنا روایت بالمعنی کہلاتا ہے اور حدیث کو اس کے اصل الفاظ میں بلا کسی تصرف کے نقل کرنا روایت باللفظ کہلاتا ہے۔

روایت باللفظ کا حکم

روایت باللفظ کے اولی اور بہتر ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق اور اجماع ہے اس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: نَضَّرَ اللّٰہُ اِمْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِی فَوَعَاھَا وَ اَدَّاھَا کَمَا حَفِظَھَا۔ (مشکوۃ: ص ۳۵/۱) لیکن مشکوۃ میں امرأً کے بجائے عبداً

ہے۔اللہ تعالیٰ تر وتازہ اور خوش وخرم رکھے اس شخص کو جس نے میری بات سنی پھر اسے محفوظ کیا اور جن الفاظ میں سنا تھا انہیں الفاظ میں ادا کردیا۔اس حدیث میں روایت بالفظ کے بارے میں آقاء نامدار علیہ الصلوۃ والسلام نے بشارت اور خوشخبری پیش فرمائی ہے اس لئے روایت باللفظ اولیٰ اور بہتر ہے۔

روایت بالمعنیٰ کا حکم

روایت بالمعنیٰ کے جواز اور عدم جواز کے سلسلہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں:

(١) اکثر علماء حدیث کا مسلک ہے کہ جو شخص علوم عربیہ کا عالم، اسلوب کلام میں ماہر،ترکیب کے خواص اور خطاب کے مفہوم سے واقف ہو اس کے لئے روایت بالمعنیٰ جائز ہے۔کیوں کہ مذکورہ امور میں ماہر شخص روایت بالمعنیٰ کے وقت حدیث میں کمی وبیشی کی غلطی نہیں کرے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ صرف ،نحو، لغت، اشتقاق اور فنون بلاغت میں ماہر شخص کے لئے روایت بالمعنیٰ جائز ہے اس کے علاوہ کے لئے جائز نہیں ہے۔

(٢) الفاظ مفردہ میں روایت بالمعنیٰ کے ذریعہ تغیر جائز ہے مرکبات میں جائز نہیں ہے،بعض علماء حدیث کا قول یہی ہے۔

(٣) جس شخص کو الفاظ حدیث یاد ہوں اس کے لئے روایت بالمعنیٰ جائز ہے تا کہ وہ ان الفاظ حدیث میں ان کے مترادف الفاظ کے ذریعہ تغیر وتبدل پر قادر ہو۔

(٤) جس شخص کو حدیث کا مفہوم یاد ہو اور الفاظ بھول گیا ہو تو اس کے لئے احکام حاصل کرنے کی ضرورت سے روایت بالمعنیٰ جائز ہے اور جس کو الفاظ حدیث یاد ہوں اس کے لئے روایت بالمعنیٰ ناجائز ہے۔

فائدہ: روایت بالمعنیٰ صحاح ستہ میں بکثرت موجود ہیں۔

حدیث معنعن کا بیان

اس جگہ چار لفظ ہیں: عنعنہ، مُعَنْعَنْ، مُعَنْعِنْ، مُعَنْعَنْ عَنْہُ.

عَنْعَنَۃ: بروزن فعللۃ (بَعْثَرَۃٌ) مصدر جعلی ہے حمد لہ اور بسملہ کے مانند، اصطلاح میں عن فلان عن فلان سے لفظ حدیث نقل کرنا عنعنہ کہلاتا ہے۔

حدیث مُعَنْعَنْ: وہ حدیث ہے جو عنعنہ کے طریق سے روایت کی گئی ہو۔

مُعَنْعِنْ: صیغۂ اسم فاعل ہے وہ راوی جو عن فلان عن فلان سے روایت کرے۔ اور جس راوی سے حدیث معنعن روایت کی جائے وہ مُعَنْعَنْ عَنْہُ ہے۔

حدیث معنعن کا حکم

مدلس راوی کا عنعنہ بالاتفاق مقبول نہیں ہے اور راوی غیر مدلس کے عنعنہ کے قبول اور عدم قبول کے سلسلہ میں کہ وہ متصل کے حکم میں ہے یا نہیں علماء حدیث کے اقوال مختلف ہیں:

(۱) حدیث معنعن مطلقاً قابل استدلال نہیں کیوں احتمال انقطاع موجود ہے لیکن یہ قول بالاجماع رد ہے۔

(۲) امام مسلمؒ کی رائے یہ ہے کہ حدیث معنعن متصل کے حکم میں ہے بشرطیکہ راوی اور مروی عنہ کے درمیان معاصرت اور امکان لقاء ہو۔ یہ قول علماء کا اجماعی ہے۔

(۳) علی بن المدینی اور امام بخاریؒ کے نزدیک معاصرت کے ساتھ ساتھ راوی اور مروی عنہ کے درمیان ایک مرتبہ ملاقات بھی ثابت ہو۔ اگر صرف معاصرت ہے اور ملاقات نہیں ہے، تو امام بخاریؒ کے نزدیک یہ حدیث متصل السند نہ ہوگی، امام مسلمؒ نے مقدمہ مسلم میں اس قول پر شدید نکیر فرمائی ہے۔

(۴) ابوالمظفر سمعانیؒ نے راوی اور مروی عنہ کے درمیان طول صحبت کی شرط بھی لگائی ہے۔

(۵) امام ابوعمرو دانی المقریؒ نے یہ بھی شرط لگائی ہے کہ اس راوی کا اپنے مروی عنہ سے اخذ حدیث اور روایت حدیث معروف اور مشہور ہو۔ (مقدمہ النووی علی شرح صحیح مسلم)

حدیث مُسْنَدْ کا بیان

مُسْنَدْ کے معنی: مُسْنَدْ محدثین کی ایک خاص اصطلاح ہے کہا جاتا ہے: ھذا حدیث مُسْنَدْ اس کی جمع مسانید ہے۔ اسندہ فی الجبل کے معنی ہیں پہاڑ پر چڑھانا۔

مُسْنَدْ (اسم مفعول) کے معنی ہیں چڑھایا ہوا۔ اور اصطلاحی معنی ہیں وہ بات جس کی سند قائل تک پہنچائی گئی ہو اور مُسْنِدْ (بصیغہ اسم فاعل) کے معنی ہیں چڑھانے والے اور اصطلاحی معنی ہیں باسند کرنے والا یعنی مدار سند جیسے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ''مسند الہند'' کہلاتے ہیں کیوں کہ آپ محدثین ہند کی سند کا مدار ہیں کسی محدث کی سند آپ کے واسطے کے بغیر نہیں جاتی۔ مُسْنَدْ کے نام سے باقاعدہ کتابیں تصنیف کی گئی ہیں، جیسے مسند الامام احمد بن حنبل اور مسانید الامام الاعظم وغیرہ۔ بعض لوگ مَسْنَدْ (میم کے فتحہ کے ساتھ) بولتے ہیں یہ غلط تلفظ ہے اس لفظ کے معنی ہیں ٹیک لگانے کی جگہ۔

حدیث مسند کی تعریف: مسند وہ حدیث ہے جو کسی صحابی نے مرفوعاً بیان کی ہو اور ایسی سند سے مروی ہو جو بظاہر متصل ہو لہذا جس حدیث میں انقطاع خفی ہو وہ بھی حدیث مُسْنَدْ کہلائے گی۔ مسند کی یہی تعریف مشہور و معتمد ہے۔

حاصل یہ ہے کہ مسند ہونے کیلئے مرفوع اور متصل ہونا ضروری ہے ان دونوں قیدوں کے بغیر حدیث مسند نہ ہوگی۔

حافظ خطیب بغدادیؒ ہر متصل السند کو مسند کہتے ہیں خواہ وہ موقوف اور مقطوع ہی ہو حافظ ابن عبدالبرؒ صرف مرفوع کو مسند کہتے ہیں، اگر چہ وہ مرسل معضل اور منقطع ہی کیوں نہ ہو[۱]۔

---

[۱] حاکم وغیرہ علماء نے متصل، مسند، اور مرفوع کے درمیان بہترین فرق بیان کیا ہے، وہ یہ...... **(باقی اگلے صفحہ پر)**

تیسری فصل

حدیث شاذ، منکر اور معلل کا بیان

راویوں کے حالات کے اعتبار سے آخبار احاد کی دو قسمیں ہیں: مقبول اور مردود.

مقبول: وہ خبر واحد ہے جس کے سب راوی ثقہ اور معتبر ہوں۔

مردود: وہ خبر واحد ہے جس کا کوئی راوی غیر معتبر اور ضعیف ہو۔

تنبیہ: کوئی حدیث شریف فی نفسہ مردود نہیں ہوتی صرف راوی کے غیر معتبر ہونے کی وجہ سے مردود کہلاتی ہے۔

پھر حدیث غیر مقبول کی قسموں میں شاذ، منکر اور معلل بھی ہے۔

حدیث شاذ: شاذ اسم فاعل ہے، جیسے ذاب. شذوذ مصدر ہے نکلنا، شاذ نکلنے والا لیکن اول وضع کے اعتبار سے شاذ وہ شخص ہے جو جماعت سے علیحدہ اور خارج ہو جائے اور اصطلاح محدثین میں شاذ وہ حدیث ہے کہ ثقہ راوی اوثق اور ارجح کے خلاف روایت کرے اور اس مخالفت کا نام شذوذ ہے۔ ثقہ راوی عام ہے خواہ حدیث حسن کا راوی ہو یا حدیث صحیح کا اور ارجح کی ارجحیت بھی عام ہے خواہ ضبط کی زیادتی کی وجہ سے ہو یا تعداد کی کثرت کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے راجح ہو اور مخالفت ایسی ہو کہ اس روایت کے لینے کی صورت میں ارجح کی

(**حاشیہ صفحہ گذشتہ**)...... ہے کہ مرفوع میں صرف متن کو دیکھا جاتا ہے۔ اگر متن کی نسبت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف درست ہے تو وہ مرفوع ہے خواہ اس کی سند متصل ہو یا نہ ہو۔ اور اس کے بالمقابل متصل ہے کہ اس میں صرف سند کو دیکھا جاتا ہے، کہ وہ متصل ہے یا منقطع وغیرہ۔ خواہ مرفوع ہو یا موقوف۔

اور مسند میں سند اور متن دونوں چیزوں کو دیکھا جاتا ہے گویا مسند میں اتصال اور رفع دونوں شرطیں ضروری ہیں لہذا مسند اور متصل و مرفوع کے درمیان عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے، پس ہر مسند متصل بھی ہوتی ہے، اور مرفوع بھی ہے، لیکن ہر متصل کا یا ہر مرفوع کا مسند ہونا ضروری نہیں ہے۔ (النکت: ٣٠٠/١، بحوالہ تعلیقات ارشاد: ١/٥٥)

روایت کارد کرنا لازم نہ آئے۔ راجح کا نام حدیث محفوظ ہے اور مرجوح کا نام شاذ ہے۔

فائدہ: اگر مخالف راوی ثقہ نہ ہو تو اس کی روایت حدیث مردود ہے۔

حدیث منکر اور معروف کی تعریف: منکر وہ حدیث ہے جس کو اضعف (کمزور ترین) راوی ضعیف کے مخالف روایت کرے اس کے مقابل کو معروف کہتے ہیں۔

فائدہ: شاذ اور محفوظ دونوں کے راوی ثقہ ہوتے ہیں البتہ محفوظ کا راوی ثقاہت میں راجح اور شاذ کا راوی ثقاہت میں اپنے مقابل کے لحاظ سے کمزور اور مرجوح ہوتا ہے اور معروف اور منکر دونوں روایتوں کے راوی ضعیف ہیں صرف ضعف کی شدت اور عدم شدت کا فرق ہے، معروف کا راوی ضعیف اور منکر کا اضعف ہوتا ہے۔

اقسام اربعہ کا حکم

حدیث شاذ: مردود اور غیر مقبول ہے۔

حدیث محفوظ: مقبول ہے۔

حدیث منکر: مردود ہے۔

حدیث معروف: مقبول ہے۔

حدیث شاذ کی دوسری تعریف: امام ابو عبداللہ حاکم صاحب مستدرک نے حدیث شاذ کی تعریف بیان کی ہے کہ شاذ وہ حدیث ہے جس کو روایت کرنے میں ثقہ راوی منفرد ہو اور اس کی تائید و موافقت میں کوئی اصل نہ ہو اس تعریف میں امام حاکم نے شاذ کے اندر مخالفت کا لحاظ نہیں کیا ہے، اور اس تعریف میں حدیث صحیح غریب بھی شاذ میں داخل ہے لہذا شاذ کی یہ تعریف ناقص ہے۔

شاذ کی تیسری تعریف: حافظ ابو یعلی خلیلیؒ نے شاذ کی اس طرح تعریف

کی ہے کہ شاذ وہ حدیث ہے جو صرف ایک سند سے مروی ہو خواہ وہ راوی ثقہ ہو یا غیر ثقہ دوسرے راوی کی مخالفت پائی جائے یا نہ پائی جائے۔

منکر کی دوسری تعریف: منکر وہ حدیث ہے جو راوی کے فسق یا کثرت غفلت یا زیادتی غلط سے مطعون ہو خواہ اس کی روایت ثقہ کی روایت کے خلاف ہو یا نہ ہو۔

یہ جدا جدا اصطلاحات ہیں، ان میں باہمی کوئی مناقشہ اور جھگڑا نہیں ہے۔

حدیث معلل: معلل: بفتح اللام مصدر تعلیل اسم مفعول ہے بمعنی علت اور خرابی والی حدیث اور اصطلاح میں وہ حدیث ہے جس میں کوئی پوشیدہ باریک اور دقیق علت وسبب ہو جو حدیث کی صحت کو عیب دار بنادے، جس کو ماہرین حدیث خورد بین سے پہچان سکتے ہیں۔

علت: علماء حدیث کی اصطلاح میں علت سے مراد وہ مخفی، غامض اور دقیق سبب ہے جو راوی کے وہم کی وجہ سے شروط صحت کی جامع حدیث میں خلل انداز ہوتا ہے۔ یہ سبب قادح اکثر اسناد میں واقع ہوتا ہے، اور کبھی متن میں ہوتا ہے، اور کبھی سند اور متن دونوں میں پایا جاتا ہے۔ شیخ محدث دہلویؒ نے **معلل** کی تعریف میں اسناد فیہ علل اسناد کی قید اس کثرت کے اعتبار سے لگائی ہے یہ قید احترازی نہیں بلکہ قید اکثری ہے۔

معلل کو پہچاننے کا طریقہ: جس شخص کو ذہن ثاقب، حفظ کامل، معرفت تامہ اور علوم حدیث میں کامل مہارت عطا ہوئی ہو، رواۃ کے مراتب کو جانتا ہو اور اسانید ومتون کی پہچان کا خاص ملکہ حاصل ہو وہ حدیث **معلل** میں علت قادحہ کو پہچان سکتا ہے، جیسے موصول سند کو مرسل اور مرفوع کو موقوف بنادینا[1] اور بسا اوقات **معلل** (بکسر اللام بمعنی

---

[1] جس حدیث میں ایسی بیماریاں ہوں ان کو اسانید **معللہ** کہا جاتا ہے اور اس حدیث کو **معلل** کہا جاتا ہے، بعض مرتبہ ایک ایک حدیث کے سات سو طریق ہو جاتے ہیں، مثلاً بخاری کی انما الاعمال بالنیات امام بخاری نے سات سو اساتذہ سے سنی ہے۔

علت قادحہ کو بیان کرنے والا) اپنے دعویٰ پر دلیل قائم نہیں کر پاتا کیوں کہ یہ ذوقی چیز ہے اور ذوقی امور پر دلیل قائم کرنا دشوار ہوتا ہے جیسے صراف دراہم ودنانیر کودیکھتے ہی اپنے ذوق سے کھرے، کھوٹے کو پہچان لیتا ہے مگر اس کی دلیل بیان کرنے سے قاصر رہتا ہے۔

تنبیہ: حدیث **معلل** کو حدیث **معلول** بھی کہتے ہیں مگر ابن الصلاح اور امام نووی اس کو درست نہیں سمجھتے [1]

فائدہ: فن علل حدیث میں متعدد کتب تصنیف ہوئی ہیں جیسے امام ابو حاتم کی تصنیف علل الحدیث اور حافظ دار قطنی کی العلل الواردہ فی الاحادیث النبویہ وغیرہ انتہائی جامع کتابیں ہیں امام ترمذیؒ کی کتاب **العلل** بھی اس فن کی اہم کتاب ہے۔ امام نسائیؒ احادیث **معللہ** کو بتلاتے ہیں اور بخاریؒ صحیح حدیثوں کو اور امام مسلم ذرا کمی کے ساتھ کہ وہ بتلائیں گے جن سے مسائل نکلیں۔

متابعت: کسی راوی کا دوسرے راوی کے ساتھ اسناد حدیث میں موافقت کرنا۔

متابِع اور متابَع: جو راوی دوسرے راوی کی موافقت کر رہا ہے وہ متابِع ہے (بکسر الباء) اور جس کی موافقت کی جا رہی ہے وہ متابَع ہے (بفتح الباء) محدثین کا قول تابعہ فلان اور امام بخاری کا قول ولہ متابعات اسی معنی ومفہوم میں مستعمل ہے۔

متابعت کے درجات

متابعت تامہ: اگر راوی کے شیخ میں موافقت ہو تو وہ متابعت تامہ ہے۔ چونکہ

---

[1] بعض نحاۃ نے اس کو معلل قرار دینے پر کلام کیا ہے کہ یہ باب افعال سے ہے، اَعَلَّ اعلال سے ماخوذ ہے، اور صرف اسی صورت میں لغوی اور اصطلاحی معنی کے درمیان مناسبت ہو سکتی ہے، مگر بعض علماء نے اس کو باب تفعیل سے قرار دیا ہے اور اس صورت میں بظاہر معنی میں مناسبت نہیں ہے، لیکن وہ خاص طریقہ سے مناسبت پیدا کرتے ہیں کہ تعلیل کے معنی میں غافل کرنا مشغول کرنا کیونکہ علت اس روایت کو عاق کر دیتی ہے اور مشغول کر دیتی ہے، جس کی وجہ سے اس پر عمل نہیں کیا جاتا اسی وجہ سے اس کو معلل کہتے ہیں۔ (تعلیقات ارشاد: ۱/۲۲۴)

اول اسناد میں زیادہ کمزوریاں ہوتی ہیں۔

متابعت قاصرہ: اور اگر راوی کے شیخ الشیخ میں موافقت ہوتو وہ متابعت قاصرہ ہے۔

متابعت کا فائدہ: متابعت سے تقویت وتائید کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

متابع کے لئے اصل کے ہم رتبہ ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ اصل سے کم درجہ کی حدیث بھی متابعت کی صلاحیت رکھتی ہے[۱]۔

متابعت کی شرط: متابع اور اصل دونوں حدیثوں کا ایک صحابی سے مروی ہونا متابعت کے لئے شرط ہے۔

مثلهٗ اور نحوهٗ کا فرق

اگر متابع حدیث اصل حدیث سے لفظ اور معنی میں موافق ہوتو اس کو مثلهٗ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اگر صرف معنی میں موافقت ہو لفظ میں نہ ہوتو اس کو نحوهٗ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

شاهد: وہ متن حدیث ہے جو دوسرے متن حدیث سے موافق ہو خواہ لفظ اور معنی دونوں میں موافق ہو یا صرف معنی میں موافق ہو اور دونوں متن دو صحابہ سے مروی ہوں۔ محدثین اس صورت کو **له شاهد من ابی هريرة، له شواهد ويشهد به حديث فلان** کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

---

[۱] یعنی متابعت کیلئے یہ ضروری نہیں کہ متابع اصل کے درجہ کا ثقہ ہو بلکہ اگر اس سے کم درجہ ہوتو بھی متابعت درست ہے حتی کہ ضعیف کی متابعت بھی درست ہے، اس لئے کہ اصل پر اعتماد ہوتا ہے، متابع پر اعتماد نہیں ہوتا اور امام سخاویؒ فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی دونوں ہی (اصل ومتابع) قابل اعتماد نہیں ہوتے مگر دونوں کے اجتماع سے تقویت پیدا ہوجاتی ہے البتہ متابع متہم بالکذب یا سوء حفظ وضبط میں مبتلا نہ ہو۔ اسی وجہ سے محدثین کے یہاں فلان يعتبر به فلان لا يعتبر به وغیرہ عبارات ملتی ہیں۔ (تعلیقات ارشاد: ۲۲۴-۲۲۲/۱)

متابع اور شاہد کی دوسری تعریف

بعض محدثین **متابع** اس حدیث کو کہتے ہیں جو اصل حدیث سے لفظ اور معنی دونوں میں موافق ہو خواہ ایک صحابی سے مروی ہو یا دو صحابہ سے۔

اور **شاہد** اس کو کہتے ہیں کہ جو اصل سے صرف معنی میں موافقت رکھے۔

گویا ان حضرات کی اصطلاح میں لفظ و معنی میں موافقت اور عدم موافقت کا اعتبار ہے صحابی کے ایک یا دو ہونے کا اعتبار نہیں ہے۔

تنبیہ: **متابع** پر **شاہد** اور **شاہد** پر **متابع** کا اطلاق بکثرت ہوتا ہے۔

اعتبار: **متابع** اور **شاہد** کی تلاش و جستجو کرنے کے لئے حدیث کی سندوں کو جمع کرنا اعتبار کہلاتا ہے۔

حدیث کی بنیادی اقسام

حدیث کی بنیادی اقسام تین ہیں: صحیح، حسن، ضعیف[1]۔ صحیح اعلی، حسن متوسط اور ضعیف ادنی ہے۔ پھر حدیث صحیح اور حسن کی دو دو قسمیں ہیں: **صحیح لذاتہ**، **صحیح لغیرہ**، **حسن لذاتہ**، **حسن لغیرہ**.

صحیح لذاتہ: وہ حدیث ہے جس کے تمام راوی ثقہ اور معتبر ہوں، حدیث

---

[1] علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ میں اس بات پر اجماع نقل کیا ہے، کہ امام ترمذیؒ سے قبل علماء حدیث کی صرف دو قسمیں کرتے تھے، صحیح، ضعیف۔
پھر ضعیف کی دو قسمیں ہوئی تھیں، ایک وہ جس پر عمل کیا جا سکے، جو حسن کے قریب ہوگی، دوسری وہ جو قابل عمل نہیں، پھر بعد کے علماء نے حدیث کی تین اقسام کر دیں، اور اب یہی اصطلاح بن گئی ہے، اور حدیث کی تمام اقسام انہیں تین میں شامل ہو جاتی ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۸/۲۳)

شریف کوسند کے ساتھ خوب اچھی طرح محفوظ کرنے والے ہوں یعنی تام الضبط ہوں ۔ اس کی سند متصل ہو اسناد میں کوئی علت خفیہ نہ ہو اور وہ روایت شاذ بھی نہ ہو ۔

وضاحت: اس تعریف سے معلوم ہوا کہ صحت حدیث کے لئے پانچ شرطیں ہیں: راوی کا عادل ہونا، تام الضبط ہونا، سند کا متصل ہونا، علت قادحہ سے بری ہونا، شذوذ سے بری ہونا ۔ پہلے کی تین شرطیں: عدل، ضبط، اتصال، وجودی ہیں ۔ اور بعد کی دو شرطیں: شذوذ، علت، سے بری ہونا عدمی ہیں ۔

عدالت کی قید سے کاذب اور فاسق کی روایت خارج ہوگئی، تام الضبط سے کثیر الغلط اور کثیر الغفلت کی روایت خارج ہوگئی، اتصال سند کی قید سے منقطع، معضل وغیرہ روایات خارج ہوگئیں اور غیر معلل کی قید سے وہ روایات خارج ہوگئیں جن میں راوی کے وہم کی وجہ سے کوئی مضر عیب مثلاً موصول کا ارسال اور موقوف کا مرفوع ہونا وغیرہ پیدا ہو گیا اور عدم شذوذ کی قید سے وہ روایات خارج ہوگئیں جس میں ثقہ راوی نے اپنے سے اوثق کی مخالفت کی ہو ۔

صحیح لغیرہ: وہ حدیث ہے جس میں صفات کی کچھ کمی ہو اور کثرت طرق سے یہ کمی دور ہوگئی ہو ۔ گویا مذکورہ تمام صفات علی وجہ الکمال ہوں تو اس کو صحیح لذاتہ کہیں گے، اور اگر ان صفات میں کوئی قصور ہو لیکن اس کا تدارک کرنے والی کوئی چیز موجود ہو تو اس کو صحیح لغیرہ کہیں گے ۔

وجہ تسمیہ: چونکہ یہ حدیث درجۂ صحت میں امر خارجی یعنی کثرت سند کے ذریعہ پہنچتی ہے اس لئے اسے صحیح لغیرہ کہتے ہیں گویا غیر کی وجہ سے اس کو صحیح کہتے ہیں ۔ بخلاف صحیح لذاتہٖ کے کہ اس کی صحت لذاتہ ہے ۔

حسن لذاتہ: وہ حدیث ہے جس کا کوئی راوی خفیف الضبط ہو یعنی اس کی یاد داشت ناقص ہو اور صحیح لذاتہ کی باقی تمام شرطیں اس میں موجود ہوں یعنی رواۃ کی عدالت

اتصال سند، اسناد کا علت خفیہ سے پاک ہونا اور روایت کا شاذ نہ ہونا اور یہ کمی کثرت طرق سے زائل نہ ہوئی ہو۔

حسن لغیرہ: وہ حدیث ہے جس کے کسی راوی میں ثقاہت کی تمام صفات یا بعض صفات نہ پائی جاتی ہوں مگر تعدد طرق سے نقصان کی تلافی ہوگئی ہو مثلاً کسی حدیث کا راوی مستور الحال ضعف حافظہ کی وجہ سے ضعیف ہو مگر تعدد طرق کی وجہ سے قبولیت راجح ہوگئی ہوتو اس کو حسن لغیرہ کہتے ہیں۔

حدیث ضعیف: وہ حدیث ہے جس میں صحیح کی کل یا بعض شرطیں مفقود ہوں۔

فائدہ: حسن لغیرہ کی چار صورتیں ہیں:

(۱) وہ حدیث جس کے کسی راوی کی یادداشت خراب ہے جب اس کا کوئی معتبر متابع مل جائے تو وہ حدیث حسن لغیرہ بن جاتی ہے، خواہ وہ متابع اصل راوی سے اعلیٰ درجہ کا ہو یا مساوی درجہ کا۔ البتہ اگر کمتر ہوتو اس کی متابعت کا اعتبار نہ ہوگا۔

(۲) وہ حدیث جس کا کوئی راوی مستور یعنی مجہول الحال ہے جب اس کا کوئی متابع مل جائے تو وہ بھی حسن لغیرہ بن جائے گی۔

(۳) وہ حدیث جس کی اسناد مرسل ہے جب اس کا کوئی معتبر متابع مل جائے تو وہ بھی حسن لغیرہ بن جائے گی۔

(۴) وہ حدیث جس کی اسناد میں تدلیس کی گئی ہو اور محذوف راوی کا پتہ نہیں چل رہا ہے جب اس کا کوئی معتبر متابع مل جائے تو وہ بھی حسن لغیرہ بن جائے گی۔

تمام اقسام کے مراتب اور احکام

صحیح لذاتہ: بالاتفاق تمام محدثین کے نزدیک اعلیٰ رتبہ کی حدیث ہے اور اس سے استدلال اور اس پر عمل واجب ہے۔

صحیح لغیرہ: یہ صحیح لذاتہ سے کم مرتبہ ہے اور حسن لذاتہ سے اعلیٰ مرتبہ پر ہے۔ شرعاً واجب العمل اور لائق استدلال ہے۔

حسن لذاتہ: یہ رتبہ میں صحیح سے کم تر ہے، لیکن شرعی حجت ہونے میں صحیح کے مانند ہے۔

حسن لغیرہ: یہ حسن لذاتہ سے کم رتبہ ہے اور ضعیف سے اعلیٰ مرتبہ کی ہے، مقبول، قابل عمل اور لائق حجت ہے۔

حدیث ضعیف کا حکم: معتمد قول کے مطابق اعمال ثابتہ کے فضائل میں، پندو موعظت میں اور مناقب رجال میں حدیث ضعیف پر عمل جائز ہے، بشرطیکہ ضعف شدید نہ ہو یا وہ حدیث کسی معمول بہ اصل کے تحت آتی ہو۔

عدالت اور ضبط کا بیان

حدیث کی بنیادی اقسام کی تعریفات اور ضروری امور پر تنبیہ کے بعد حدیث صحیح کی تعریف میں واقع دو الفاظ عدالت اور ضبط کی تشریح کر رہے ہیں۔

عدالت: اس کیفیت راسخہ نفسانیہ کا نام ہے جو انسان کو تقویٰ اور مروت کے التزام پر آمادہ کردے۔[1]

---

[1] عدل لغت کے اعتبار سے امور میں میانہ روی اختیار کرنے والے کو کہا جاتا ہے کہ افراط و تفریط نہ کرتا ہو، قرآن پاک میں ہے: وکذلک جعلناکم امۃ وسطاً، وسط اور عدل دونوں ہی ایک معنی میں ہیں۔ (تعلیقات ارشاد: ۳ ۷ ۲/ ۱)

اور عادل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ: مسلمان ہو، بالغ ہو، عاقل ہو، اسباب فسق اور مروت کے خلاف کاموں سے احتیاط کرتا ہو۔ لہذا کافر کی روایت معتبر نہیں، لیکن یہ شرط ادا ہے اگر اس نے حالت کفر میں روایت کو سنا ہو اور حالت اسلام میں اس کو بیان کرے تو معتبر ہے، اسی طرح بچہ کی روایت بھی معتبر نہیں مگر یہ بھی شرط ادا ہے، شرط تحمل نہیں، اسی طرح مجنون کی روایت معتبر نہیں، البتہ یہ شرط تحمل اور ادا دونوں واقعات میں ضروری ہے۔ (تعلیقات ارشاد: ۴ ۷ ۲/ ۱)

تقویٰ: تقویٰ سے مراد اعمال سیئہ یعنی شرک، فسق اور بدعت سے پرہیز کرنا ہے۔ قول مختار کے مطابق صغیرہ گناہوں سے اجتناب تقویٰ کے لوازمات میں سے نہیں ہے، کیوں کہ صغیرہ سے کلی طور سے اجتناب طاقت بشری سے خارج ہے اور انسان کو اس کا مکلّف نہیں بنایا گیا ہے، البتہ صغیرہ پر اصرار تقویٰ کے منافی ہے کیوں کہ صغیرہ پر اصرار کبیرہ ہے۔ تقویٰ دراصل وقویٰ تھا چونکہ واؤ اور تا قریب مخرج ہیں اسی وجہ سے واؤ کو تا سے بدل کر تقویٰ بنایا تا کہ بدشگونی نہ ہو کہ شروع ہی کلمہ میں واؤ علت ہے۔

مـــروت: مروت سے مراد خسیس اور گھٹیا کاموں سے بچنا ہے جو عزم و ہمت کے مقتضی کے خلاف ہوں اگر چہ مباح ہی ہوں جیسے بازار میں چلتے پھرتے کھانا پینا اور راستہ میں پیشاب کرنا۔ سگریٹ بیڑی حقہ راستہ میں پینا کمینہ پن ہے سگریٹ پینا خود کمینہ پن ہے، لیکن اگر یہ لت لگ گئی تو کم از کم چھپ کر پی لے۔ بازار میں پان کھانا بھی اسی میں داخل ہے، ہاں اگر گھر کھایا تھا اور کچھ رہ گیا تو ذرا کم ہے۔

فائدہ: عدل فی الروایۃ اور عدل فی الشہادۃ میں عام وخاص من وجہٍ کی نسبت ہے۔ شاہد کی عدالت کے لئے آزاد ہونا شرط ہے لیکن راوی کی عدالت آزاد، غلام دونوں کو شامل ہے یعنی راوی عادل غلام بھی ہوسکتا ہے۔

ضبـــط: ضبط سے مراد شیخ سے سنی ہوئی احادیث کو اچھی طرح محفوظ کرنا اور اچھی طرح سے یاد کرنا کہ ان کے بیان ونقل پر پوری قدرت رہے۔[1]

---

[1] علامہ ابن الاثیر نے مقدمہ جامع الاصول میں تحریر کیا ہے کہ ضبط نام ہے، باب علم میں احتیاط کا، اور اس کی دو طرفیں ہیں۔ (١) سننے کے وقت سمجھنا۔ (٢) سمجھنے کے بعد ادائیگی تک محفوظ رکھنا، اگر سنا اور سمجھا نہیں تو اس کو ضبط نہیں کہیں گے یہ تو ایسا ہوگیا جیسے ایک زور کی آواز (چیخ) سنے اور کچھ سمجھ میں نہ آئے۔ سن کر سمجھا لیکن اپنی یاد داشت میں کچھ شک ہوگیا تو اس کو بھی ضبط نہیں کہیں گے۔ پھر ضبط کی دو قسمیں: ضبط ظاہر، ضبط باطن۔

ضبط ظاهر: روایت کے معنی کے اعتبار سے محفوظ کرنا۔

ضبط باطن: روایت کے معنی حکم شرعی کے اس سے تعلق کے اعتبار سے...... **(باقی اگلے صفحہ پر)**

اقسام ضبط: ضبط کی دو قسمیں ہیں: ضبط الصدر اور ضبط الکتابۃ۔

ضبط الصدر: خوب اچھی طرح یاد رکھنا کہ جب چاہے بلا تکلف بیان کر سکے کچھ رکاوٹ نہ ہو۔

ضبط الکتابۃ: خوب اچھی طرح لکھنا، لکھے ہوئے کی تصحیح کرنا، مشتبہ کلمات پر اعراب لگانا اور سماع کے وقت سے ادا کے وقت تک محفوظ رکھنا۔

عدالت سے متعلق اسباب طعن کا بیان

صحیح لذاتہٖ کی تعریف میں راوی کا عادل ہونا اور تام الضبط ہونا دو اوصاف کا بطور خاص لحاظ رکھا گیا تھا اب ان اوصاف میں اسباب طعن کو بیان کر رہے ہیں جن میں کمی کی وجہ سے روایت صحت کے مرتبہ سے گر جاتی ہے۔

عدالت سے متعلق اسباب طعن پانچ ہیں یعنی عدالت پر جو چیز اثر انداز ہوتی ہیں وہ پانچ ہیں: کذب، اتہام کذب، فسق، جہالت، بدعت۔

(۱) **کذب**: کذب راوی سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں راوی کا کاذب ہونا خود واضع کے اقرار یا دیگر قرائن کی وجہ سے ثابت ہو چکا ہو۔ ایسے راوی کی حدیث کا نام موضوع ہے۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ)

......محفوظ کرنا جس کا نام فقہ ہے، اور راوی حدیث میں جس ضبط کی شرط ہے وہ ضبط ظاہر ہے، عام علماء کا یہی مذہب ہے۔ (مقدمہ جامع الاصول: ۱/۳۵)

اور شرح الطیبی میں ہے کہ ضبط یہ ہے کہ متیقظ ہو حافظ ہو مغفل نہ ہو نہ بھلکڑ ہو اور نہ بوقت تحمل یا ادا شک میں مبتلا ہو اگر حفظ سے بیان کرے تو اس کو حافظ ہونا چاہئے اور اگر کتاب سے بیان کرے تو کتاب کی حفاظت کرنے والا ہونا چاہئے، اگر روایت بالمعنی کرے تو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ کس چیز سے معنی بدل جائیں گے۔ (شرح الطیبی: ۱/۵۶)

حدیث موضوع: وہ حدیث ہے جس کا راوی مطعون بالکذب ہو یعنی جس راوی کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کذب ثابت ہو جائے اس کی ساری روایات موضوع قرار دی جائیں گی۔ بطور خاص کسی حدیث کے بارے میں راوی کا کاذب ہونا حدیث کے موضوع ہونے کے لئے ضروری نہیں ہے۔

کذب راوی اور حدیث کے موضوع ہونے کے قرائن

(۱) واضع حدیث نے از خود موضوع ہونے کا اقرار کیا ہو۔

(۲) ایسا قرینہ جو اقرار کے درجہ میں ہو مثلاً کوئی حدیث ایسے شیخ سے بیان کی جائے جو صرف اسی شیخ کے پاس ہو پھر اس شیخ کی ولادت کے بارے میں سوال کیا جائے تو جواب میں ایسی تاریخ بیان کرے کہ اس سے پہلے ہی شیخ کی وفات ہو چکی ہو۔

(۳) کبھی راوی کے اندر قراین سے حدیث کا موضوع ہونا پہچانا جاتا ہے۔ مثلاً راوی رافضی ہو اور حدیث اہل بیت کے مناقب میں ہو۔

(۴) کبھی مروی کے اندر قراین سے حدیث کا موضوع ہونا پہچانا جاتا ہے مثلاً حدیث رکیک ہو عقل سلیم اس کا کلام رسول ہونے کا انکار کرے۔

(۵) نص قرآنی، سنت متواترہ صحیحہ یا اجماع قطعی کے خلاف ہو اور کسی بھی قسم کی تاویل ممکن نہ ہو۔

(٦) حدیث معمولی گناہ کے ارتکاب پر شدید وعید پر مشتمل ہو یا معمولی عمل پر بہت بڑے وعدہ پر مشتمل ہے مثلاً یہ حدیث کہ جو شخص چاشت کی اتنی رکعات پڑھے تو اس کو ستر انبیاء علیہم السلام کے برابر ثواب دیا جائے گا۔ (الدرر الثمینہ فی مصطلح السنۃ بحوالہ عون المغیث: ص ٦٢)

قصداً حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کذب بیانی کا حکم

جس شخص کے بارے میں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کذب بیانی ثابت ہو جائے اگر چہ یہ دروغ گوئی ایک ہی بار ثابت ہو تو توبہ کے باوجود اس کی روایت بالکل قبول نہیں کی جائے گی، البتہ جھوٹے گواہوں کی گواہی توبہ کے بعد قبول ہے۔

لیکن امام نوویؒ شرح مقدمہ مسلم میں فرماتے ہیں کہ جو شخص حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عمداً کذب بیانی کرے وہ فاسق ہے اور قبل از توبہ اس کی ساری مرویات مردود اور غیر مقبول ہیں ان سے احتجاج و استدلال باطل ہے لیکن توبہ کے بعد اس کی روایت کے قبول ہونے یا نہ ہونے میں متقدمین اور متاخرین کا اختلاف ہے۔

متقدمین کی ایک جماعت جس میں امام احمد بن حنبل، شیخ ابو بکر حمیدی استاذ امام بخاری اور ابو بکر صیرفی وغیرہ شامل ہیں ان کی رائے یہ ہے کہ قبول روایت کے سلسلہ میں اس کی توبہ کا اثر نہیں ہوگا اور ہمیشہ کے لئے اس کی روایت رد کر دی جائے گی۔ اور امام نوویؒ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان حضرات کا یہ قول ضعیف اور قواعد شرعیہ کے خلاف ہے اور متاخرین کا قول مختار یہ ہے کہ وضع حدیث سے بھی توبہ یقینی طور سے صحیح ہے اور توبہ کے بعد اس کی روایت قبول کی جائے گی، بشرطیکہ اس کی توبہ معروف شرطوں کے مطابق صحیح ہو جائے مثلاً معصیت کا بالکلیہ خاتمہ، اپنے فعل پر ندامت اور آئندہ نہ کرنے کا عزم مصمم وغیرہ۔ (شرح مقدمہ مسلم: ص ۱/۸)

محدث دہلویؒ نے اس مسئلہ میں علماء متقدمین کا قول اختیار کیا ہے۔

حدیث کے موضوع ہونے کا فیصلہ کس طرح ہوگا

جس راوی کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

جانب منسوب کر کے غلط احادیث بیان کرتا ہے تو اس کی روایت کردہ ہر حدیث کے بارے میں یقینی طور سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ موضوع ہے کیوں کہ یہ احتمال موجود ہے کہ اس کے کاذب اور مفتری ہونے کے باوجود اس حدیث کے منسوب کرنے میں وہ سچا ہو کیوں کہ جھوٹا آدمی بھی کبھی سچ بولتا ہے اس طرح اگر اس نے کسی حدیث کے بارے میں یہ اعتراف کرلیا کہ یہ موضوع ہے تب بھی اس کو یقینی طور سے موضوع نہیں کہہ سکتے کیوں کہ یہ احتمال موجود ہے کہ اس اعتراف واقرار میں وہ جھوٹا ہو بلکہ اس کا فیصلہ ظن غالب سے ہوگا، کیوں کہ ان احتمالات کے باوجود کہ وہ راوی وضع حدیث کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کی مرویات کے بارے میں ظن غالب یہی ہے کہ وہ موضوع ہوں گی اس لئے ماہر محدث اسی ظن غالب پر موضوع ہونے کا حکم لگاتا ہے۔ اگر اس ظن غالب کا اعتبار نہ کیا جائے تو قتل کے معترف اور زنا کے مقر پر قصاص اور حد کی سزا جاری نہیں ہوسکتی تھی کیوں کہ اس اعتراف واقرار میں بھی اس احتمال کی گنجائش ہے کہ وہ ان جرائم کا اعتراف غلط کر رہے ہوں لیکن خود اپنے خلاف اعتراف اور اقرار سے صداقت پر ظن غالب حاصل ہو جاتا ہے، اور شریعت ظن غالب ہی پر فیصلہ کرتی ہے۔

(۲) **اتہام بالکذب**: طعن کا دوسرا سبب ہے اتہام بالکذب: اسکی صورت یہ ہے کہ عوام الناس کے ساتھ باہمی گفتگو میں دروغ گوئی اور جھوٹ بولنے میں راوی معروف ومشہور ہو اور حدیث نبوی میں اس کا کذب ثابت نہ ہوا ہو تو ایسا راوی محدثین کی اصطلاح میں متہم بالکذب ہے اسی طرح جو راوی قواعد معلومہ ضروریہ فی الشرع کے مخالف حدیث روایت کرے یعنی دین اسلام کے وہ بنیادی مسائل جو اپنی شہرت وعمومیت کے لحاظ سے دائرہ عوام میں داخل ہو گئے ہیں، اور عامۃ الناس کو معلوم ہے کہ یہ دین اسلام کے مسائل واحکام ہیں جیسے وحدانیت، رسالت، ختم نبوت، بعث وجزاء، نماز وزکوۃ کی فرضیت، شراب کی حرمت وغیرہ۔ کوئی راوی ان شرعی عمومی مسائل کے خلاف حدیث نقل کرے تو وہ بھی متہم بالکذب کے حکم میں ہے۔

حدیث متروک: متہم بالکذب راوی کی حدیث کو اصطلاح محدثین میں متروک کہتے ہیں جیسے بولا جاتا ہے، حدیثہ متروک، فلان متروک الحدیث.

متہم بالکذب کا حکم: متہم بالکذب راوی اگر صدق دل سے توبہ کر لے اور سچائی کی علامات کا اس سے ظہور ہو جائے تو اس سے حدیث کی سماعت جائز اور درست ہے۔

گاہے گاہے جھوٹ بولنے والے کا حکم

جو شخص کلام رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ اپنی باہمی گفتگو میں کبھی کبھی جھوٹ بول دیتا ہو تو اس کا قلیل الوجود جھوٹ اس کی حدیث کے موضوع یا متروک نام رکھنے میں موثر نہیں ہے اگر چہ یہ جھوٹ بھی گناہ ہے اور اس سے بچنا ضروری ہے۔

(٣) **فسق**: طعن کا تیسرا سبب راوی کا فاسق ہونا ہے، فسق کے معنی حد سے تجاوز کرنا مراد گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنا۔ فسق کی دو قسمیں ہیں:

فسق فی العمل: جیسے قتل ناحق، زنا، چوری، شراب نوشی، چغل خوری جھوٹی شہادت وغیرہ۔

فسق فی الاعتقاد: جیسے اعتزال رافضی ہونا، خارجی ہونا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب یا حاضر و ناظر جاننا وغیرہ۔

یہاں فسق عملی مراد ہے کیوں کہ فسق اعتقادی بدعت پر بولا جاتا ہے۔ (تحفۃ الدرر: ٣١)

تنبیہ: حدیث نبوی میں دروغ گوئی بھی اگر چہ فسق میں داخل ہے، لیکن محدثین نے اس کو علیحدہ اسباب طعن میں ذکر کیا ہے، کیوں کہ فن حدیث میں کذب کی جرح نہایت قبیح ہے اور بہت سخت ہے۔ لاکھ توبہ کرے جنید وقت بن جائے لیکن محدثین اس کو نہیں مانتے،

صوفیاء میں تو اعزاز ہوگا۔

محدثین کہتے ہیں کہ بعض شخص جس کے متعلق ہم سمجھتے ہیں کہ ہم سے پہلے یہ جنت میں ہزاروں برس پہلے خیمے گاڑ لینگے، لیکن ہم ان کو دجال و فاسق کہے بغیر نہیں رہتے، حفاظت دین کی وجہ سے۔

فائدہ: جو راوی فسق کے ساتھ مطعون ہوتا ہے اس کی روایت منکر کہلاتی ہے۔

(۴)**جہالت راوی:** اسباب طعن میں سے چوتھا سبب جہالت ہے یعنی راوی کا غیر معروف ہونا۔

اسباب جہالت: جہالت کے تین اسباب ہیں: ()عدم تسمیہ یعنی نام نہ لینا، (۲)غیر معروف التسمیہ یعنی نام معروف ومشہور نہ ہونا، (۳)قلیل الروایۃ ہونا۔

عدم تسمیہ کی وجہ سے جہالت: کبھی راوی اس لئے مجہول ہوتا ہے کہ اسناد حدیث میں اس کا نام نہیں لیا جاتا بلکہ شیخٌ، ثقۃٌ، صاحبٌ لنا وغیرہ مبہم کلمات سے ذکر کیا جاتا ہے ایسے غیر مسمّٰی رواۃ مبہم کہلاتے ہیں اور ان کے تعارف کے لئے محدثین نے مبہمات نامی کتابیں لکھی ہیں جن سے ان کی تعیین ہوتی ہے۔

غیر مسمّٰی راوی کی حدیث کا حکم

مجہول الاسم راوی کی حدیث قابل قبول نہیں ہے کیوں کہ جب اس کا نام ہی معلوم نہیں تو اس کا عادل یا غیر عادل ہونا کیسے معلوم ہوگا البتہ اگر مبہم صحابی ہو تو اس کی وجہ سے حدیث متاثر نہیں ہوگی، کیوں کہ صحابہ سب عادل اور ثقہ ہیں۔ جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اصحابی کالنجوم فبأیھم اقتدیتم اھتدیتم" کہ میرے تمام ہی صحابہ مثل نجوم ہیں، جس کی بھی اقتدا کرلوگے ہدایت پا جاؤ گے۔

فائدہ: یہ قول محدثین کے یہاں ہی ہے کہ اپنے والدین پر بھی جرح کرتے تھے، علی ابن مدینی سے پوچھا کہ تمہارے باپ کیسے ہیں تو فرمایا کہ ضعیف ہیں۔

ابہام کرنے والے کی تعدیل کا حکم

اگر سند میں مبہم راوی لفظ تعدیل کے ساتھ آجائے مثلاً اخبرنی عدلٌ یا حدثنی ثقةٌ جیسا لفظ بولا جائے تو اس کے قبول اور عدم قبول میں اختلاف ہے، حافظ ابن حجرؒ نے شرح نخبہ میں تین قول بیان کئے ہیں:

(۱) اصح مذہب یہ ہے کہ مبہم کی تعدیل قابل قبول نہیں کیوں کہ ممکن ہے کہ وہ قائل کے خیال میں عادل ہو مگر واقعۃً عادل نہ ہو، لیکن اگر تعدیل کرنے والا ماہر فن ائمہ نقاد حدیث میں سے ہے تو وہ تعدیل معتبر ہے۔

(۲) مبہم کی تعدیل مطلقاً قبول ہے۔

(۳) مبہم کی تعدیل کرنے والا عالم اور مجتہد ہے تو اس کی تقلید کرنے والوں کے حق میں تعدیل کافی ہے۔

(۴) حافظ ابن حجرؒ کے ذکر کردہ تین اقوال کے علاوہ اس مسئلہ میں چوتھا قول یہ ہے کہ اخبرنی ثقةٌ کہنے والا راوی اگر صرف ثقہ راویوں سے روایت کرتا ہے تو اس کی یہ تعدیل قبول ہوگی اور وہ حدیث معتبر ہوگی۔

غیر معروف نام لینے کی وجہ سے جہالت: کبھی راوی اسلئے مجہول ہوتا ہے کہ سند حدیث میں اسکا غیر معروف نام لیا جاتا ہے یعنی راوی کیلئے علم، کنیت، لقب، صفت، پیشہ، نسبت اور عہدہ وغیرہ متعدد الفاظ بولے جاتے ہیں اور وہ انمیں سے کسی ایک لفظ سے مشہور ہوتا ہے لہذا جب اسکو کسی غیر معروف نام سے یاد کیا جاتا ہے تو وہ پہچانا نہیں جاتا مثلاً صدیق اکبرؓ کا

تذکرہ عبداللہ بن عثمان سے کیا جائے یا حضرت ابو ہریرہؓ کا تذکرہ عبدالرحمٰن بن صخر سے کیا جائے تو بہت کم لوگ پہچان سکیں گے۔ محدثین نے ایسے مبہم راویوں کی وضاحت کیلئے موضّحات نامی کتابیں لکھی ہیں جن سے پتہ چل جاتا ہے کہ وہ کون سا راوی ہے اور کس درجہ کا ہے۔

غیر معروف التسمیہ راوی کی حدیث کا حکم

وضاحت کے بعد اگر معلوم ہو جائے کہ وہ راوی ثقہ ہے تو اس کی حدیث معتبر ہے اور یہ پتہ چلے کہ وہ راوی ضعیف ہے تو اس کی حدیث غیر معتبر ہے نیز اگر کتب موضحات سے کچھ پتہ نہ چلے تو وہ حدیث غیر معتبر ہوگی۔

قلیل الحدیث ہونے کی وجہ سے جہالت

کبھی راوی اس لئے مجہول ہوتا ہے کہ اس سے بہت کم روایات مروی ہوتی ہیں اس وجہ سے اس سے اخذ و استفادہ کرنے والے تلامذہ بہت کم ہوتے ہیں اور اس سے عام واقفیت نہیں ہوتی ایسے راوی کا اگر چہ نام لیا جائے تاہم وہ پہچانا نہیں جائے گا ایسے مبہم رواۃ کو پہچاننے کے لئے محدثین نے ''وحــــدان'' نام کتابیں لکھی ہیں (وحدان کے معنی ہیں ایک شاگرد والے یا ایک حدیث والے رواۃ) جن سے ایسے رواۃ کا حال معلوم ہوتا ہے۔

قلیل الحدیث مجہول رواۃ کے اقسام

پھر ایسے مجہول رواۃ (جو قلیل الروایۃ ہیں) کی دو قسمیں ہیں:

(۱) مجہول العین، (۲) مجہول الحال۔

فائدہ: مجہول الحال کے لئے عام طور سے مستور کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور مجہول

العین کے لئے مجہول کالفظ بولا جاتا ہے۔

(۱) **مجھول العین**: وہ قلیل الحدیث راوی ہے جس سے نام لے کر صرف ایک ہی راوی نے روایت کی ہو۔

مجہول العین راوی کی روایت کا حکم

مجہول العین راوی کی حدیث قابل قبول نہیں ہے لیکن اگر ائمہ جرح وتعدیل میں سے کسی نے اس کی توثیق کی ہوتو پھر وہ قابل قبول ہوگی یا اس سے روایت کرنے والا ثقہ ہو اور وہ ہمیشہ ثقہ ہی سے روایت کرتا ہو تو وہ حدیث مقبول ہوگی۔

(۲) **مجھول الحال**: وہ قلیل الحدیث راوی ہے جس سے نام لے کر ایک سے زائد راویوں نے روایت کی ہو مگر کسی امام نے اس کی توثیق نہ کی ہو۔

مجہول الحال یعنی مستور کی حدیث کا حکم

امام ابوحنیفہؒ، ابن حبانؒ، حماد بن ابی سفیانؒ کے نزدیک مستور کی روایت معتبر ہے، ان حضرات کا ارشاد ہے کہ ہم اپنی ناواقفیت کی وجہ سے مجہول الحال کی حدیث کو رد نہیں کریں گے مگر یہ کہ ہم کو اس کا نقص معلوم ہو جائے اور جمہور محدثین کی رائے یہ ہے کہ مجہول الحال (مستور) کی حدیث مقبول نہیں ہے وہ اسی وقت قبول کرتے ہیں جب راوی کا ثقہ ہونا متحقق ہو جائے اور مستور کا حال مخفی ہے لہذا اس کی روایت مقبول نہ ہوگی۔ (تحفۃ الدرر: ص ۴۰-۴۲)

(۵) **بدعت**: عدالت سے متعلق اسباب طعن میں سے پانچواں سبب بدعت ہے۔ بدعت سے مراد بدعقیدگی، گمراہ کن خیالات اور فرق ضالہ کے عقائد کا حامل ہونا ہے یعنی دین میں معروف اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول عقائد

کے خلاف کسی نئی چیز کو عقیدہ اور نظریہ بنالینا جو دلیل میں کسی طرح کے شبہ یا نامناسب تاویل سے عناد اور انکار کی راہ سے نہ ہو کیوں کہ شریعت کا انکار کفر ہے۔

بدعت کے اقسام

بدعت کی دو قسمیں ہیں: (١) بدعت مکفرہ (٢) بدعت مفسقہ

(١) **بدعت مکفرہ:** ایسی بدعت جس کی بنا پر پوری امت قواعد شرع کے لحاظ سے کافر ٹھہرے جیسے غالی روافض کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذات سے متعلق حلول کا عقیدہ رکھنا یا قیامت کے بعد دوبارہ آنے کا عقیدہ رکھنا یا قرآن کریم میں تحریف کا قائل ہونا، یا قادیانیوں کا ختم نبوت کا انکار کرنا وغیرہ اس نوع کی بدعت کو بدعت کبریٰ کہتے ہیں۔

(٢) **بدعت مفسقہ:** ایسی بدعت جس کی وجہ سے بدعتی فاسق قرار دیا جائے جیسے عام عقائد بدعیہ اور خیالات فاسدہ مثلاً خوارج، معتزلہ وغیرہ کے نظریات وخیالات، اس نوع کی بدعت کو بدعت صغریٰ کہتے ہیں۔

بدعتی کی حدیث کا حکم

بدعت مکفرہ یعنی بدعت کبریٰ کے حامل شخص کی روایت مقبول نہیں ہے۔ اور بدعت مفسقہ یعنی بدعت صغریٰ کے حامل شخص کی روایت کے قبول ہونے نہ ہونے میں محدثین وفقہاء کے چار اقوال ہیں:

(١) جمہور محدثین وفقہاء کے نزدیک بدعتی کی حدیث مطلقاً غیر مقبول ہے۔ محمد بن سیرین، امام مالک اور ان کے متبعین، قاضی ابوبکر باقلانی وغیرہ حضرات کا یہی مذہب ہے۔

(٢) بعض فقہاء ومحدثین کے نزدیک اگر مبتدع صادق القول ہو کذب وافتراء

سے زبان کو محفوظ رکھنے والا ہو تو اس کی روایت مقبول ہے ورنہ مقبول نہیں ہے۔

(۳) بعض محدثین وفقہاء کرام کی رائے یہ ہے کہ اگر بدعتی شخص ایسے امر شرعی کا منکر ہے جو تواتر سے ثابت ہے اور اس کا دین سے ہونا بالبداہت معلوم ہے اور وہ اس درجہ شائع اور ذائع ہے کہ اس کا علم دائرہ عوام تک پھیل گیا ہے تو اس کی روایت مردود ہے، کیوں کہ ایسا بدعتی تمام اہل اسلام کے نزدیک کافر ہے اور کافر کی روایت مقبول نہیں ہے اور اگر وہ راوی اس طرح کے امور کا منکر نہیں ہے اور ساتھ ہی حفظ وضبط، ورع وتقویٰ وغیرہ صفات سے متصف ہے تو اس کی روایت مقبول ہے اگرچہ مخالفین نے اس کی تکفیر کی ہو کیوں کہ ایسے مبتدع کی تکفیر جمہور امت کے قاعدہ کے لحاظ سے درست نہیں ہے لہذا اس کا اعتبار نہ ہوگا۔

(۴) مختار قول یہ ہے کہ اگر بدعتی اپنی بدعت کا مروج اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیتا ہے تو اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی اور اگر وہ داعی نہیں ہے اور نہ اس کی روایت سے بظاہر اس کے مذہب کی تائید وتقویت ہو رہی ہے تو صدق وعدالت کے ساتھ متصف ہونے کی صورت میں اس کی روایت مقبول ہوگی۔

خلاصۂ کلام

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ بدعتی کی حدیث درج ذیل شرطوں کے ساتھ قبول کی جاسکتی ہے:

(۱) جو امر شرعی متواتر طریق سے ثابت ہے اور امور دینیہ ضروریہ میں شامل ہے جیسے نماز روزہ وغیرہ بدعتی عملاً یا اعتقاداً اس کا منکر نہ ہو۔

(۲) بدعتی شخص گمراہ عقائد کا حامل ہونے کے علاوہ ثقاہت کے تمام صفات اس میں موجود ہوں۔

(۳) اپنے غلط مذہب کی تقویت کے لئے قرآن وحدیث میں تحریف نہ کرتا ہو۔

(۴) جھوٹ کو جائز نہ سمجھتا ہو۔

(۵) اس کی روایت کردہ حدیث سے اس کی غلط نظریات کی تائید نہ ہوتی ہو۔

صاحب جامع الاصول ابن جزری محدث کا کلام

شیخ محدث دہلویؒ بطور خلاصہ ایک بات بیان کر کے ابن اثیر جزری کے کلام پر بات مکمل کر رہے ہیں فرماتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ اہل بدعت اور گمراہ کن فرقوں سے اخذ حدیث کے سلسلہ میں ائمہ حدیث کا اختلاف رہا ہے۔

صاحب جامع الاصول فرماتے ہیں

کہ محدثین کی ایک جماعت نے خوارج، اہل تشیع، قدریہ اور روافض اور دیگر اہل بدعت سے احادیث نقل فرمائی ہیں لیکن احادیث نقل کرنے سے پہلے خوب جانچ پڑتال اور تحقیق کی ہے ان کا مقصد ہے کہ احادیث نبویہ تمام کی تمام مدون ہو جائیں اور ضائع ہونے سے محفوظ ہو جائیں ان حضرات نے حدیث رسول کی تحصیل واشاعت کی مصلحت کو پیش نظر رکھا اور بلا شبہ یہ محمود نیت ہے اور محدثین کی دوسری جماعت نے مذکورہ فرقہ کے لوگوں کی حدیث کو قبول کرنے سے پرہیز کیا ہے ان کے پیش نظر بدعتی کی توقیر اور عزت افزائی سے بچنا ہے اور غایت احتیاط سے کام لیا ہے ان کی یہ کوشش بھی قابل قدر ہے لیکن شیخ محدث دہلوی کی رائے یہ ہے کہ احتیاط ان لوگوں کی احادیث قبول نہ کرنے میں ہے کیوں کہ یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ اپنے مذہب کی ترویج واشاعت کے لئے فرق ضالہ کے لوگ احادیث گھڑ لیتے تھے اور توبہ ورجوع کے بعد انہوں نے اس کا اقرار بھی کیا ہے۔

ضبط سے متعلق اسباب طعن کا بیان

ضبط سے متعلق اسباب طعن پانچ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جیسے عدالت پانچ وجوہ سے خراب ہوجاتی ہے، اسی طرح ضبط جو حدیث صحیح کے لئے ضروری ہے، اس کی بیماری کی بھی پانچ وجہیں ہیں:

(۱) فرط غفلت، (۲) کثرت غلط، (۳) مخالفت ثقات، (۴) وہم، (۵) سوء حفظ

(۱) **فرط غفلت**: بہت زیادہ غفلت، یہ طعن اس راوی پر لگتا ہے جو حدیث کے اتقان یعنی خوب اچھی طرح محفوظ کرنے سے اکثر غفلت برتتا ہو، جس راوی میں یہ عیب ہوتا ہے اسے کثیر الغفلت کہتے ہیں۔

(۲) **کثرت غلط**: یعنی اغلاط کی بہتات، یہ طعن اس راوی پر لگتا ہے جس کی غلط بیانی صحت بیانی سے زیادہ ہو۔ جس راوی میں یہ عیب ہوتا ہے اسے کثیر الغلط کہتے ہیں۔

فائدہ (۱): کثیر الغفلت اور کثیر الغلط دونوں قسم کے رواۃ کی روایات اصطلاح محدثین میں منکر کہلاتی ہے۔

فائدہ (۲): ان دونوں میں اعتباری فرق یہ ہے کہ کثرت غفلت کا شکار انسان حدیث کے سننے کے وقت ہوتا ہے، اور کثرت غلط کا شکار بیان کرنے کے وقت ہوتا ہے۔

(۳) **مخالفت ثقات**: ضبط سے متعلق اسباب طعن میں سے تیسرا سبب مخالفت ثقات ہے۔

مخالفت ثقات سے مراد کسی راوی کی روایت کا اپنے سے اولیٰ اور ارجح کی روایت کے خلاف منقول ہونا ہے یہ عموماً سند میں ہوتا ہے اور کبھی متن میں بھی واقع ہوتا ہے۔ یہ اختلاف کبھی سند اور متن دونوں میں قدح اور عیب پیدا کرتا ہے اور کبھی سند کو عیب دار بناتا ہے

متن پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا ہے۔ پھر اس اختلاف کی متعدد اقسام ہیں:

(۱) اگر سیاق سند کے بدل جانیکی وجہ سے اختلاف ہوتو اسکا نام مدرج الاسناد ہے۔

(۲) اگر حدیث موقوف کو مرفوع میں داخل کرنے کی وجہ سے ہوتو اس کا نام مدرج المتن ہے۔

(۳) اگر تقدیم وتاخیر کی وجہ سے اختلاف ہوتو اس کا نام مقلوب ہے۔

(۴) کسی راوی کے بڑھ جانے کی وجہ سے ہوتو اسکا نام مزید فی متصل الاسانید ہے۔

(۵) کسی راوی کے بدل جانے کی وجہ سے اختلاف ہو اور کوئی وجہ ترجیح نہ ہوتو اس کا نام مضطرب ہے۔

(۶) اگر سیاق سند باقی رہتے ہوئے حروف بدل جانے کی وجہ سے اختلاف ہوتو اس کا نام مصحّف اور محرَّف ہے۔

(۷) اگر اختلاف کی صورت یہ ہو کہ کوئی ثقہ راوی اپنے سے اوثق کی مخالفت کر رہا ہے تو ثقہ کی روایت شاذ اور اوثق کی روایت محفوظ ہے۔

(۸) اگر ضعیف راوی ثقہ کے خلاف روایت کرے تو ضعیف کی روایت منکر اور اس کے مخالف روایت کا نام معروف ہے۔

مخالفت ثقات کو ضبط سے متعلق اسباب طعن میں شمار کرنے کیوجہ

مخالفت ثقات کو ضبط سے متعلق اسباب طعن میں ایک سبب قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ راوی کی جانب سے ثقات کی مخالفت حفظ وضبط کی کمی اور تغیر وتبدل سے محفوظ نہ رہنے کی وجہ سے ہے۔

(۴) **وھم**: ضبط سے متعلق اسباب میں چوتھا سبب وہم ہے۔

جس وہم ونسیان کی وجہ سے راوی نے غلطی کی اور وہم کے طریقہ سے حدیث بیان کردی تو راوی کو اس غلطی پر ایسے قرائن سے جو وجوہ علل اور اسباب قادح پر دلالت کرتے ہیں اطلاع ہو جائے تو اس راوی کی حدیث کا نام **معلل** ہے۔

وھم کی شناخت: راوی کے وہم کی معرفت علوم حدیث کا نہایت دقیق اور غامض فن ہے اس کی شناخت کا کام وہی کر سکتا ہے جس کو وسیع علم وفہم ذہن ثاقب، حفظ کامل اور معرفت تامہ عطا ہوئی ہو، رواۃ کے مراتب اور اسانید ومتون کی پہچان کا خاص ملکہ اسے حاصل ہو جیسے متقدمین علماء میں وہ لوگ جو اس فن کے ماہر تھے حتی کہ یہ سلسلہ امام دارقطنی پر ختم ہوگیا۔ مشہور ہے کہ علل حدیث میں امام دارقطنی کا ہم پایہ ان کے بعد پیدا نہیں ہوا۔

(۵) **سوء حفظ**: ضبط سے متعلق اسباب طعن میں سے پانچواں سبب سوء حفظ ہے۔ سوء حفظ کے معنی ہیں یادداشت کی خرابی، یہ طعن اس راوی پر لگتا ہے جس کی غلط بیانی حافظہ کی خرابی کی وجہ سے صحت بیان سے زائد یا برابر ہو، سوء حفظ کی مذکورہ تعریف سے سئی الحفظ راوی کثیر الغفلت راوی کے بظاہر مساوی ہو جاتا ہے کیوں کہ بعینہ یہی تعریف فرط غفلت اور کثیر الغلط کی بھی ہے، حالانکہ فرط غفلت اور کثیر الغلط کا طعن سئی الحفظ کے طعن سے انتہائی سخت اور شدید ہے لیکن محدث دہلوی نے ان تینوں اصطلاحات میں یکسانیت کے باوجود فرق اعتباری ثابت کیا ہے اس طریقہ پر کہ فرط غفلت کا تعلق شیخ سے حدیث کے اخذ وسماع سے ہے یعنی سماع میں تساہل اور سستی کی وجہ سے اغلاط کی کثرت ہوگئی ورنہ اس کا حافظہ قوی تھا اور کثرت غلط حدیث کے نقل وبیان سے متعلق ہے یعنی تساہل یا ضعف حافظہ کی وجہ سے کثرت سے غلطیاں کرتا ہے اور سوء حفظ ان دونوں سے عام ہے یعنی غفلت یا قصور ضبط کی بناء پر سئی الحفظ راوی سے جو غلطیاں وجود پذیر ہوتی ہے وہ الگ الگ تو اس کی اصابت اور صحت بیان سے کم ہیں مگر دونوں قسم کی مجموعی غلطیاں اس کی اصابت سے زائد یا مساوی ہیں۔

سوء حفظ کی اقسام

سوء حفظ کی دو قسمیں ہیں: سوء حفظ لازم اور سوء حفظ طاری

سوء حفظ لازم: وہ ہے جو ہمیشہ اور ہر حال میں رہتا ہو ایسے راوی کی حدیث کو (ایک قول کے مطابق) شاذ کہا جاتا ہے تو گویا شاذ حدیث سئ الحفظ کی روایت ہوئی اور منکر حدیث کثیر الغفلت، کثیر الغلط اور فاسق کی روایت ہوئی۔

سوء حفظ طاری: وہ ہے جو بڑھاپے وغیرہ کی وجہ سے پیش آ گیا ہو مثلاً وہ کتابیں جن سے راوی روایت کرتا تھا تلف ہو گئیں یا راوی نابینا ہو گیا جس کی وجہ سے کتابیں نہیں دیکھ سکتا یا قدرتی عوامل کی وجہ سے یادداشت میں کمی آ گئی تو ایسے راوی کا نام مختلِط (بکسر اللام) ہے اور ایسے راوی کی حدیث کا نام مختلَط (بفتح اللام) ہے۔

سئ الحفظ کا حکم

اگر پوری عمر کے تمام اوقات میں سوء حفظ کسی راوی کے ساتھ لازم ہے تو ایسے شخص کی حدیث معتبر نہ ہوگی۔

مختلط راوی کی حدیث کا حکم

اختلاط و اختلال سے قبل اس راوی نے جو روایتیں بیان کی ہیں اگر وہ اختلاط کے بعد بیان کردہ روایات سے ممتاز اور الگ ہیں تو اختلاط سے پہلے کی روایات مقبول ہوں گی اور اختلاط کے بعد کی روایات مقبول نہ ہوں گی۔ اور اگر دونوں زمانے کی روایات میں امتیاز نہیں ہے تو ان کے قبول اور عدم قبول میں توقف کیا جائے گا، حصول علم کے بعد ہی فیصلہ کیا جائے گا،

اسی طرح جس راوی کے اختلاط اور عدم اختلاط میں اشتباہ پیدا ہو گیا تو اس کی احادیث میں توقف کیا جائے گا۔

فائدہ: اگر سئی الحفظ راوی کے متابعات اور شواہد مل جائیں تو اس کی روایت درجہ رد وتوقف سے ترقی کر کے درجۂ قبول ورجحان میں پہنچ جائے گی یہی حکم حدیث مستور، حدیث مدلس اور حدیث مرسل کا بھی ہے کہ ان کے متابعات اور شواہد حاصل ہو جانے کی صورت میں مقبول ہوں گی۔

حدیث صحیح کی اقسام

حدیث صحیح کی چار قسمیں ہیں: غریب، عزیز، مشہور، متواتر

حدیث غریب: وہ حدیث ہے جس کی صرف ایک سند ہو یعنی اس حدیث کا راوی صرف ایک ہو خواہ ہر طبقہ میں ایک ہی ایک ہو یا کسی طبقہ میں ایک سے زائد بھی ہو گیا ہو۔

حدیث عزیز: وہ حدیث ہے جس کے راوی دو ہوں خواہ ہر طبقہ میں دو ہی دو ہوں یا کسی طبقہ میں دو سے زائد بھی ہو گئے ہوں مگر کسی طبقہ میں دو سے کم نہ ہوں۔

حدیث مشہور: وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر طبقہ میں دو سے زائد ہوں مگر تواتر کی تعداد سے کم ہوں یا اس سے علم یقینی بدیہی حاصل نہ ہو۔

حدیث مشہور کی دوسری تعریف: عرف عام میں حدیث مشہور وہ حدیث ہے جو لوگوں کی زبان پر مشہور ہو خواہ اس کی سند غریب ہو یا بالکل بے سند ہو اس موضوع پر امام سخاویؒ کی کتاب "المقاصد الحسنة فی کثیر من الاحادیث الدائرة علی الالسنة" اور علامہ عجلونی کی "کشف الخفاء" و "مزیل الالباس" عمدہ کتابیں ہیں۔

حدیث مستفیض: حدیث مشہور ہی کا دوسرا نام حدیث مستفیض ہے۔

دوسری تعریف: بعض حضرات نے اتنی قید کا اضافہ کیا ہے کہ ہر طبقہ میں راویوں کی تعداد یکساں ہو کسی طبقہ میں کم یا زائد نہ ہو مثلاً سند کی ابتداء میں راویوں کی تعداد چار ہے تو آخر تک ہر طبقہ میں چار ہی رہی ہو کم وبیش نہ ہوئی ہو۔

دونوں تعریفوں کے مابین نسبت

پہلی رائے کے اعتبار سے حدیث مشہور اور مستفیض کے درمیان تساوی کی نسبت ہے اور دوسری تعریف کے اعتبار سے دونوں میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے مشہور عام اور مستفیض خاص ہے۔

وجہ تسمیہ: مشہور بمعنی شہرت یافتہ، شهر یشهر شهرة (ف) سے مشتق ہے چوں کہ علماء حدیث کے نزدیک اس نوع کی حدیث شائع اور واضح ہوتی ہے اس لئے اس کو مشہور کہتے ہیں اور مستفیض استفاضہ سے مشتق ہے جس کے معنی بہنے اور پھیلنے کے ہیں مشہور اور مستفیض میں معنوی مناسبت ظاہر ہے۔

حدیث متواتر: وہ حدیث ہے جس کی سندیں بکثرت ہوں اور کثرت کے لئے کوئی تعداد متعین نہیں ہے۔

شرائط تواتر: تواتر کے لئے پانچ شرطیں ہیں: (۱) سندوں کی کثرت، (۲) رواۃ کی تعداد اتنی ہو کہ ان سب کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا یا اتفاقاً ان سے جھوٹ کا صادر ہونا محال ہو، (۳) سند کی ابتداء سے انتہاء تک ہر طبقہ میں رواۃ کی یہ کثرت باقی رہی ہو، (۴) روایت کا منتہی کوئی امر حسی ہو یعنی آخری راوی کسی بات کا سننا یا کسی کام کا دیکھنا بیان کرے، (۵) ان رواۃ کی خبر سے سامع کو علم یقینی حاصل ہوا ہو۔

نوٹ: اس آخری شرط کو بعض لوگوں نے متواتر کا فائدہ کہا ہے۔

متواتر کا فائدہ: جب تواتر کی تمام شرطیں پائی جائیں گی تو اس حدیث متواتر سے علم یقینی بدیہی کا فائدہ حاصل ہوگا، نیز حدیث متواتر کا منکر کافر ہے البتہ مشہور، عزیز، غریب ظنی الثبوت ہیں ان سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے البتہ خبر مشہور افادہ علم میں عزیز اور غریب سے فائق ہے۔

تنبیہ: اگر تواتر کی تمام شرائط کے پائے جانے کے باوجود کسی خاص مانع سے علم یقینی بدیہی حاصل نہ ہو تو وہ حدیث متواتر نہیں ہے بلکہ اس کو مشہور کہیں گے۔

تواتر کی تعداد: خبر متواتر کے راویوں کی تعداد میں بہت زیادہ اختلاف ہے بعض نے چار بعض نے پانچ، بعض نے بارہ، بعض نے چالیس، بعض نے ستر بیان فرمائی ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ کوئی تعداد متعین نہیں ہے بلکہ حسب موقع اتنی کثرت ہونی چاہئے کہ ان سب کا جھوٹ پر متفق ہونا یا اتفاقاً جھوٹ کا صادر ہونا محال ہو۔

حدیث غریب کا دوسرا نام اور اس کے اقسام

حدیث غریب کا دوسرا نام حدیث فرد ہے پھر حدیث فرد کی دو قسمیں ہیں: فرد مطلق، فرد نسبی۔

فرد مطلق: وہ حدیث ہے جس کی سند کے شروع میں یعنی طبقہ تابعین میں غرابت ہو اس طرح سے کہ ایک ہی تابعی اس حدیث کو روایت کرتے ہوں اور پھر آگے جا کر راوی متعدد ہو گئے ہوں یا آخر تک اس حدیث کا راوی ایک ہی رہا ہو۔

تنبیہ: صحابی کا تفرد مضر نہیں ہے اگر کسی حدیث کے راوی ایک صحابی ہوں تو وہ غریب نہیں کہلائے گی۔

فرد نسبی: وہ حدیث ہے جس کی سند کے شروع میں تو غرابت نہ ہو البتہ وسط

سند یا آخر سند میں غرابت ہو یہ غرابت کسی خاص صفت کے اعتبار سے ہوتی ہے مثلاً کسی استاذ سے کسی حدیث کے متعدد راوی ہیں مگر ان میں سے ثقہ صرف ایک ہی ہے یا کسی خاص محدث سے روایت کرنے والا ایک ہی راوی ہے تو یہ راوی کی ثقاہت کے اعتبار سے اور معین استاذ سے روایت کرنے کے اعتبار سے غرابت ہے اس لئے اس کو فرد نسبی کہا جاتا ہے۔

تنبیه: نسبی میں یا نسبتی ہے یعنی اس کا تفرد بالنسبة الی شئ آخر ہے۔

غریب اور فرد میں فرق

لغت کے اعتبار سے تو غریب اور فرد دونوں لفظ مترادف ہیں مگر عام طور سے فرد کا لفظ ''فرد مطلق'' کے لئے استعمال کرتے ہیں فرد نسبی کے لئے فرد کا لفظ بہت کم استعمال کرتے ہیں البتہ غریب کا لفظ زیادہ تر فرد نسبی کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

یہ فرق صرف لفظ فرد اور لفظ غریب کے استعمال میں ہے ان کے مشتقات کے استعمال میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں ہی کے لئے تفرد به فلان اور اغرب به فلان استعمال کرتے ہیں۔

غرابت کا صحت کے ساتھ اجتماع

غرابت کا صحت کے ساتھ اجتماع ہو سکتا ہے یا نہیں یعنی حدیث کے صحیح ہونے کے لئے عزیز ہونا ضروری ہے یا حدیث غریب بھی صحیح ہو سکتی ہے اس سلسلہ میں علماء حدیث کا اختلاف ہے۔

امام حاکم صاحب مستدرک اور معتزلہ میں سے ابو علی جبائی کی رائے یہ ہے کہ حدیث کے لئے عزیز ہونا ضروری ہے یعنی اس کی سند میں ہر طبقہ میں کم از کم دو راوی ہونا حدیث کے

صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے۔

جمہور محدثین کی رائے یہ ہے حدیث کے صحیح ہونے کے لئے عزیز ہونا شرط نہیں ہے بلکہ حدیث غریب بھی صحیح ہوسکتی ہے، جب اس کے اندر صحت کے شرائط پائے جائیں، کیوں کہ حدیث صحیح میں تعدد رواۃ کی شرط نہیں ہے، محدث دہلوی اس مسئلہ میں جمہور کے ساتھ ہیں، اسی وجہ سے دوسرے مذہب کی تردید فرمائی ہے۔

غریب اور شاذ کا استعمال

غریب کبھی شاذ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یعنی وہ حدیث جس کو راوی ثقہ کے مخالف نقل کرے صاحب مصابیح السنہ امام بغوی کتاب مصابیح السنہ میں جب بطور طعن کسی حدیث کے بارے میں ھذا حدیث غریب کہیں تو اس کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ یہ حدیث شاذ ہے اور ثقہ کی روایت کے خلاف ہے۔ اس طرح شاذ بھی غریب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اس صورت میں شاذ کے معنی ہوں گے جس کا راوی متفرد ہو ثقات کی مخالفت کا اس میں لحاظ نہیں ہوتا اس تفسیر کے اعتبار سے حدیث شاذ صحت کے منافی نہیں ہوگی۔

ضعیف اور صحیح کے درجات کا بیان

حدیث ضعیف کی تعریف: حدیث ضعیف وہ حدیث ہے جس میں حدیث صحیح یا حدیث حسن میں اعتبار کردہ بعض یا کل شرائط مفقود ہوں اور اس کا راوی شذوذ، نکارت اور علت کے ساتھ مطعون ہو۔

تیسری فصل کے اندر حدیث صحیح لذاتہ، حدیث صحیح لغیرہ، حدیث حسن لذاتہ، حسن لغیرہ اور حدیث ضعیف کی تعریفات بیان ہوچکی ہیں اس فصل میں تعریفات بیان کرنا مقصود

نہیں ہے۔ یہاں حدیث ضعیف کی تعریف ضمنی طور سے بیان ہوئی ہے، چونکہ حدیث ضعیف میں ضعف کی علت اس کا شروط صحت اور حسن سے بعد اور دوری ہے لہذا یہ بعد جس قدر زیادہ ہوگا، اسی قدر ضعف میں زیادتی ہوگی مثلاً کسی حدیث میں صحت کی ایک شرط مفقود ہے تو اس میں ایک درجہ ضعف ہوگا اور اگر بیک وقت دو شرطیں مفقود ہوں تو دو درجہ ضعف ہوگا اسی طرح جس میں تین یا چار شرائط مفقود ہوں تو اس حدیث میں تین یا چار درجہ ضعف ہوگا لہذا ایک شرط یا بیک وقت متعدد شرائط کے فقدان کے اعتبار سے حدیث ضعیف کے درجات مختلف ہوجائیں گے اور اس تفاوت درجات کے لحاظ سے حدیث ضعیف کی متعدد اقسام ہوجائیں گی۔ بعض محدثین نے امکان عقلی کے طور سے ایک سو اکیس اور امکان وجودی کے اعتبار سے اکیاسی قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

تفصیل کے لئے مطولات تدریب الراوی وغیرہ کا مطالعہ کیا جائے۔

حدیث صحیح وحدیث حسن کے مراتب اور درجات

جس طرح حدیث ضعیف میں صفات صحت کے انفرادی اور اجتماعی فقدان کے اعتبار سے مراتب ضعف میں تفاوت ہوجاتا ہے، اسی طرح حدیث صحیح وحدیث حسن کی صفات عدالت وضبط وغیرہ کی قوت میں تفاوت کی وجہ سے حدیث صحیح کے مراتب بھی متفاوت ہوجائیں گے۔

جن رواۃ میں صفت عدالت اور صفت ضبط اعلیٰ درجہ کی ہوگی اس کی حدیث اعلیٰ قرار دی جائے گی اور اگر اوصاف کچھ کم تر ہیں تو اس کا رتبہ کم ہوگا اگر چہ صحت وحسن میں دونوں مشترک ہوں گی۔

حضرات محدثینؒ نے ان مراتب ودرجات کو متعین اور محفوظ کیا ہے اور سندوں سے

ان کی امثلہ پیش فرمائی ہیں۔

اصح الاسانید

کسی معین اور خاص سند پر اصح الاسانید (صحیح ترین سند) کا حکم لگایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

محدثین کا راجح اور مختار قول یہی ہے کہ کسی خاص سند کو مطلقاً اصح الاسانید قرار دینا درست نہیں ہے[1]، البتہ صحت کا اعلیٰ درجہ ہے اس میں متعدد اسانید داخل ہیں اور اصح الاسانید قرار دینے کی دو وجوہات ہیں۔

(۱) مراتب صحت میں تفاوت اور کمی بیشی کا مدار سند میں شروط صحت اور صفات قبول کے پائے جانے پر ہے اور دیگر تمام اسانید کے مقابلہ میں کسی خاص سند کے ہر ہر فرد میں صفات قبول کا اعلیٰ درجہ میں پایا جانا دشوار اور مشکل ہے۔

(۲) اصح الاسانید کے فیصلہ کے لئے اکناف عالم میں شرقاً وغرباً پھیلے ہوئے ہر زمانہ کے تمام رواۃ کے احوال کی معرفت حاصل ہونا ضروری ہے اور یہ عمومی معرفت پہلی شکل سے بھی زیادہ مشکل ہے۔

---

[1] علماء کی اس سلسلہ میں تین جماعت ہیں کہ کسی سند کے بارے میں اصح الاسانید کہنا درست ہے یا نہیں۔

(۱) مطلقاً جائز ہے۔ ابن معین، علی ابن المدینی، اسحاق بن راہویہ، احمد بن حنبل، بخاری وغیرہ اسی کے قائل ہیں، اور حافظ ابن حجرؒ نے النکت میں اسی کو اختیار کیا ہے، کیونکہ رواۃ کی چھان پھٹک کی جا چکی ہے، اور ان کے احوال کو کتب میں مدون کر دیا گیا ہے۔ لہذا ان میں ترجیح کا معاملہ ممکن ہے۔

(۲) مطلقاً نا جائز ہے۔ اس کے قائل ابن الصلاح وغیرہ ہیں اسلئے کہ ہر راوی کے ضبط وعدالت کا اس کے زمانہ کے تمام رواۃ سے موازنہ کرنا مشکل ہے۔

(۳) اگر مقید کر کے مثلاً کسی صحابی کی کسی شہر کی کسی مسئلہ کی اصح الاسانید استعمال کیا جائے تو یہ جائز ہے، ورنہ نہیں۔ اس کے قائل ہیں حاکم اور صاحب مقدمہ وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (تعلیقات ارشاد: ۱/۱۱۴)

اصح الاسانید کے بارے میں ائمہ محدثین کے اقوال

حضرات محدثین نے مشکل کے باوجود اصح الاسانید کی تلاش وجستجو کا کام شروع کیا مگر وہ کوئی متفقہ فیصلہ نہ کرسکے اور ہر ایک نے اپنے اپنے ذوق تحقیق کے مطابق کسی ایک سند کو اصح الاسانید قرار دیا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) امام اسحاق بن راہویہ اور امام احمد بن حنبل کی نظر میں اصح الاسانید زهری عن سالم عن ابن عمر عن ابیه رضی الله عنه.

(۲) علی بن المدینی اور عمرو بن علی الفلاس کی نظر میں اصح الاسانید محمد بن سیرین عن عبیدة بن عمرو السلمانی عن علی بن ابی طالب رضی الله عنه.

(۳) امام نسائی اور یحیی بن معین کی نظر میں: ابراهیم النخعی عن علقمة عن قیس عن عبد الله بن مسعود رضی الله عنه.

(۴) ابوبکر بن ابی شیبہ اور عبدالرزاق بن ہمام کی نگاہ میں: زهری عن زین العابدین علی بن الحسین عن ابیه عن جده علی رضی الله عنه.

(۵) امام بخاری کی نظر میں: مالک عن نافع عن ابن عمر رضی الله عنه.

(۶) سلیمان بن داؤد الشاذکونی کی نظر میں: یحییٰ بن ابی کثیر عن ابی سلمة عن ابی هریرة رضی الله عنه.

(۷) امام وکیع کی نظر میں: شعبة عن عمرو بن مرة عن مرة عن ابی موسی الاشعری رضی الله عنه.

(۸) امام عبداللہ بن المبارک اور عجلی کی نظر میں: سفیان الثوری عن منصور عن ابراهیم عن علقمة عن ابن مسعود رضی الله عنه.

محدثین کے اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں تفصیل کے لئے مطولات کی طرف مراجعت فرمائیں۔

کسی خاص قید کے ساتھ اصح الاسانید کا فیصلہ

اطلاق وعموم کے بجائے کسی خاص قید کے ساتھ اصح الاسانید کا فیصلہ درست ہے۔ مثلاً: اصح الاسانید فی البلد الفلانی یا اصح الاسانید فی الباب الفلانی یا اصح الاسانید فی المسئلۃ الفلانیۃ فلاں شہر یا فلاں باب یا فلاں مسئلہ میں اصح الاسانید یہ سند ہے۔

فصل: امام ترمذیؒ کی عادت شریفہ کا بیان

صحاح ستہ کے مصنفین میں سے صرف امام ترمذیؒ کی یہ عادت اور امتیازی وصف ہے کہ ہر حدیث کا درجہ متعین فرماتے ہیں اور مختلف طریقوں سے ہر حدیث پر اپنی کتاب الجامع السنن میں فیصلہ فرماتے ہیں۔ امام ترمذی کی عبارات کا خلاصہ درج ذیل ہے:

(١) ھذا حدیث صحیح.

(٢) ھذا حدیث حسن.

(٣) ھذا حدیث غریب.

(٤) ھذا حدیث حسن صحیح

(٥) ھذا حدیث حسن غریب.

(٦) ھذا حدیث صحیح غریب.

(٧) ھذا حدیث حسن صحیح غریب.

اول الذکرتین صورتوں میں صرف ایک وصف کا ذکر ہے ظاہر ہے کہ اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے، کیوں کہ ان میں صرف ایک وصف کا تذکرہ ہے اس کے معارض دوسرا کوئی وصف نہیں ہے۔

اسی طرح چھٹی صورت جہاں صحیح غریبٌ کہہ کر صحت وغرابت کا اجتماع ہے اس میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے کیوں کہ یہ بات جائز ہے کہ ایک حدیث کے تمام رواۃ عادل اور صاحب ضبط واتقان ہوں اور اس حدیث کی صرف ایک ہی سند ہو تو اس طرح صحت وغرابت کا اجتماع ممکن ہے۔ نیز چوتھی صورت کے اندر صحت اور حسن کے اجتماع میں بھی کوئی شبہ اور اشکال نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ بات ممکن ہے کہ ایک حدیث صحیح لغیرہٖ اور حسن لذاتہٖ ہو کیوں کہ حسن لذاتہٖ تعدد طرق کی وجہ سے صحیح لغیرہٖ کے مقام تک پہنچ جاتی ہے، لیکن یہ جواب ان احادیث میں جن کی صرف ایک ہی سند ہو جاری نہ ہوگا حالانکہ اس کے بارے میں بھی ھذا حدیث حسن صحیح کہا گیا ہے۔ اس لئے بہتر جواب وہ ہے جس کی امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے تصویب فرمائی ہے اور ابن دقیق العید نے اپنی کتاب الاقتراح فی اصول الحدیث میں اس کو بیان فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ صفات قبول مثلاً صدق، حفظ، عدالت وغیرہ اس کے مختلف درجات ہیں بعض بعض سے فائق اور برتر ہیں پس ادنیٰ یعنی صدق اور عدم تہمت کا وجود اعلیٰ یعنی صدق اور حفظ کے وجود کے منافی نہیں ہے لہذا جب ادنی وصف کسی حدیث میں پایا جائے تو یہ اعلیٰ کے وجود کے منافی نہیں ہے، لہذا ممکن ہے کہ ایک حدیث وصف ادنیٰ کے اعتبار سے حسن اور وصف اعلیٰ کے اعتبار سے صحیح ہو اس طرح صحیح اور حسن کا اجتماع ایک حدیث کے ساتھ ہوسکتا ہے۔ علامہ ابن حجرؒ نے اس جواب کو اقوی الاجوبہ قرار دیا ہے۔ (معارف السنن: ص ۴۴/۱) اس اشکال کے اور بھی متعدد جوابات دئے گئے ہیں، تفصیل کے لئے مقدمہ فتح الملہم شرح مسلم مولفہ علامہ شبیر احمد عثمانی کا مطالعہ کیا جائے۔

غرابت اور حسن کا اجتماع

غرابت اور حسن کے اجتماع پر محدثینؒ نے اشکال کیا ہے خلاصہ اعتراض واشکال یہ ہے کہ حدیث حسن کی تعریف امام ترمذیؒ کی صراحت کے مطابق یہ ہے کہ جس کی اسانید متعدد ہوں اور حدیث غریب کہتے ہیں جس کی صرف ایک سند ہو تو ایک حدیث کے بارے میں ھذا حدیث حسن غریب کہنا بظاہر اجتماع نقیضین ہے اور دو متعارض چیزوں کو ایک ساتھ جمع کرنا ہے۔

اس اعتراض کے محدث دہلوی اور دوسرے حضرات نے متعدد جوابات دیئے ہیں۔

(۱) امام ترمذیؒ کا کسی حدیث کے بارے میں حدیثٌ حسنٌ کہنا دو قسم پر ہے ایک قسم یہ ہے کہ حدیث پر صرف حسن ہونے کا حکم لگایا ہو اور دوسرا کوئی حکم نہ لگایا ہو اور دوسری قسم یہ ہے کہ حسن ہونے کے ساتھ دوسرا وصف بھی ذکر کیا ہو۔ امام ترمذیؒ جس حدیث حسن میں تعدد طرق کا لحاظ کرتے ہیں تو وہ قسم اول ہے اور جس حدیث میں حسن کے ساتھ غریب کا اجتماع ہے وہاں حدیث حسن میں تعدد طرق کا لحاظ نہیں ہے اور اس حدیث حسن کے ساتھ غرابت کا اجتماع درست ہے۔ امام ترمذیؒ نے کتاب العلل الصغیر میں اس جانب رہنمائی فرمائی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے شرح نخبۃ میں بھی اس جواب کو بیان فرمایا ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ حدیث متعدد اسانید سے مروی ہے اور کسی خاص سند میں ایک قسم کی غرابت ہے تو گویا بعض اسانید کے اعتبار سے وہ حدیث حسن ہے اور بعض اسانید کے اعتبار سے وہ حدیث غریب ہے گویا دو وصفوں کا اجتماع تعدد طرق کی طرف اشارہ ہے۔

(۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ امام ترمذیؒ کے قول "ھذا حدیث حسن غریب" کی

تقدیر عبارت حسنٌ وغریبٌ ہے اور واوٗ بمعنی اَوْ ہے اور واوٗ کو مقدر ماننے اور او کو مقدر نہ ماننے کی وجہ یہ ہے کہ کلام عرب میں واوٗ کا حذف درست ہے، او کا حذف درست نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ امام ترمذیؒ کے نزدیک حدیث معتبر ہے لیکن وہ کسی حتمی فیصلہ تک نہ پہنچ سکے ہیں اس لئے بطریق شک اور تردد حسن غریب کہتے ہیں لیکن یہ جواب بیحد کمزور اور ضعیف ہے کیوں کہ اس قسم کا تردد امام ترمذی جیسے محدث کی جانب سے بعید از عقل وقیاس ہے۔ پھر اس قسم کی بات کسی ایک جگہ ممکن ہے حالانکہ امام ترمذیؒ نے بکثرت روایات میں یہ بات بیان کی ہے اور تمام روایات میں اس طرح کا تردد اور بھی زیادہ بعید ہے۔

(۴) اس جگہ امام ترمذیؒ کے کلام میں حسن سے مراد معنی اصطلاحی نہیں ہے بلکہ معنی لغوی مراد ہیں یعنی جس کی طرف طبیعت کا میلان ہو۔ اور حسن بالمعنی اللغوی اور حدیث غریب میں کوئی منافات نہیں ہے دونوں کا ایک ساتھ اجتماع درست ہے کیوں کہ حدیث اگر چہ غریب ہو مگر کلام نبوی ہونے کہ وجہ سے طبیعت کا میلان اور رغبت تو اس کی جانب ہوتی ہی ہے لیکن یہ جواب متعدد وجوہ سے ضعیف اور کمزور ہے۔

(۱) کمزور ہونے کی پہلی وجہ یہ ہے کہ حسن محدثین کی ایک خاص اصطلاح ہے اور بغیر ضرورت شدیدہ کے ترک اصطلاح پر مداومت طبیعت سلیمہ کے خلاف ہے۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ کلام رسول کا معنی لغوی کے اعتبار سے حسن ہونا ہر ہوشمند کو معلوم ہے پھر اس کے حسن ہونے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

(۳) تیسری کمزوری یہ ہے کہ معنی لغوی کے اعتبار سے حسن کا اطلاق موضوع، ضعیف، منکر پر بھی ممکن ہے۔ حالانکہ حدیث موضوع اور منکر کو کوئی بھی حسن کہنے کا روادار نہیں ہے۔

فصل: احادیث صحیحہ، احادیث حسن اور حدیث ضعیف سے استدلال واحتجاج کا بیان

حدیث صحیح لذاتہٖ، صحیح لغیرہٖ، حسن لذاتہٖ، حسن لغیرہٖ سے مسائل حلت وحرمت، صفات باری تعالیٰ اور دیگر اعتقادی احکام میں استدلال واحتجاج درست ہے تمام محدثین وفقہاء کرام کا اس پر اتفاق اور اجماع ہے۔

حدیث ضعیف سے استدلال کا حکم

حلال وحرام اور اعتقادی مسائل میں احادیث ضعیفہ سے استدلال جائز نہیں ہے جمہور علماء کا مسلک یہی ہے، لیکن فضائل اعمال، استحباب، مناقب اور ترغیب وترہیب کے ابواب میں ضعیف حدیث سے استدلال واحتجاج میں علماء محدثین کے تین قول ہیں:

(۱) امام بخاری، امام مسلم، یحییٰ بن معین، ابن العربی، ابن حزم وغیرہ کا قول یہ ہے کہ ضعیف احادیث سے مطلقاً استدلال جائز نہیں ہے نہ احکام میں نہ فضائل ومناقب میں۔

(۲) صحیح اور حسن احادیث کی غیر موجودگی میں ضعیف روایات سے استدلال بلا کسی شرط کے درست ہے امام احمد بن حنبل اور امام ابو داوٗد کا یہی مذہب ہے۔

(۳) فضائل اعمال، مناقب اور ترغیب وترہیب وغیرہ میں تین شرطوں کے ساتھ ضعیف روایات سے استدلال درست ہے: (۱) اس کا ضعف قوی نہ ہو یعنی کذاب، متہم بالکذب اور کثیر الغلط راوی کی متفرد اور غریب حدیث نہ ہو (۲) اس حدیث کا مدلول ومفہوم کسی قواعد شرعیہ کے عموم میں داخل ہو۔ (۳) اس پر عمل کرتے وقت اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ رکھے بلکہ احتیاط کا اعتقاد رکھے تاکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ایسی بات کا

04 Muqaddamma

انتساب لازم نہ آئے جو آپ نے نہ فرمائی ہو۔

تنبیہ: پہلی شرط پر حافظ صلاح الدین علائی نے اتفاق نقل کیا ہے اور آخر الذکر دونوں شرطوں کو شیخ عز الدین بن عبد السلام اور ابن دقیق العیدؒ نے بیان کیا ہے۔

تنبیہ: جس حدیث ضعیف کا تعدد طرق سے ضعف دور ہو جائے وہ حسب تصریح ائمہ حدیث حسن لغیرہ کے درجہ میں پہنچ جاتی ہے اور اس سے مطلقاً استدلال درست ہے۔ یہاں حدیث ضعیف سے مراد حدیث فرد ہے جس کی صرف ایک سند ہو اور اس کا ضعف تعدد طرق سے دور نہ ہوا ہو۔

کیا تعدد طرق سے مطلقاً حدیث ضعیف کا ضعف دور ہو جائے گا

تعدد طرق سے مطلقاً ہر قسم کا ضعف دور نہیں ہوتا ہے بلکہ جو راوی سوء حفظ کی وجہ سے ضعیف ہو یا راوی میں صدق و دیانت کے باوجود تدلیس اور اختلاط کا مرض ہو اور اس کی وجہ سے راوی کمزور ہو تو ایسا ضعف تعدد طرق سے دور ہو جائے گا اور وہ درجہ ضعف سے ترقی کر کے درجہ حسن تک پہنچ جائے گی اور اس سے استدلال فضائل و احکام وغیرہ ہر جگہ درست ہے۔ لیکن اگر روایت کے اندر راوی کے کذب، اتہام بالکذب، شذوذ اور فحش غلط کی راہ سے شذوذ آیا ہو تو وہ ضعف تعدد طرق سے زائل نہ ہوگا لیکن تعدد طرق سے منقول ہونے کیوجہ سے فضائل اعمال میں اس سے استدلال درست ہے اور وہ حدیث علی حالہ ضعیف ہی رہے گی حضرات محدثینؒ کے قول "ان لحوق الضعیف بالضعیف لا یفید قوۃً" کا یہی مطلب ہے یعنی یہ قول مطلق نہیں ہے بلکہ جو احادیث شریفہ متروک و منکر ہیں وہ کثرت طرق سے دائرہ ضعیف سے خارج نہیں ہوں گی۔[1]

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فصل

صحیح بخاری کی فوقیت اور احادیث صحیحہ کے درجات کا بیان

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سے کون فائق ہے؟

اس سلسلہ میں محدث دہلویؒ نے شرح سفر السعادۃ میں چار اقوال لکھے ہیں:

(۱) بخاری شریف کی ترجیح مسلم شریف پر

(۲) مسلم شریف کی ترجیح بخاری شریف پر

(۳) دونوں کتابوں میں مساوات و یکسانیت

(۴) توقف

لیکن محدث دہلویؒ نے مقدمہ مشکوۃ میں صرف اول الذکر دو اقوال ذکر کرنے کے بعد پہلے قول کو ترجیح دی ہے اور دوسرے قول کی صحیح توجیہ و تاویل پیش کی ہے۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) لے علامہ ابن حجر نے ضعیف روایت کے ضعف کو ختم کرنے کے سلسلہ میں ایک ضابطہ ذکر کیا ہے، ابن الصلاح وغیرہ نے اس کو ذکر نہیں کیا ہے، کہ متابع اور شاہد سے حدیث ضعیف کا ضعف اس وقت ختم ہوگا، جب یا تو متابع مقبول ہو یا قبول اور رد دونوں جانب اس میں برابر ہوں لیکن اگر متابع میں جانب رد غالب ہے تو اس کے ذریعہ ضعیف کا ضعف ختم نہیں ہوسکتا۔ (تعلیقات ارشاد: ۱/۱۴۸)

حافظ سخاوی نے ذکر کیا ہے کہ متابع اور شاہد کے لئے نیز اصل کے لئے ثقہ اور ہم پلہ ہونا ہی ضروری نہیں ہے، بلکہ بعض مرتبہ ضعیف بھی متابع ہوتا ہے اور وہی متابع ہوتا ہے، لیکن دونوں کے ملنے سے کچھ قوت پیدا ہوجاتی ہے۔ نیز کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص ضعیف ہے اس کی روایت ایک راوی کے سلسلہ میں قابل اعتبار نہیں مگر دوسرے راوی کے سلسلہ میں اس کی روایت مؤید ہوجاتی ہے۔ (تعلیقات ارشاد: ۱/۲۲۴)

صحیح بخاری کی صحیح مسلم پر ترجیح کی وجوہات

(۱) امام بخاریؒ نے اپنی کتاب "الجامع الصحیح" میں اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ جن رواۃ سے وہ حدیث نقل کرتے ہیں ان میں راوی اور مروی عنہ کے درمیان ملاقات کی شرط لگاتے ہیں جب کہ امام مسلمؒ کے نزدیک صرف معاصرت کافی ہے۔ ملاقات شرط نہیں ہے تو گویا از روئے اتصال سند کے امام بخاری کی شرط سخت ہے۔

(۲) امام بخاریؒ کا درجہ فن حدیث میں امام مسلمؒ سے فائق ہے[۱]۔ اور اس پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ نیز امام مسلمؒ امام بخاریؒ کے شاگرد اور فیض یافتہ ہیں۔

(۳) صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی جن احادیث پر ائمہ جرح وتعدیل نے نقد اور اعتراض کیا ہے ان کی مجموعی تعداد دو سو دس (۲۱۰) ہے جن میں سے صرف بتیس (۳۲) احادیث وہ ہیں جن میں دونوں ائمہ حدیث متفق ہیں اور صرف بخاری شریف کی تنقید شدہ احادیث (۷۸) ہیں اور مسلم شریف کی تنقید شدہ احادیث کی تعداد ایک سو ہے گویا کہ امام مسلم کی احادیث تنقید شدہ زیادہ ہیں اور بخاری شریف کی کم ہیں۔

(۴) تنہا امام بخاریؒ نے جن رواۃ سے حدیث کی تخریج کی ہے ان کی تعداد چار سو چونتیس ہے جن میں سے متکلم فیہ رواۃ صرف اسی (۸۰) ہیں اور تنہا امام مسلمؒ نے جن رواۃ سے احادیث کی تخریج کی ہے ان کی تعداد چھ سو بیس (۶۲۰) ہے، ان میں سے متکلم فیہ رواۃ ایک سو ساٹھ ہیں گویا مسلم شریف کے متکلم فیہ رواۃ زیادہ ہیں۔

(۵) امام بخاریؒ کے متکلم فیہ رواۃ اکثر امام بخاریؒ کے بلاواسطہ اساتذہ ہیں جن کے

---

[۱] کما فی نخبة الفكر هذا بعد اتفاق العلماء على ان البخاري كان اجل من مسلم في العلوم واعرف من بضاعة الحديث وان مسلما تلميذه وخريجه. ص: ۳۰.

حالات اور ان سے روایت کردہ احادیث کی حیثیت سے وہ خوب واقف ہیں لیکن امام مسلمؒ کے متکلم فیہ رواۃ انکے بلا واسطہ اساتذہ وشیوخ نہیں ہیں بلکہ انکے اوپر کے درجہ کے شیوخ ہیں جن کے حالات اور مقام سے امام مسلمؒ کی اس درجہ کی واقفیت نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ محدث کی وہ روایات جن کی حیثیت کو وہ پہچانتا ہو دوسری احادیث سے مقدم ہونگی اسوجہ سے امام بخاری کی صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر فوقیت حاصل ہے۔ (شرح نخبہ: ۳۰ ،مقدمہ فتح الملہم: ۹۷)

صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر ترجیح کا مسئلہ اور اس کی توجیہ

بعض علماء مغرب (علماء اندلس و اسپین وغیرہ) کہتے ہیں کہ صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر تفوق اور برتری حاصل ہے۔

جمہور محدثینؒ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ صحیح مسلم کی صحیح بخاری پر فوقیت اور فضیلت بیان اور ترتیب کی عمدگی اور اسانید میں دقیق اشارات اور عمدہ نکات کی رعایت کے اعتبار سے ہے حالانکہ زیر بحث یہ مسئلہ نہیں ہے لیکن صحت وقوت کے اعتبار سے صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر فوقیت اور فضیلت حاصل ہے ایک عربی شاعر کہتا ہے:

تَنَازَعَ قَوْمٌ فِی الْبُخَارِیْ وَمُسْلِم   لَدَیَّ فَقَالُوْا اَیُّ ذَیْنِ یُقَدَّمُ

فَقُلْتُ لَقَدْ فَاقَ الْبُخَارِی صِحَّۃً   کَمَا فَاقَ فِی حُسْنِ الصَّنَاعَۃِ مُسْلِمٌ

متفق علیہ کی تعریف: متفق علیہ وہ حدیث کہلاتی ہے کہ جس کی تخریج پر امام بخاری اور امام مسلم دونوں متفق ہوں بشرطیکہ وہ ایک ہی صحابی سے مروی ہو۔

متفق علیہ احادیث کی تعداد: محدث دہلوی کی تحقیق کے مطابق متفق علیہ احادیث کی تعداد دو ہزار تین سو چھبیس ہے لیکن بعض حضرات نے متفق علیہ احادیث کی

تعداد ایک ہزار نو سو چھ (۱۹۰۶) بیان فرمائی ہے، اور اس کو قول محقق قرار دیا ہے، واللہ اعلم۔

احادیث صحیحہ کے درجات

(۱) متفق علیہ احادیث کا درجہ سب سے مقدم ہے۔

(۲) پھر صحیح بخاری کی منفرد روایات کا درجہ ہے۔

(۳) پھر صحیح مسلم کی منفرد روایات کا درجہ ہے۔

(۴) پھر ان احادیث کا درجہ ہے جو بخاری و مسلم کی شرط پر ہوں۔

(۵) پھر وہ روایات جو صرف بخاری کی شرط پر ہوں۔

(۶) پھر وہ روایات جو صرف مسلم کی شرط پر ہوں۔

(۷) پھر وہ روایات ہیں جنہیں بخاری و مسلم کے علاوہ صحت کا التزام کرنے والے دیگر ائمہ حدیث نے روایت کیا ہو اور ان کی صحت کی صراحت کی ہو۔

اس ترتیب کے اعتبار سے احادیث صحیحہ کی سات قسمیں ہوئیں۔

فائدہ: امام بخاری و مسلم کے علاوہ دیگر ائمہ حدیث مثلاً ابن خزیمہ، ابن حبان، امام حاکم، ابن جارود، ضیاء الدین مقدسی وغیرہ نے بھی صحت کی شرط والتزام کے ساتھ صحیح احادیث کو اپنی اپنی کتابوں میں جمع کیا ہے اور اپنے علم و دانست کے مطابق صحیح احادیث نقل کی ہیں۔ ایسی کتابوں کو صحاح مجردہ کہا جاتا ہے اور باعتبار صحت یہ طبقہ ادنیٰ کی کتابیں ہیں۔

کیا کتب صحاح مجردہ میں کسی حدیث کا آنا صحت کے لئے کافی ہے

اس سلسلہ میں دو قول ہیں:

(۱) حافظ ابن صلاح کی رائے یہ ہے: مستدرک حاکم کے علاوہ کتب صحاح مجردہ میں کسی حدیث کی تخریج ہی صحت کے لئے کافی ہے ائمہ حدیث کی جانب سے صحت کی تصریح ضروری نہیں ہے جبکہ دوسرے طبقہ کی کتابوں کے بارے میں یہ قید ہے کہ حدیث کے صحیح ہونے کے لئے ان کے مصنفین کی جانب سے صحت کی صراحت ضروری ہے صرف ان کتب میں حدیث کا آجانا صحت کے لئے کافی نہیں ہے۔

(۲) محدث دہلوی کی رائے یہ ہے کہ صحاح مجردہ میں کسی حدیث کا آنا صحت کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ صاحب کتاب کی جانب سے تصحیح کی صراحت ضروری ہے چونکہ صحیحین کے علاوہ دیگر صحاح مجردہ کم وبیش ضعیف احادیث سے خالی نہیں ہیں اس لئے محدث دہلوی کے قول میں بمقابلہ ابن صلاح کے احتیاط کا پہلو زیادہ ہے۔

شرط بخاری ومسلم کی مراد

شرط بخاری ومسلم کی مراد اور مصداق کے بارے میں دو قول ہیں:

(۱) بعض محدثین کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد وہ صفات ہیں جن کو ان دونوں حضرات نے خاص کیفیت کے ساتھ اسناد کے رجال میں ملحوظ رکھا اور ان کا التزام کیا ہے جیسے کمال ضبط وعدالت، عدم شذوذ ونکارت وغیرہ۔

پس جو حدیث بخاری ومسلم دونوں کی سند کے مانند صحت میں ہوگی اسے صحیح علی شرط الشیخین اور جو حدیث صرف بخاری کی سند کے مانند صحت میں ہوگی اسے صحیح علی شرط البخاری اور جو حدیث صرف مسلم کی سند کے مانند صحت میں ہوگی اسے صحیح علی شرط مسلم کہا جائے گا۔

(۲) حافظ سخاویؒ نے امام نووی، محقق ابن دقیق العید وغیرہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ

شرط بخاری ومسلم سے مراد ان کی صحیحین کی اسانید کے رجال ہیں تو جس حدیث کی سند میں صحیحین کے رجال ہوں گے اسے صحیح علی شرط الشیخین اور جس کی سند ان میں سے کسی ایک رجال پر مشتمل ہوگی اسے صحیح علی شرط البخاری یا صحیح علی شرط مسلم کہا جائیگا۔

وضاحت: شرط بخاری ومسلم کے یہ دوسرے معنی سب سے پہلے حافظ ابن صلاح نے اپنی کتاب علوم الحدیث کے مقدمہ میں بیان کئے ہیں پھر بعد کے علماء نے انہی کی پیروی کی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے شرح نخبہ میں اور حافظ سخاوی نے فتح المغیث شرح الفیہ میں یہی معنی مراد لئے ہیں۔ نیز امام حاکم صاحب مستدرک نے بھی یہی معنی مراد لئے ہیں چنانچہ وہ اس حدیث کے بارے میں (جو صحیح بخاری ومسلم یا ان میں سے کسی ایک کے رواۃ پر مشتمل ہوتی ہے صحیح علی شرطھما یا علی شرط احدھما فرماتے ہیں اور اگر کسی کی مکمل سند میں یا سند کے کسی طبقہ میں صحیح بخاری یا صحیح مسلم کے رواۃ نہیں ہوتے تو اس وقت صحیح الاسناد کہتے ہیں۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

شرط بخاری ومسلم کے دوسرے معنی کے لحاظ سے یہ اشکال ہوتا ہے کہ صحیحین کے علاوہ دیگر کتب حدیث کی جو روایت صحیح علی شرط الشیخین ہو وہ امام بخاری وامام مسلم کی تنہا تنہا روایت کردہ احادیث بلکہ متفق علیہ روایت سے درجہ میں کم نہ ہو کیوں کہ جب خاص انہی رجال سے مروی ہے تو درجہ میں انہی کی حدیث کے مانند ہوگی۔ البتہ اگر شرط بخاری ومسلم میں ان کے رجال کی صفات کا لحاظ کیا جائے تو اس صورت میں اس حدیث کا درجہ بخاری ومسلم کی احادیث سے کم مانا جا سکتا ہے کیوں کہ دیگر ائمہ حدیث کی تحقیق وتمیز حضرات شیخین کی تحقیق کے ہم پلہ نہیں ہو سکتی اس لئے ممکن ہے کہ ان کو اشتباہ ہو گیا ہو اور کم درجہ کی صفات کو شیخین کی لحاظ کردہ

صفات کے مساوی سمجھ لیا ہو لیکن جب سند میں بعینہٖ صحیحین کے رواۃ ہوں تو پھر دونوں قسم کی احادیث میں تفاوت غیر معقول اور بے معنی ہے۔

حافظ سخاویؒ نے اس کا جواب دیا ہے کہ شیخین کی روایات کو علماء کی تلقی بالقبول حاصل ہے اس وجہ سے ان کی روایات کا درجہ انہی رجال سے مروی دیگر احادیث سے راجح اور فائق ہوگا یعنی دوسری کتابوں کی احادیث اگر چہ بعینہٖ بخاری ومسلم کے رجال پر مشتمل ہوں لیکن تلقی بالقبول نہ ہونے کی وجہ سے صحیحین کے ہم رتبہ نہیں ہوسکتی۔

اس پر اشکال یہ ہے کہ تلقی بالقبول صحیحین کے مجموعہ کو حاصل ہے الگ الگ ہر ہر حدیث کو یہ تلقی حاصل نہیں ہے اس لئے اشکال اول علی حالہ قائم ہے۔ اس وجہ سے شرط بخاری ومسلم سے پہلے معنی مراد لینا ہی افضل ہے۔

رواۃ حدیث کے طبقات

(۱) کثیر الضبط والاتقان وکثیر الملازمۃ جیسے امام مالک اور سفیان بن عیینہ۔

(۲) کثیر الضبط والاتقان وقلیل الملازمۃ جیسے لیث اور ابن ابی ذئب۔

(۳) قلیل الضبط وکثیر الملازمۃ جیسے سفیان بن حسین۔

(۴) قلیل الضبط وقلیل الملازمۃ۔

(۵) ضعفاء اور مجہول رواۃ۔

بخاری شریف میں اصالۃً طبقہ اولی کی روایات ہیں اور گاہے گاہے دوسرے طبقہ کی روایات بھی ضمناً قبول کر لیتے ہیں۔ مسلم شریف میں اصالۃً طبقہ اولی اور ثانیہ کی روایات ہیں اور ضمنی طور سے احیاناً تیسرے طبقہ کی روایات بھی لی ہیں امام نسائی اور امام ابو داؤد طبقہ اولی،

ثانیہ، ثالثہ، کی روایات قبول کرتے ہیں۔ امام ترمذی طبقہ رابعہ کی بھی روایات قبول کرتے ہیں اسی وجہ سے صحاح ستہ میں اول بخاری شریف پھر مسلم شریف، پھر نسائی شریف، ابوداؤد شریف پھر ترمذی شریف کا درجہ ہے اور آخر میں ابن ماجہ کا درجہ ہے۔

محاسن النکات: صحیح مسلم شریف کو اگر غور وخوض سے پڑھا جائے تو نکات عجیبہ کا انکشاف ہوگا مثلاً کوئی سند خراسانی ہے اس کے سارے رواۃ علماء خراسان ہیں کوئی سند کوفی ہے اس کے سارے رواۃ کوفہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی طرح کسی حدیث کو تابعی تابعی سے روایت کرتا ہے اور یہ بکثرت ہے اور کسی حدیث میں تین تابعی اور کسی میں چار تابعی ہیں اور بعض بعض سے روایت کرتے ہیں۔

کیا احادیث صحیحہ صحیحین میں منحصر ہیں

احادیث صحیحہ کا انحصار صحیحین میں نہیں ہے اور صحیحین کے مصنف امام بخاری وامام مسلم نے تمام احادیث صحیحہ کا استیعاب نہیں کیا ہے امام بخاری وامام مسلم کے نزدیک جو احادیث صحیحہ تھیں یا ان کی شرط کے مطابق تھیں ان کو بھی ان حضرات نے مکمل بیان نہیں کیا ہے دوسرے ائمہ حدیث کے نزدیک صحیح احادیث کو اپنی کتاب میں ذکر کرنا تو دور کی بات ہے۔ البتہ اتنی بات محقق اور طے ہے کہ صحیحین میں جو احادیث ہیں وہ سب صحیح ہیں۔

احادیث صحیحہ کے صحیحین میں منحصر نہ ہونے کی دلیل

اپنے اس دعوی پر محدث دہلوی نے تین دلائل بیان فرمائے ہیں:

(۱) امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب الجامع الصحیح میں صرف صحیح

احادیث بیان کی ہیں[1]۔ اور بہت سی صحیح احادیث کو میں نے چھوڑ دیا ہے، کتاب کے طویل ہونے اور دوسری وجوہ کی بناء پر۔

(۲) امام مسلم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں جو روایات بیان کی ہیں وہ سب صحیح ہیں اور میرا یہ دعویٰ نہیں کہ جو روایات میں نے چھوڑی ہیں وہ ضعیف ہیں بلکہ صحیح احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ میں نے چھوڑ دیا ہے۔

(۳) امام حاکم ابو عبد اللہ نیشاپوری نے ایک کتاب تالیف فرمائی ہے جس کا نام "**مستدرک علی الصحیحین**" ہے اس کتاب میں وہ احادیث جمع فرمائی ہیں جو بخاری ومسلم یا ان میں سے کسی ایک شرط کے مطابق صحیح ہیں لیکن بخاری ومسلم میں وہ احادیث موجود نہیں ہیں اور فرماتے ہیں کہ امام بخاری ومسلم نے یہ فیصلہ نہیں فرمایا ہے کہ صحیحین کی روایات کے علاوہ روایات صحیحہ کا وجود نہیں ہے۔

امام بخاری وامام مسلم کا اعتراف اور امام حاکم کا صحیح احادیث کو جمع کرنا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ احادیث صحیحہ صحیحین میں منحصر نہیں ہے۔

حاکم: اس کو کہتے ہیں جسے حدیث کے لاکھوں لاکھ طرق محفوظ ہوں۔

حجۃ: اسے کہیں گے جسے تین لاکھ طرق معلوم ہوں۔

حافظ: اسے کہتے ہیں جسے حدیث کے ایک لاکھ طرق یاد ہوں[2]۔

---

[1] ابن الصلاح نے فرمایا ہے بخاریؒ کی اس قول سے مراد مقاصد الکتاب و موضعہ ومتون الابواب دون التراجم وغیرھا ہے۔(تعلیقات ارشاد: ١/١٣٠)

[2] حافظ، حجت، حاکم، کی اس طرح کی تعریفات نزہۃ النظر صفحہ:٣٠ ر پر حاشیہ نمبر:٢ ر میں شرح الشرح کے حوالہ سے منقول ہیں۔

حافظ: جس کا علم ایک لاکھ احادیث کو محیط ہو۔

حجت: جس کا علم تین لاکھ احادیث کو محیط ہو۔

حاکم: جس کا علم تمام احادیث مرویہ کو محیط ہو۔ متناً اسناداً جرحاً وتعدیلاً اور تاریخاً۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مبتدعین کا اعتراض اور اس کا جواب

اہل بدعت کا یہ اعتراض ہے کہ احادیث صحیحہ کی تعداد دس ہزار سے زائد نہیں ہے جو ایک بڑی خامی ہے۔ لیکن امام حاکم کی مستدرک سے یہ اعتراض دور ہوگیا اور انہوں نے یہ بتلا دیا کہ اس اعتراض کی بنیاد ہی غلط ہے کہ احادیث صحیحہ صرف صحیحین میں منحصر ہیں بلکہ صحیحین کے علاوہ دوسری کتابوں میں بھی احادیث صحیحہ ہیں۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک لاکھ صحیح احادیث اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث یاد ہیں اور ظاہر ہے کہ صحیح حدیث سے امام بخاری کی مراد وہ صحیح احادیث ہیں جو امام بخاری کی شرط کے مطابق صحیح ہوں۔

صحیحین کی احادیث کی تعداد

محدث دہلوی نے حافظ ابن صلاح کی اتباع میں صحیح بخاری کی جملہ مرویات کی تعداد

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) لیکن اولاً تو حاکم کا یہ حکم خصوصاً متقدمین اور متاخرین میں سے کسی پر لگ نہیں سکتا۔ کیونکہ ایسا شخص بظاہر معدوم الوجود ہے، نیز محققین علماء نے اس سلسلہ میں مختلف آراء ذکر کی ہیں جن کو مقدمہ تدریب الراوی میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، اور خلاصہ یہ ہے کہ حافظ وغیرہ کے القاب زمانہ وغیرہ کے تغیر سے بدلتے ہیں اور مختلف ازمنہ میں مختلف صفات کے ساتھ متصف اشخاص کو حافظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

نیز ہمارے دیار کے علماء عموماً (حافظ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ صاحب مستدرک کو جو حاکم کہا جاتا ہے) یہ سمجھتے ہیں کہ ان کو تمام احادیث مع سند و متن جرح و تعدیل اور تاریخ کے یاد تھیں اس لئے ان کو حاکم کہا گیا۔

حالانکہ یہ بات خلاف واقعہ ہے کیونکہ ان کے اساتذہ میں بھی ایک ابو احمد حاکم ہیں ان کو کوئی اس درجہ کا نہیں کہتا، اور اصل بات یہ ہے کہ ان کو حاکم کہا جاتا ہے، بنابریں کہ ان کو قاضی بنایا گیا ہے، یہی ذکر کیا ہے، علامہ ابن خلکان نے وفیات الاعیان: ۴/۲۸۰ بقولہ وانما عرف بالحاکم لتقلده القضاء رحمۃ اللہ علیہ۔

نیز کسی نے بھی محققین میں سے ہم نے یہ نہیں پایا کہ ان کو حاکم مذکورہ تعریف کی بناء پر کہا جاتا ہے۔

مع تکرار سات ہزار دو سو پچھتر (۷۲۷۵) اور بحذف تکرار چار ہزار (۴۰۰۰) بتلائی ہے۔

لیکن علامہ ابن حجرؒ نے مکمل تحقیق وتفتیش کے بعد صحیح بخاری کی جملہ مرویات کی تعداد موقوفات اور مقطوعات کے علاوہ معلقات ومتابعات کو ملا کر مع تکرار نو ہزار بیاسی (۹۰۸۲) اور بحذف تکرار دو ہزار سات سو اکسٹھ (۲۷۶۱) شمار کی ہے اور اس تعداد پر اعتماد کیا جاتا ہے اور صحیح مسلم کی کل احادیث مع تکرار دس ہزار کے قریب ہیں اور بحذف تکرار تین ہزار تیس یا تین ہزار تینتیس ہیں۔

صحاح ستہ میں ترتیب

کتب ستہ جو مشہور ہیں اسلام میں مانی ہوئی ہیں۔انہیں صحاح ستہ کہا جاتا ہے۔

مراتب کے اعتبار سے صحاح ستہ میں ترتیب اس طرح ہے: صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن نسائی، سنن ابوداؤد، سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ۔

هذه الكتب الاربعة: یعنی سنن ابوداؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ میں صحاح، حسان، ضعاف ہر قسم کی احادیث مذکور ہیں اس پر سوال یہ ہے کہ پھر ان کتب کا صحاح ستہ نام رکھنا کس طرح صحیح ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ دیا ہے کہ تغلیباً صحاح ستہ نام رکھا گیا ہے یعنی صحاح کو غیر صحاح پر غلبہ دے کر چاروں کتابوں کا نام صحاح رکھا گیا ہے۔ جیسے ابوین والدین کے لئے، قمرین شمس وقمر کے لئے عمرین ابوبکر وعمر کے لئے بولا جاتا ہے۔اور بعض کے نزدیک ابن ماجہ کی جگہ موطا ہے، صاحب جامع الاصول علامہ ابن الأثیر نے بھی صحاح ستہ میں موطا ہی کو شامل کیا ہے، بعضوں نے کہا ہے کتاب دارمی زیادہ لائق ہے کہ اس کو چھٹی کتاب قرار دیا جائے، ابن ماجہ اور موطا سے چونکہ کتاب دارمی میں بڑی عالی سندیں ہیں، اور اس میں بخاری سے بھی زیادہ ثلاثیات ہیں، نیز اس کے رجال بہت کم ضعف والے اور

احادیث منکرہ اور شاذ اس میں نادر الوجود ہیں۔

ثلاثی: وہ حدیث ہے جس میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک سند میں تین واسطے ہوں۔

امام بغوی کی اصطلاح اور اس پر اعتراض

محی السنۃ امام بغویؒ نے اپنی مشہور کتاب مصابیح السنۃ میں ہر باب کے تحت صحیحین اور سنن اربعہ کی احادیث درج فرمائی ہیں اور صحیحین کی روایات کو صحاح اور غیر صحیحین کی روایات کو حسان سے تعبیر کرتے ہیں ظاہر ہے کہ حسان کی تعبیر اصطلاحی نہیں ہے کیوں کہ صحیحین کے علاوہ دیگر کتب کی تمام احادیث حسن نہیں ہیں بلکہ ان میں ہر قسم کی احادیث ہیں اب سوال یہ ہے کہ امام بغوی کی مراد کیا ہے؟ شیخ محدث دہلویؒ نے اس کے تین جوابات دیئے ہیں:

(۱) پہلا جواب هو قريب من هذا الوجه سے دیا ہے، یعنی غیر صحیحین کی روایات کا حسان نام رکھنا تغلیب کے طور پر ہے چونکہ سنن اربعہ اور اس درجہ سے قریب کتب میں حسن درجہ کی روایت کثیر تعداد میں پائی جاتی ہیں اس لئے اس کو غلبہ دے کر مطلقاً تمام ہی روایات کو حسن کہہ دیا ہے گویا یہ تسمیہ الجزء باسم الکل کے قبیل سے ہے۔ احتمال کی حد تک یہ جواب درست ہے۔

(۲) دوسرا جواب قريب من المعنى اللغوى سے دیا ہے۔ یعنی تمام روایات کا مطلقاً حسان نام رکھنا معنی لغوی کے اعتبار سے ہے۔ لیکن یہ جواب غلط ہے اس لئے کہ محدثین رجال سند کی صفات کے اعتبار سے کسی حدیث کو صحیح، حسن وغیرہ کہتے ہیں الفاظ حدیث کے حسن اور خوبصورتی کے لحاظ سے یہ حکم نہیں لگاتے ہیں خود محدث دہلوی امام ترمذی کے قول هذا

حدیث حسن کی بحث میں بعید جدا کہہ کر اس جواب کو رد کر چکے ہیں۔

(۳) تیسرا جواب أو هو اصطلاح جديد منه سے دیا ہے یعنی امام بغوی کی یہ جدید اصطلاح ہے۔ یہی تیسرا جواب صحیح اور محقق ہے لانه لا مناقشة في الاصطلاح.

تعریفات

ذیل میں اجمالی نقشہ درج کیا جا رہا ہے۔ جو بسہولت یاد کیا جا سکتا ہے۔

حدیث: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وتقریر کا نام حدیث ہے۔ اور اسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے قول وفعل وتقریر کا نام اسی طرح تابعی کے قول وفعل وتقریر کا نام حدیث ہے۔

حدیث مرفوع: وہ حدیث ہے جس کی سند حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچتی ہو۔

موقوف: وہ حدیث ہے جس کی سند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تک پہونچتی ہو۔

مقطوع: وہ حدیث ہے جس کی سند تابعی تک پہونچتی ہو۔

اثر: حدیث مقطوع کا نام اثر ہے، اور اثر کبھی مرفوعات وموقوفات پر بولا جاتا ہے۔

محدث: جو شخص سنت واحادیث کے ساتھ مشغول ہو۔

اخباری: جو تواریخ وغیرہ کی خبر اور تواریخ میں مشغول ہو۔

سند: طریق حدیث، یعنی وہ رجال جو اس حدیث کو روایت کریں۔

متن: جہاں جا کر اسناد ختم ہو جائے وہی متن ہے۔

متصل: وہ حدیث جس کی سند میں سے کوئی راوی نہ گرا ہو۔

منقطع (۱): جس کی سند میں سے کوئی راوی گر گیا ہو۔

منقطع (٢): جس حدیث کی اثناء سند سے ایک راوی یا چند جگہ سے چند راوی گر گئے ہوں۔

معلق: جس حدیث کی اول سند سے کوئی راوی گر گیا ہو۔

مرسل: جس حدیث میں آخر سند سے تابعی کے بعد کوئی راوی گر جائے یعنی صحابی کے نام کا ذکر نہ ہو[١]۔

حکم مرسل: جمہور کے نزدیک توقف ہے، چونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ ساقط ہونے والا راوی غیر ثقہ ہو، چونکہ بعض تابعی تابعی سے روایت کر دیتے ہیں، صحابہ میں تو غیر ثقہ کا احتمال ہی نہیں لیکن تابعین میں تو ثقہ اور غیر ثقہ دونوں ہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک مطلق مقبول ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک اگر مرسل کی دوسری روایتوں سے تائید ہو تو مقبول ہے، ورنہ غیر مقبول ہے۔

امام احمدؒ کی دو روایتیں ہیں: (١) مرسل ضعیف ہے، (٢) مرسل صحیح ہے، اور یہی راجح ہے۔

معضل: وہ حدیث جس کی سند سے ایک ہی جگہ سے دو راوی ساقط ہو جائیں۔

---

[١] امام بخاریؒ نے فرمایا کہ مرسل کے کچھ مراتب ہیں۔

(١) سب سے اعلیٰ مرتبہ: اس صحابی کی مرسل روایت ہے، جس کا سماع حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو۔

(٢) اس کے بعد: اس صحابی کی مرسل روایت جس کی صرف رؤیت ثابت ہو، سماع ثابت نہ ہو۔

(٣) اس کے بعد: مخضرمین کی مرسل روایت

(٤) اس کے بعد: متقن حضرات مثلاً سعید ابن المسیب وغیرہ کی مرسل روایت۔

(٥) اس کے بعد: متقن حضرات کے قریب قریب ان علماء کی روایات ہیں جو اپنے اساتذہ کی بہت چھان بین کر کے روایت کرتے ہیں جیسے شعبہ، مجاہد۔

(٦) اس کے بعد: ان لوگوں کی مراسل کا درجہ ہے جو کسی سے بھی روایت کر لیتے ہیں، جیسے حسن بصری۔

(تعلیقات ارشاد: ١/١٧٩)

مدلس: جس حدیث میں راوی نے مروی عنہ کا نام ذکر نہ کیا ہو[۱]

مضطرب: وہ حدیث جس کی سند یا متن میں راویوں کا اختلاف ہو۔ تقدیم وتاخیر یا دوسری وجوہِ مذکورہ کی وجہ سے۔

مدرج: جس حدیث کے متن واسناد میں راوی نے اپنے کلام کو یا کسی صحابی یا تابعی کے کلام کو کسی غرض کی وجہ سے داخل کیا ہو۔

عنعنہ: حدیث کو عن عن لاکر بیان کرنا۔

معنعن: جس حدیث کو عن عن سے بیان کیا گیا ہو۔

مسند: اصح قول پر حدیث مرفوع متصل کا نام ہے۔

شاذ: (۱) جس حدیث کا راوی ثقہ ہو اور مخالفت کرے اپنے سے زیادہ ثقہ لوگوں کی۔

شاذ: (۲) جس حدیث کا راوی ثقہ ہو اور اس حدیث کی اصل اور موافق کوئی حدیث نہ ہو۔

شاذ: (۳) جس حدیث کا راوی کوئی ایک رہ گیا ہو۔

مردود: وہ حدیث جس کا راوی غیر ثقہ ہو کر ثقہ لوگوں کی مخالفت کرے۔

محفوظ: وہ حدیث جس کا راوی ثقاہت میں اس سے بڑھا ہو جو اسکی مخالفت کرے۔

منکر: (۱) وہ حدیث جسکا راوی ضعیف ہونیکے باوجود ضعیف کی مخالفت کرے۔

منکر: (۲) وہ حدیث جس کے راوی کو فسق یا فرطِ غفلت، یا کثرتِ غلط کا طعنہ لگایا ہو۔

معروف: وہ حدیث جس کا راوی ضعیف ہو اور اضعف اس کی مخالفت کرے۔

---

[۱] مدلس اور معلق کے درمیان فرق یہ ہے کہ اگر صراحتاً یا استقراء وتتبع کے بعد یہ ثابت ہوجائے کہ استاذ کو ساقط کرنے والا مدلس ہے تو اس روایت کو مدلس قرار دیا جائیگا۔ اور اگر اس راوی کی تدلیس ثابت نہ ہو سکے تو اس کی روایت کو معلق قرار دیا جائیگا۔ (قاله الحافظ ابن حجرؒ، تعلیقات ارشاد: ۱/۱۹۸)

معلل: وہ حدیث جس میں کوئی بیماری ہو یا ایسا سبب غامض ہو جس کو ماہرِ فنِ حدیث ہی سمجھ سکتا ہے۔

متابع: وہ حدیث جس کی موافقت دوسری حدیث کرے اور ان دونوں حدیثوں کا مروی عنہ ایک ہو۔

شاھد: وہ حدیث جس کی موافقت دوسری حدیث کرتی ہو اور دونوں کا مروی عنہ ایک نہ ہو۔

اعتبار: متابع وشاہد پہچاننے کے لئے جستجو تلاش کرنا حدیث کی اسانید کی۔

صحیح: جس کے تمام راوی عادل ہوں، تام الضبط، ہوں، وہ حدیث متصل ہو، شاذ نہ ہو، منکر نہ ہو۔

صحیح لذاته: جس حدیث میں شرائط خمسہ علی وجہ الکمال پائے جائیں۔

صحیح لغیره: جس حدیث میں شرائط خمسہ پائے جائیں، لیکن کچھ نقصان ہو۔ اور نقصان کو دور کرنے والی شئی بھی اس میں موجود ہو۔

حسن لذاته: جس حدیث میں شرائط خمسہ ہوں اور کچھ نقصان بھی ہو (یعنی راوی تام الضبط نہ ہو) اور نقصان کو پورا کرنے والی شئی موجود نہ ہو۔

حسن لغیره: وہ حدیث ضعیف جو متعدد طرق سے آجائے۔

ضعیف: جس حدیث میں پورے شرائط خمسہ یا بعض مفقود ہوں۔

عدالت: وہ قوتِ راسخہ فی الذہن جو انسان کو تقوی ومروت کی طرف مجبور کرے۔

تقویٰ: کبائر سے اجتناب کرنا۔

مروة: ان کمینی باتوں سے احتراز کرنا جو انسانیت کے خلاف ہوں۔

ضبط: سنی ہوئی باتوں کا محفوظ رکھنا کہ جب چاہے اس کا استحضار کرسکے۔

04 Muqaddama

ضبط الصدر: دل میں کسی بات کو یاد کرلینا اور محفوظ رکھنا۔

ضبط الکتاب: کتاب لکھ کر محفوظ کرلینا، یہاں تک کہ دوسرے اسے محفوظ کرلیں۔

جرح عدالت: کذب، اتہام بالکذب، اتہام بالفسق، اتہام بالبدعۃ، اتہام بالجہالۃ۔

کذب: سے مراد حدیث میں کذب ثابت ہوگیا ہو یا تو واضع کے اقرار سے یا دوسرے قرائن سے۔

موضوع: جس کے راوی کا کسی حدیث میں کذب ثابت ہو۔

متروک: جس کا راوی متہم بالکذب ہو، یا وہ حدیث قواعد معلومہ ضروریہ فی الشرع کے مخالف ہو۔

اتہام بالکذب: یہ ہے کہ اس کا راوی آپس میں جھوٹا مشہور ہو، حدیث میں اس سے کذب ثابت نہ ہو۔

مبہم: جس کا راوی مجہول ہو۔

مبہم کا حکم: حدیث مبہم غیر مقبول ہے، اگر مجہول صحابی ہے تو مقبول ہے، یا کوئی امام حاذق کہے: ''اخبرنی عدل'' وغیرہ تو مقبول ہے۔

بدعت: کسی ایسی شئ کا اعتقاد جو طریق نبی وصحابی کے مخالف ہو اور یہ اعتقاد کسی شبہ یا کسی تاویل کی وجہ سے ہو۔

مبتدع کی حدیث کا حکم: جمہور کے نزدیک مردود، اصح قول پر اگر داعی الی البدعۃ اور بدعت کے لئے مروج ہو تو مردود ورنہ مقبول۔

جرح ضبط: فرط غفلت، کثرت غلط، مخالفۃ ثقات، وہم، سوءِ حفظ۔

سوءِ حفظ: یہ ہے کہ اسے اپنی مسموعات میں اکثر یاد نہ آتی ہوں۔

مختلط: جس کے راوی میں سوء حفظ پیدا ہو گیا ہو، اختلاط حافظہ کی وجہ سے۔

قبل الاختلاط کی حدیث مقبول، اور بعد الاختلاط کی حدیث مردود ہے، اگر شبہ ہے تو توقف ہوگا، اگر دوسری حدیث اس کی متابعت کرے یا شہادت دے تو مقبول ہے، ورنہ مردود ہے۔

غریب: جس کی سند میں ایک راوی رہ گیا ہو۔

عزیز: جس کی سند میں کہیں صرف دو راوی رہ گئے ہوں۔

مشہور: جس کی سند میں ہر جگہ دو سے اکثر راوی ہوں۔

متواتر: جس کی سند میں اسقدر راوی ہوں کہ عقل انکے اتفاق علی الکذب کو محال سمجھے۔

فرد نسبی: جس حدیث کی سند میں کسی ایک جگہ ایک راوی رہ گیا ہو۔

فرد مطلق: جس کی سند میں ہر جگہ ایک ہی راوی ہو۔

صحیح حدیثوں کی سات قسمیں ہیں

(١) شیخین نے اس کو بیان کیا ہو۔

(٢) صرف امام بخاریؒ نے بیان کیا ہو۔

(٣) صرف امام مسلمؒ نے بیان کیا ہو۔

(٤) شیخین کی شرطوں کے مطابق ہو۔

(٥) صرف امام بخاریؒ کی شروط کے مطابق ہو۔

(٦) صرف امام مسلمؒ کی شروط کے مطابق ہو۔

(٧) ان دونوں کے علاوہ ان لوگوں کی حدیث جنہوں نے صحیح حدیث لانے کا التزام کیا ہو۔

المستدرک : حاکم ابوعبداللہ نیشاپوری کی تصنیف شدہ کتاب جس میں انہوں نے ان صحیح حدیثوں کو ذکر کیا ہے، جن کو بخاریؒ و مسلمؒ نے چھوڑ دیا ہے[۱]۔

صحاح ستہ : صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع الترمذی، سنن ابی داوٗد، نسائی، سنن ابن ماجہ، ابن ماجہ کی جگہ بعضوں نے موٴطا کو کہا ہے۔

حسان : صحیحین کے علاوہ چار کتابیں: جامع الترمذی، سنن ابی داوٗد، نسائی، ابن ماجہ، یہ امام بغوی کی اصطلاح ہے۔

---

[۱] البتہ بعض وہ احادیث بھی اس میں آ گئی ہیں جو شیخین یا احد الشیخین نے روایت کی ہیں۔
(تعلیقات ارشاد: ۱۲۳/۱)

لیکن حاکمؒ تصحیح کے سلسلہ میں متساہل ہیں۔ (ضعیف روایت کی بھی تصحیح کر دیتے ہیں) لہذا ابن الصلاحؒ، نوویؒ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ اگر کسی روایت کی انہوں نے تصحیح کی ہے تو ہم اس وقت تک اس کو صحیح قرار نہیں دینگے، جب تک دوسرے معتبر علماء سے اس کی تصحیح ہمیں نہ مل جائے، اگر کسی روایت کے بارے میں ہمیں تصحیح یا تضعیف نہ ملے تو ہم اس کو حسن درجہ کی قرار دینگے، البتہ اگر کوئی علت ہوئی تو اس کو ضعیف قرار دینگے۔ (ارشاد طلاب الحقائق: ۱۲۴/۱)

لیکن اب علماء کے نزدیک دوسرے معتبر علماء کے کلام کو تلاش کریں تو بہت اچھا ہے ورنہ حافظ ذہبیؒ نے "التلخیص" میں ان کی روایات پر کلام کیا ہے، جو مطبوعہ مستدرک کے حاشیہ میں ہے، جس سے اس روایت کا درجہ متعین کرنا آسان ہے۔

اصول حدیث

المسمی بہ

منظوم نافع

حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ

از بیاض

حضرت اقدس فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

ترجمہ وتشریح

محمد فاروق غفرلہ

خادم جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی) ٢٤٥٢٠٦

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حمد وصلوۃ

پس از حمد پروردگار قدیم
تحیات وصلوت رب رحیم

پروردگار قدیم (حق تعالیٰ شانہ کی) کی حمد کے بعد، رب رحیم کی رحمتیں نوازشیں۔

برآں احمد وسید پاک باد
برآل وبر اصحاب یوم التناد

آنحضرت احمد وسید پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) پر، اور آپ کے آل واصحاب پر ہوں قیامت کے دن (یا قیامت کے دن تک)۔

تعریف حدیث

چوشوق حدیثت بود اے عزیز
بکن اصطلاحات آنرا تمیز

جب تجھکو حدیث کا شوق ہوا ے پیارے، تو اس کی اصطلاحات کو یاد کر۔

بنزد محدث حدیث آں بود
کہ گوید نبی یا کہ فعلے کند

محدث کے نزدیک حدیث وہ ہے، کہ نبی کہے یا کوئی فعل کرے۔

سویم آنچہ او دید وتقریر کرد
حدیث است درعرف ما نیک مرد

تیسرے وہ کہ کسی چیز کو دیکھ کر تقریر (سکوت) کیا ہو، ہمارے عرف میں حدیث ہے

ایک نیک مرد۔

(پس حدیث کی تین قسمیں ہوگئیں ۔(۱) قول نبی (۲) فعل نبی (۳) تقریر نبی)

ولیکن بنزدیک اہل اصول

حدیث است مختص بقول رسول

لیکن اہل اصول کے نزدیک، حدیث قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔

مگر سنت است عام ایں جملہ را[1]

بنزد فریقین بداں مصطفیٰ

مگر سنت ان تمام کو عام ہے، فریقین (محدثین اور اہل اصول) کے نزدیک اس کو جان لے اے مصطفیٰ برگزیدہ۔

یعنی حدیث کے اندر تو محدثین اور اہل اصول کا اختلاف ہے، کہ محدثین کے نزدیک حدیث، (۱) قول نبی، (۲) فعل نبی، (۳) تقریر نبی، تینوں کو کہتے ہیں اور اہل اصول کے نزدیک حدیث صرف قول نبی کے ساتھ مخصوص ہے کہ اہل اصول صرف قول نبی کو حدیث کہتے ہیں باقی دونوں (۱) فعل نبی (۲) تقریر نبی کو حدیث نہیں کہتے ہیں، مگر لفظ سنت میں فریقین کا کوئی اختلاف نہیں کہ فریقین کے نزدیک سنت قول نبی، فعل نبی، تقریر نبی، تینوں کو کہا جاتا ہے۔

ہمیں ہر سہ از صحب وز تابعان

حدیث است بر قول بعضے بداں

صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہما اللہ علیہ کی یہ تینوں چیزیں بھی، بعض کے قول کے مطابق حدیث ہے جان لے۔

---

[1] ایک نسخہ میں مذکورہ شعر کے بجائے یہ شعر ہے۔

مگر عام شد سنت ایں جملہ را

بنزد فریقین اے باوفا

مگر سنت ان تمام کو عام ہے، فریقین کے نزدیک اے باوفا۔

ولے بعضے ایں را اثر گفتہ اند
بہ ایں مصطلح ہم کساں رفتہ اند

اور لیکن بعض نے اس کو اثر کہا ہے، اس اصطلاح پر بھی لوگ گئے ہیں۔

پس اقسام نوشد احادیث را
بریں قول دومیں کہ گفتم ترا

پس احادیث کی نو قسمیں ہوگئیں، اس دوسرے قول کے مطابق جو میں نے تجھ سے کہا۔

یعنی اہل اصول کے نزدیک تو حدیث صرف قول نبی کے ساتھ خاص ہے۔

اور محدثین کے نزدیک بعض کے نزدیک، نبی کے قول، فعل، تقریر، کو حدیث کہتے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک صحابی، تابعی، کے قول، فعل تقریر کو بھی حدیث کہتے ہیں۔ اس دوسرے قول کے مطابق حدیث کی نو قسمیں ہوگئیں۔ (۱) قول نبی، (۲) فعل نبی، (۳) تقریر نبی، (۴) قول صحابی، (۵) فعل صحابی، (۶) تقریر صحابی، (۷) قول تابعی، (۸) فعل تابعی، (۹) تقریر تابعی۔

اقسام حدیث مرفوع وموقوف وغیرہ
باعتبار ایصال حدیث بہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

حدیث کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچانے کے اعتبار سے حدیث کی مرفوع وموقوف وغیرہ کی قسمیں۔

بداں ہر چہ شد منتہی تا نبی
بود نام مرفوعش اے مبتدی

جان لے جو حدیث نبی تک پہنچی ہوئی ہو، اس کا نام مرفوع ہے اے مبتدی[1]!۔

[1] مبتدی شروع کرنے والا۔

بود رفع دو قسم اے پرخرد

صریح دگر آنچہ لازم شود

رفع کی دو قسمیں ہیں اے عقلمند، (١) صریح، (٢) دوسرے وہ کہ جو لازم ہو۔

اگر فعل وتقریر یا قول را

رسانید اوتا نبی الوری

اگر فعل یا تقریر یا قول کو، اس نے نبی الوری (صلی اللہ علیہ وسلم) تک پہنچایا ہے۔

ورا نام مرفوع گفتن تواں

وگر تا صحابی است موقوف خواں

اس کا نام مرفوع کہہ سکتے ہیں، اور اگر صحابی تک (پہنچایا) ہے اس کو موقوف کہہ۔

رسانید اگر او بر تابعی

بود نام مقطوعش اگر تو بشنوی

اگر تابعی تک اس نے پہنچایا ہے، اس کا نام مقطوع ہے اگر تو سنے۔

الحاصل قول، فعل، تقریر، کی نسبت اگر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک ہو اس کو مرفوع کہتے ہیں، اور اگر صحابی تک نسبت ہو اس کو موقوف کہتے ہیں اور اگر تابعی تک نسبت ہو اس کو مقطوع کہتے ہیں۔

تقریر: حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی نے کوئی بات کہی ہو یا کسی نے کوئی کام کیا ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سکوت فرمایا ہو انکار نہ فرمایا ہو اس کو تقریر کہتے ہیں چونکہ نبی خلاف شرع چیز پر سکوت نہیں کرسکتا۔

تقسیم حدیث باعتبار سند

(حدیث کی تقسیم سند کے اعتبار سے)

سند شد عبارت زجملہ روات
بکن یاد ایں راتو اے خوش صفات

سند عبارت ہے جملہ روات سے، اے خوش صفات تو اس کو یاد کرلے۔

نہ کردہ چو حذف از سند او یکے
بود نام او متصل بیشکے

جب اس نے سند سے کسی ایک کو حذف نہ کیا ہو، بیشک اس کا نام متصل ہے۔

وگر حذف شد راوئے منقطع
بود نزد اہل حدیث استمع

اور کوئی راوی حذف ہو گیا ہو، اہل حدیث کے نزدیک اسکو منقطع کہتے ہیں سن لے۔

سند: حدیث کے روایت کرنے والوں کا نام سند ہے (جن راویوں کے واسطے سے نقل ہوتی ہوئی حدیث ہم تک پہونچی ہے ان کو سند کہتے ہیں۔)

متصل: اگر سند کے درمیان سے کوئی راوی حذف نہ ہو اس کو متصل کہتے ہیں۔

منقطع: اگر سند کے درمیان سے کوئی راوی حذف ہو اس کو منقطع کہتے ہیں۔

اقسام منقطع

پس از منقطع گشت اقسام چند
معلق و مرسل شنو ارجمند

پس منقطع کی چند اقسام ہو گئیں، (۱) معلق (۲) مرسل، سن اے عقلمند۔

معلق بود منقطع راویش
رود یک دو راوی ویا زائدش

معلق وہ ہے کہ اسکا راوی منقطع ہو، اسکا ایک یا دو یا اس سے زائد راوی جاتا رہے۔

دگر مرسل آں منقطع آمدہ
کہ از آخرش حذف راوی شدہ

دوسرے مرسل، وہ منقطع ہے، کہ اس کے آخر سے راوی حذف ہو گیا ہو۔

حکم مرسل

بنزد محدث بہ پیش فقیہ
توقف بود حکم او اے وجیہ

محدث کے نزدیک فقیہ کے سامنے، اس کا حکم توقف ہے اے وجیہ۔

کہ احوال ساقط چو معلوم نیست
بحکمش توقف نماؤ بایست

اس لئے کہ ساقط کے احوال جب معلوم نہیں، اس کے حکم پر توقف کر اور ٹھر جا۔

مگر آنکہ ساقط صحابی بود
ویا مرسل از اہل تقوی بود

مگر وہ کہ ساقط صحابی ہو، اور یا مرسل اہل تقوی سے ہو۔

ولے بوحنیفہ ومالک امام
نمایند مقبول مرسل مدام

اور لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، مرسل کو ہمیشہ مقبول مانتے ہیں۔

کہ راوی برو اعتمادے چوں داشت

بدیں وجہ اونام ویرا گذاشت

کہ راوی نے اس پر اعتماد کی وجہ سے ہی اس کے نام کو چھوڑا ہے۔

زاحمد دریں باب دو قول ہست

قبول وتوقف دو قول آمدہ است

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے اس باب میں دو قول ہیں قبول وتوقف دو قول آئے ہیں۔

برشافعی چونکہ مرسل شود

معاضد بہ دیگر قبولش بود

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب کوئی حدیث مرسل ہو، وہ اگر دوسری حدیث کے ساتھ معاضد ہو تو قبول ہوگی۔

توضیح

مرسل: سند کے آخر سے کوئی رہ گیا ہو اس کو مرسل کہتے ہیں۔

مرسل کا حکم محدثین وفقہاء کے نزدیک۔

محدثین وفقہاء کے نزدیک مرسل کا حکم توقف ہے۔

دلیل: جو راوی رہ گیا ہے جب اس کا علم نہیں تو اس کے احوال کا بھی علم نہیں اس لئے اس پر توقف کرنا چاہیئے۔

البتہ اگر ساقط (جو راوی سند سے رہ گیا ہے) صحابی ہو تو اس صورت میں وہ مقبول ہوگی چونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تمام کے تمام عادل ہیں اسی طرح مرسل (ارسال کرنے والا جس نے راوی کو ترک کردیا ہے) اہل تقوی میں سے ہو (اس کی عدالت وتقوی مشہور ہو) اس صورت میں بھی وہ حدیث مقبول ہوگی کہ کسی صحیح غرض کی بنا پر ہی اس نے راوی

کوترک کیا ہوگا اور اس کے نزدیک وہ ترک شدہ راوی غیر معتبر ہوتا تو اس کوترک ہی نہ کرتا یا اس حدیث کو ہی بیان نہ کرتا چونکہ یہ عدالت وتقوی کے خلاف ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مرسل ہمیشہ مقبول ہوتی ہے۔

دلیل: یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ راوی کو اس پر اعتماد تھا اس اعتماد کی وجہ سے ہی اس نے اس کوترک کیا ہے اگر اس پر اعتماد نہ ہوتا تو وہ اس کوترک ہی نہ کرتا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے دوقول ہیں۔قبول۔توقف۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر حدیث مرسل کی تائید وموافقت کسی دوسری حدیث سے ہوتی ہوتو اس کوقبول کرینگے ورنہ نہیں۔

معضل

چو ساقط بود چند کس پے بہم
بداں نام او **معضل** اے خوش رقم

اگر چند راوی پے در پے ساقط ہوجائیں، اس کا نام **معضل** ہے اے خوش رقم۔

منقطع

وگر چند راویست از چند جائے
بگو منقطع نام ایضا ورا

اگر چند راوی چند جگہوں سے ساقط ہوجائیں، اس کا نام بھی منقطع کہو۔

پس ایں منقطع قسم از اول است
عموم وخصوص اندریں ہردوہست

پس یہ منقطع اول منقطع ہی کی ایک قسم ہے، اس میں عموم وخصوص دونوں ہیں۔

یعنی منقطع عام یہی ہے جو ان تمام مذکورہ اقسام کوشامل ہے اور خاص طور پر اس قسم کو

بھی منقطع کہتے ہیں۔

مدلّس

دراں منقطع شد مدلس بداں

کہ راوی کند ترک استاذ ازاں

اس منقطع میں مدلس بھی ہے جان لے، کہ راوی اس سے اپنے استاذ کو ترک کردے۔

بطوریکہ وہم بود سمع را

زاستاد استاد او اولاً

اس طور پر کہ سننے والے کو وہم ہو، کہ وہ استاد کے استاد اول سے بیان کر رہا ہے۔

بود پیشہ مذموم تدلیس دوست

مگر چونکہ غرضے صحیح اندر واست

تدلیس برا پیشہ ہے اے دوست، مگر جب کہ اس میں کوئی صحیح غرض ہو۔

منقطع کے اقسام میں مدلس بھی ہے

مدلس: وہ حدیث ہے کہ راوی استاد کے بجائے استاد کے استاد سے بیان کرے اسطرح کہ سننے والے کو وہم ہو کہ وہی اسکا استاد ہے اور اسی (استاد کے استاد) سے اس نے سنا ہے۔ اس حدیث کو مُدلّس کہتے ہیں، اور ایسا کرنے والے کو مُدلِّس، کہتے ہیں اور اس عمل کو تدلیس، کہتے ہیں۔

حکم: تدلیس، مذموم ہے۔البتہ اگر کسی صحیح غرض کی وجہ سے ایسا کرے تو درست ہے۔

(مسند و متصل)

حدیثے کہ مرفوع شد باسند

گرآں تاپیمبر رسانیدہ شود

جو حدیث سند کے ساتھ مرفوع ہے، اگر اس کو پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا گیا ہو۔

ورانام شد مسند ومتصل
بقول جماہیرا ے اہل دل

اس کانام مسند ومتصل ہے، جمہور کے قول کے مطابق اے اہل دل۔

بقول دیگر متصل مطلقا
بود مسندش نام نے اختفا

دوسرے قول کے مطابق مطلقا متصل کانام مسند ہے اس میں کوئی پوشیدگی نہیں۔

مسند: وہ حدیث مرفوع جس کی سند نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) تک پہونچی ہوئی ہو۔اس کو جمہور کے نزدیک مسند ومتصل کہتے ہیں۔

دوسرے قول کے مطابق مطلقا حدیث متصل کو مسند، کہتے ہیں۔

بیان مضطرب وغیرہ

بہ متن حدیثے ویا در سند
زراوی خلل دربیاں می فتد

کسی حدیث کے متن یا سند میں، راوی کی طرف سے بیان میں کوئی خلل واقع ہوجائے۔

بتقدیم وتاخیرے ازراویاں
در الفاظ متن حدیث اے جواں

راویوں کی طرف سے کسی قسم کی تقدیم وتاخیر، متن حدیث کے الفاظ میں (واقع ہو) اے جوان۔

یعنی کوئی راوی متن حدیث کے الفاظ میں سے کسی لفظ کو مقدم نقل کرتا ہے کوئی مؤخر۔

بود مضطرب آں حدیث اے عزیز
ہمیں حکم متن است واسناد نیز

وہ حدیث مضطرب ہوتی ہے اے عزیز، یہی حکم متن کا ہے اور سند کا حکم بھی یہی ہے۔

یعنی الفاظ حدیث میں راویوں کی طرف سے تقدیم وتاخیر ہو یا سند کے اندر تقدیم وتاخیر ہو اس کو مضطرب کہتے ہیں۔

مدرج

وگر لفظ از راوی آمد مزید
بود مدرجش نام یار سعید

اور اگر کوئی لفظ راوی سے آئے زائد، اس کا نام مدرج ہے اے یار سعید۔

یعنی اصل حدیث میں تو وہ لفظ نہیں کسی راوی نے کوئی لفظ کسی لفظ کی وضاحت وغیرہ کی وجہ سے زائد کر دیا تو اس کو مدرج کہیں گے۔

معنعن

حدیث معنعن بر عالماں
بود آنکہ عن عن بگوئی دراں

حدیث معنعن علماء کے نزدیک، وہ ہے جس میں تو عن عن کہے۔

یعنی حدیث کی سند میں عن فلاں عن فلاں ہو اس کو حدیث معنعن کہتے ہیں۔

ولے عنعنہ از مدلس خفیف
بود زانکہ شبہ است دروے ضعیف

لیکن عنعنہ مدلس خفیف سے اس میں شبہ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فائدہ

روایت بلفظ وبمعنی اگر
زعادل وثقہ ہست شد معتبر

روایت بلفظ بمعنی اگر، عادل وثقہ سے ہے تو معتبر ہے۔

ولیکن روایت بمعنی فقط
زماہر ومتقن بود ایں نمط

اورلیکن روایت بمعنی فقط، ماہرومتقن شخص سے ہوتو یہ طریقہ معتبر ہے۔
یعنی روایت بلفظ وبمعنی عادل وثقہ راوی سے اگر ہوتو معتبر ہے اور روایت بمعنی فقط حدیث میں ماہرو پختہ راوی کی درست ہے غیر ماہر کی درست نہیں۔

تقسیم دیگردربیان شذوذوغیرہ

اگر راوئے بر خلاف ثقات
روایت کند شاذ داں نیک ذات

اگرکوئی راوی ثقہ راویوں کے خلاف، روایت کرے اسکو'شاذ' جان اے نیک ذات۔

وریں راوئے شاذ نبود ثقہ
پس آں ہست مردود نزد ہمہ

اوراگر شاذ روایت کرنے والا ثقہ نہ ہو تو وہ 'شاذ' سب کے نزدیک مردود ہے۔

بحفظ وبضبط وبکثرت روات
زترجیح یابی دیگر جہات

حفظ وضبط اور کثرت روات کے ذریعہ، ترجیح ہو یا (ترجیح کی) دوسرے جہات تو دیکھے۔

مسمی است راجح بہ محفوظ داں
بمرجوح خاص است شاذ اے جوان

راجح کا نام محفوظ جان، مرجوح کے ساتھ شاذ خاص ہے اے جوان۔
یعنی راجح کا نام محفوظ اور مرجوح کا نام شاذ ہے۔

اخص است این شاذ از اولین
بکن فرق وز ہوشیاری ببیں

یہ شاذ پہلے (شاذ) سے خاص ہے، (دونوں میں) فرق کراور ہوشیاری سے دیکھ۔

وگر ہر دو راوی ضعیف اندلیک
یکے اضعف ودیگرے زواست نیک

اوراگر ہر دوراوی ضعیف ہیں لیکن، ایک زیادہ ضعیف ہے ایک اس سے بہتر ہے یعنی دوسرا کم ضعیف ہے۔

ہرآں کہ ضعیف است محفوظ خواں
مخالف کہ اضعف بود منکرآن

جوضعیف ہے اس کو محفوظ، جواس کا مخالف یعنی اضعف ہے وہ منکر ہے۔
یعنی ضعیف کو محفوظ اوراس کے مقابل جواضعف ہے اس کو منکر کہتے ہیں۔

ضعیف اند ہر دولے بیش وکم
چومنکر زمحفوظ شد ست ہم

دونوں ضعیف ہیں لیکن کم زیادہ، جیسے منکر محفوظ سے ست بھی ہے۔
یعنی محفوظ ومنکر دونوں میں ضعف ہے البتہ محفوظ میں ضعف کم ہے منکر میں ضعف زیادہ ہے۔

مقابل بمنکر تو معروف خواں
بضعف اند موصوف ہردو بداں

منکر کے مقابل کوتو معروف کہہ ،ضعف کے ساتھ دونوں موصوف ہیں جاں لے۔

ولیکن بمنکر بود ضعف بیش
بمعروف ضعف است اندک چونیش

لیکن منکر میں ضعف زیادہ ہوتا ہے،معروف میں ضعف کم ہوتا ہے مثل ڈنک کے۔

فائدہ

بود ہر کہ مطعون بفسق وغلط
ویا سادہ دل غافل است ایں نمط

جو شخص فسق وغلط کے ساتھ مطعون ہو، اور یا سادہ دل اور اس طریقہ سے غافل ہو۔

حدیثش بود نیز منکر بنام
شد ایں اصطلاح دویم لا کلام

اس حدیث کا نام بھی منکر ہے، یہ دوسری اصطلاح ہوگئی لاکلام۔

برائے بیاں مصطلح کردہ اند
ہر آنچہ سند آمدش گفتہ اند

بیان کے لئے اصطلاح مقرر کی ہے، جو کچھ اس کی سند سے آیا اس کو بیان کیا ہے۔

بیان معنی متابعت ونحوہ ومثلہ

حدیثے کہ راوی روایت کند
موافق ورا دیگرے آورد

جو حدیث کہ راوی روایت کرے، دوسرا راوی اس کے موافق بیان کرے۔

متابع بداں آں روایت مدام
بگوئی ورا تابعہ اے مہام

اس روایت کو متابع جان ہمیشہ، اسکو تابعہ (اس نے اسکی موافقت کی) کہا اے مقتدا۔

مثلہ

چوں در لفظ ومعنی موافق بود
ورا مثلہ گفتت می سزد

اگر لفظ ومعنی میں موافق ہو، اس کو مثلہ کہنا لائق ہے۔

نخوہ

بمعنی لفظ نخوہ گفتہ اند

بریں اصطلاح اہل دل رفتہ اند

صرف معنی میں موافق ہواسکونخوہ کہاہے،اس اصطلاح کواہل دل نے اختیار کیاہے۔

شرط متابع

ولے درمتابع بود شرط آں

زیک کس صحابی بیارند شاں

لیکن متابع میں یہ شرط ہے، کہ ایک ہی صحابی سے وہ اس کو بیان کریں۔

شواہد

وگر در صحابی بود اختلاف

بداں از شواہد ورا بیگزاف

اوراگر صحابی میں اختلاف ہو،اس کوشواہد سے جان بے شبہ۔

معلل

معلل بود آں حدیث اے سعید

دروعلت وقدح باشد پدید

معلل وہ حدیث ہے اے نیک بخت، کہ اس میں علت وبیماری ظاہر ہو۔

بیان حسن وصحیح وضعیف

بوجہ اگر قسمتش کردہ اند

صحیح وحسن رانکو گفتہ اند

وجہ کے ساتھ اگر حدیث کی تقسیم انہوں نے کی ہے، صحیح وحسن کوانہوں نے اچھا کہاہے۔

ضعیف است ادنی ازیں ہر دو داں
توسط حسن رابود اے جواں

ضعیف ان دونوں سے ادنی ہے جان لے، حسن متوسط ہے اے جوان۔
یعنی صحیح، حسن، ضعیف ان تینوں میں صحیح سب سے اعلی ضعیف سب سے ادنی اور حسن تینوں میں متوسط ہے۔

صحیح

صحیح آنکہ از عدل وضابطہ تمام
سند متصل باشدش لا کلام

صحیح وہ ہے کہ کامل عدل وضبط والے راوی اس کو بیان کریں، اور اس کی سند متصل ہو، لاکلام۔

صحیح لذاتہ

اگر ایں جملہ اوصاف شد بر کمال
صحیح لذاتہ بخواں خوش خصال

اگر یہ جملہ اوصاف کمال پر ہوں، اس کو صحیح لذاتہ کہہ اے خوش خصال۔
یعنی اگر راوی کے اندر جملہ اوصاف (عدل وضبط امانت دیانت وغیرہ) کامل طریقہ پر ہوں تو اس کو صحیح لذاتہ کہیں گے۔

صحیح لغیرہ

بنوع اگر راہ یابد قصور
بکثرت طرق منجبر گشت ودور

کسی درجہ میں اگر اس میں قصور پایا جائے، جو کثرت طرق سے منجبر ہو جائے اور وہ قصور دور ہو جائے۔

پس آں شد صحیح لغیرہ بعن
اگر منجبر نیست دانش حسن

پس وہ صحیح لغیرہ ہے، اگر (کثرت طرق سے) منجبر ہو تو اس کو حسن جان۔
یعنی کثرت طرق سے اگر اس کی تلافی ہو جائے تو صحیح لغیرہ ہے اور اگر تلافی نہ ہو تو اس کو حسن کہتے ہیں۔

حسن لذاتہ

ہمیں را تو حسن لذاتہ بگو
نہ نقصان براوی است جز ضبط او

اسکو تو حسن لذاتہ کہہ، جبکہ اس کے راوی میں ضبط کے علاوہ کوئی اور نقصان نہ ہو۔

حسن لغیرہ

وگر شد حدیثے زعلت ضعیف
بکثرت طرق ضعف اوشد خفیف

اور اگر کوئی حدیث کسی علت کی وجہ سے ضعیف ہو، کثرت طرق سے اس کا ضعف ہلکا ہو جاتا ہے۔
یعنی ضعیف حدیث جب کثرت طرق سے ثابت ہو تو اس کا ضعف ختم ہو جاتا ہے۔

پس آں حسن لغیرہ می شود
اگر چہ قصور از وجوہش بود

پس وہ حسن لغیرہ ہو جاتی ہے، اگر چہ اس کا قصور چند وجوہ سے ہو۔

بداندر ضعیفے کہ نقصان بیش
باکثر وجوہ آمدش قبح بیش

ضعیف روایت کے اندر جب نقصان زیادہ تھا، اکثر وجوہ سے اس میں برائی بھی

زیادہ ہوگئی۔

بکثرت طرق اند کے حسن یافت
کہ چوں شخصے از حسن غیرے بتافت

کثرت طرق سے اس نے تھوڑا سا حسن پالیا، جس طرح کوئی شخص دوسرے کے حسن سے چمک حاصل کرے۔

یعنی ضعیف روایت باوجودیکہ خود ضعیف ہے مگر کثرت طرق کی وجہ سے اس کے اندر ایک درجہ کا حسن پیدا ہوگیا اس لئے اس کو حسن لغیرہ کہا جاتا ہے۔

بیان ضبط وعدالت

کہ موقوف علیہ حسن وصحت وغیرہ است

ضبط وعدالت کا بیان جو کہ حسن وصحت کا موقوف علیہ ہے۔

تو ضبط وعدالت شنو اولاً
کہ آگہ شوی جملہ اقسام را

تو ضبط وعدالت کو سن اولا، تاکہ تو تمام اقسام سے آگاہ ہوجائے۔

عدالت کہ در فقہ شد مشتہر
بود در حدیث اند کے عام تر

عدالت فقہ میں جو مشہور ہے، حدیث میں اس سے تھوڑی عام ہے۔

کہ شامل بود عبد را نزد شاں
باحرار مختص نباشد بداں

کہ ان (محدثین) کے نزدیک غلام کو بھی شامل ہوتی ہے، احرار کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہوتی۔

یعنی عدالت فقہاء کے نزدیک احرار کے ساتھ مخصوص ہے محدثین کے نزدیک احرار کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ غلاموں کو بھی شامل ہے۔

عدالت شود وناقص از پنج چیز
زفسق عمل جہل راویست نیز

عدالت پانچ چیزوں سے ناقص ہو جاتی ہے، (۱) فسق عمل سے (۲) نیز جہل راوی سے۔

چو مجہول شد نام شیخ ترا
تو تقوی وعدلش بدانی کجا

جب تجھ کو شیخ کا نام ہی مجہول ہو گیا، تو اس کے تقوی وعدل کو کہاں جان سکتا ہے۔

شود گر جہالت زراوی عیاں
نبردہ کہ استاد رانام آں

جہالت اگر راوی سے ظاہر ہو، کہ اس نے استاد کے نام کو بیان نہیں کیا۔

بود نام آں مبہم اے دوستاں
نگردد گہہ مقبول در خبر داں

اس کا نام مبہم ہے اے دوستو، عقلمندوں کے نزدیک جو کبھی مقبول نہیں۔

مگر کاں صحابی بود شد قبول
کہ ہستند اصحاب جملہ عدول

البتہ اگر وہ (مجہول راوی) صحابی ہو تو وہ مقبول ہوگی، اس لئے کہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین عادل ہیں۔

سیوم کذب راوی بنقل حدیث
کہ مقبول ہرگز نشد زاں خبیث

تیسرے نقل حدیث میں راوی کا کذب (جھوٹ بولنا) کہ اس خبیث سے ہرگز

قبول نہ ہوگی۔

یعنی اگر راوی کا نقل حدیث میں کذب ثابت ہوجائے تو اس کی کوئی حدیث کبھی قبول نہ ہوگی۔

اگر چہ کہ تائب ومحسن شود
خلافِ شاہد کہ تائب شود

اگر چہ وہ تائب ومحسن ہوجائے، شاہد (گواہ) کے برخلاف جبکہ وہ تائب ہوجائے۔

یعنی جس راوی کا نقل حدیث میں کذب ثابت ہوجائے اس کی کوئی حدیث بھی قبول نہیں ہوگی اگر چہ وہ اس سے توبہ کرکے نیکوکار بن جائے۔

برخلاف گواہ کے کہ وہ جب توبہ کرلے تو اس کی گواہی معتبر مانی جاتی ہے، یعنی جس شخص کا گواہی میں کذب ثابت ہوجائے اس کی گواہی معتبر نہیں البتہ اگر وہ کذب سے توبہ کرلے تو پھر اس کی گواہی معتبر ہوگی۔

روایت از آنکس تو موضوع داں
اگر چہ نشد علم وضع اندراں

اس شخص کی روایت کو تو موضوع جان، اگر چہ وضع کا علم اس کے اندر نہ ہو۔

یعنی جس راوی کا نقل حدیث میں کذب ثابت ہوجائے اس کی روایت کردہ حدیث موضوع سمجھی جائے گی اگر چہ اس حدیث کے موضوع ہونے کا علم نہ ہو۔

کجا قطع حاصل بوضعش شود
مگر حکم ظنی در آنجا دود

اسکے موضوع ہونے کا قطعی علم کہاں حاصل ہوسکتا ہے، مگر حکم ظنی ہی اسمیں دوڑتا ہے۔

یعنی موضوع ہونے کا قطعی علم دشوار ہوتا ہے ظن سے ہی اس کا حکم لگایا جاتا ہے۔

چہارم عدالت رود زاتہام
کہ مشہور باشد بکاذب کلام

چوتھے عدالت اتہام سے ختم ہوجاتی ہے، کہ (راوی) جھوٹے کلام کے ساتھ مشہور رہو۔
یعنی اگر کسی پر کذب کی تہمت ہو مثلاً وہ کذب کلام کے ساتھ مشہور رہو تو اس کی عدالت ختم ہوجائے گی۔

حدیثے کہ از متہم آمدہ
ہمیداں کہمتروک نامش شدہ

جو حدیث متہم (جس راوی پر کذب کی تہمت ہو) سے منقول ہو، اس کو اس طرح جانو کہ (گویا) اس کا نام ہی متروک ہوگیا۔

عدالت رود پنجم از مبتدع
کہ اصحاب بدعت نباشد ورع

پانچویں عدالت بدعتی سے جاتی رہتی ہے، اس لئے کہ بدعتی پرہیز گار نہیں ہوسکتا۔
یعنی جو شخص بدعت کا مرتکب ہے وہ عادل نہیں (اس کی روایت معتبر نہیں) اس لئے کہ جو بدعت کا ارتکاب کررہا ہے وہ حدیث نقل کرنے میں بھی احتیاط نہیں کرسکتا۔

نگیری ازو احتیاطا حدیث
خصوصا بترویج دینش خبیث

اس (بدعتی) سے احتیاطا حدیث قبول مت کر، خصوصا (وہ حدیث) جو اس کے دین خبیث (بدعت) کی ترویج سے متعلق ہو۔

خوارج روافض دگر معتزل
نباشد چو محتاط قولش بہل

خوارج، روافض، دوسرے معتزلہ، جب محتاط نہیں ہوسکتے ان کے قول کو چھوڑ دے۔

یعنی خوارج روافض، معتزلہ بھی بدعتیوں کی طرح حدیث بیان کرنے میں محتاط نہیں ہو سکتے اس لئے ان کی حدیث بھی قابل قبول نہیں۔

بیان طعن درضبط

(ضبط میں طعن کا بیان)

بود طعن در ضبط از پنج چیز
یکے فرط غفلت کہ شد بے تمیز

ضبط میں طعن (خلل) پانچ چیزوں سے ہوتا ہے، ایک غفلت کی زیادتی (کہ جس سے آدمی) بے تمیز ہو جائے۔

بود در سماع وتحمل غفول
دویم شد غلط در ادائے نقول

(حدیث کے) سننے اور اس کا تحمل کرنے میں غفلت کرنے والا ہو، دوسرے احادیث کے نقل کرنے میں غلطی ہو۔

یعنی اگر راوی میں غفلت کی زیادتی ہے کہ حدیث کے سننے میں غفلت کرتا ہے یا حدیث کے سننے میں تو غفلت نہیں کرتا البتہ حدیث نقل کرنے میں غلطی کرتا ہے، ان دونوں چیزوں کی وجہ سے اس کے ضبط میں نقص پیدا ہو جاتا ہے۔

قریب اند ایں ہر دو قسم اے عزیز
بسمع و ادا ہر دو را کن تمیز

یہ دونوں قسم اے عزیز قریب قریب ہیں، سننے اور ادا کرنے میں ہر دو کو تمیز کر۔

یعنی اول (غفلت) کا تعلق حدیث کے سننے سے ہے اور دوم (غلط) کا تعلق ادائے حدیث سے ہے اسلئے دونوں قریب قریب ہیں دونوں کو الگ الگ تمیز کرنا چاہیئے۔

سویم آنکہ آرد خلاف ثقات
بمتن ودر اسناد اے نیک ذات

تیسرے وہ کہ ثقہ راویوں کے خلاف نقل کرے، متن میں اور اسناد میں اے نیک ذات۔

بہر چونکہ باشد خلاف ثقہ
شذوذ آید اندر حدیث اے سرہ

بہرصورت چونکہ یہ خلاف ثقہ ہے، (اس سے) حدیث میں شذوذ آجاتا ہے اے سردار۔
یعنی ثقہ راویوں کی مخالفت متن حدیث میں ہو یا اس کی سند میں بہر دوصورت اس سے شذوذ آجاتا ہے یعنی حدیث شاذ ہوجاتی ہے۔

چہارم بود وہم راوی کزاں
روایت کند بر خلاف سراں

چوتھے راوی کا وہم ہے جس کی وجہ سے وہ، دوسرے سرداروں (ثقہ راویوں) کے خلاف روایت کرتا ہے۔

بود پنجمیں سوئے حفظ اے عزیز
قریب اند ایں ہر دو راکن تمیز

پانچویں سوئے حفظ ہے اے عزیز! (یہ دونوں) قریب قریب ہیں ان دونوں کو تمیز کر۔
یعنی سوئے حفظ اور وہم یہ دونوں قریب قریب ہیں۔

بود وہم ونسیاں خلافے کہ کرد
شذوذ آمد ازوے در اخبار مرد

وہم ونسیان ہوتا ہے (جس کی وجہ سے ثقہ رراویوں کی) مخالفت کی، اس سے شذوذ آگیا مرد کی اخبار میں۔
یعنی وہم ونسیان ہی ثقہ حضرات کی مخالفت کا سبب بنتا ہے جس کی وجہ سے اس راوی

کی احادیث شاذ ہو جاتی ہیں۔

معلل شود آں حدیثش بدو
روایت ازاں کس نباشد نکو

اس کی وجہ سے اس کی حدیث **معلل** ہو جاتی ہے، اس شخص سے روایت کرنا درست نہیں ہوتا۔

یعنی سوئے حفظ اور وہم ونسیان کی وجہ سے ثقہ راویوں کی مخالفت کرنے کی صورت میں وہ حدیث **معلل** ہو جاتی ہے۔

اگر سوئے حفظش ملازم شود
حدیثش کجا معتبر می شود

اگر اس کی سوئے حفظ لازمی ہو، اس کی حدیث کہاں **معتبر** ہوتی ہے۔

بود شاذ ایں ہم نام اے پسر
نباشد حدیثش گہے معتبر

اس کا نام بھی شاذ ہے اے بیٹا، اس کی حدیث کبھی بھی **معتبر** نہیں ہوتی۔

ور از عارض پیری ویاعمی
ویاگم شد از وے کتب ہکذا

اور اگر بڑھاپے اور اندھے پن کے عارض کی وجہ سے ہے، اور یا اسی طرح اس کی کتابیں گم ہو گئیں۔

پس ایں قسم را مختلط نام کن
توقف بحکمش در انجام کن

پس اس قسم کا **مختلط** نام کر، انجام کار اس کے حکم پر توقف کر۔

یعنی حدیث **معلل** کی دو قسمیں ہیں (۱) شاذ (۲) مختلط ۔

شاذ: اگر سوئے حفظ دائمی ہے تو اس کا نام بھی شاذ ہے اس کا حکم یہ ہے کہ وہ کبھی بھی معتبر نہیں ۔

مختلط: اور اگر سوئے حفظ کسی عارض کی بنا پر ہے تو اسکی حدیث کا نام مختلط ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر توقف کیا جائے گا ۔

روایت اگر کرد قبل اختلاط
بر وہم عمل کن بصد احتیاط

اگر اس نے اختلاط سے قبل روایت کی ہے، اس پر بھی سو احتیاط کے ساتھ عمل کر ۔

گر اورا شواہد توابع بود
پس البتہ مقبول وواثق شود

اگر اس کے لئے شواہد وتوابع ہوں، پھر البتہ وہ مقبول وواثق ہوتی ہے ۔

یعنی حدیث مختلط کی دو قسمیں ہیں ۔

(۱) ایک وہ جو اختلاط سے قبل روایت کی ہے ۔

(۲) دوم وہ جو اختلاط کے بعد روایت کی ہے ۔

اول کا حکم یہ ہے کہ اس پر عمل درست ہے مگر اسمیں بھی انتہائی احتیاط ضروری ہے ۔

دوم کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کے شواہد وتوابع ہوں تو وہ حدیث **مقبول ومعتبر** ہے اور اگر شواہد وتوابع نہ ہوں تو پھر وہ حدیث **مختلط معتبر نہیں** ۔

ہمیں حکم مشہور مرسل بود
مدلس قیاسا بروی شود

مرسل کا بھی حکم مشہور یہی ہے، مدلس کو بھی اس پر قیاس کیا جاتا ہے ۔

یعنی جو حکم حدیث مختلط نمبر دو کا ہے وہی حکم مرسل و مدلس کا بھی ہے کہ اگر ان کے شواہد وتوابع ہیں تو مقبول ومعتبر اور اگر شواہد وتوابع نہیں تو غیر مقبول وغیر معتبر۔

بیان عزیز وغریب کہ از اقسام صحیح اند

(عزیز وغریب کا بیان جو کہ صحیح کی اقسام سے ہیں)

حدیثے صحیحے اگر راویش
یکے شد غریب اے پسر نامیش

کسی صحیح حدیث کا راوی اگر، ایک ہو جائے تو اس کا نام غریب ہے اے بیٹا۔

وگر دو بود پس عزیزش بداں
وگر زائد از وے تو مشہور خواں

اور اگر دو ہوں تو اس کو عزیز جان، اور اگر دو سے زائد ہوں تو اس کو مشہور کہہ۔

وگر تا تواتر رسید آں خبر
تو متواترش نام کن اے پسر

اور اگر وہ خبر تواتر تک پہنچ جائے تو اس کا نام متواتر کر اے بیٹا۔

غریب: وہ صحیح حدیث جس کا راوی ایک ہو۔

عزیز: وہ صحیح حدیث جس کے راوی دو ہوں۔

مشہور: وہ صحیح حدیث جس کے راوی دو سے زائد ہوں۔

متواتر: وہ صحیح حدیث جس کے راوی تواتر کی حد کو پہنچے ہوئے ہوں۔

تواتر: کسی حدیث کے نقل کرنے والے اتنی کثیر تعداد میں ہوں کہ ان سب کا جھوٹ پر جمع ہونا عقلاً محال ہو۔

اقسام غریب یعنی فرد

(غریب یعنی فرد کے اقسام)

اگر راویش ہر کجا یک بود
پس آں فرد مطلق مسمی شود

اگر اس کا راوی ہر جگہ ایک ہو، پس اس کا نام فرد مطلق ہے۔

والا اضافی بود فرد وے
بقسمت عزیز ایں چنیں بر تو وے

ورنہ تو وہ فرد اضافی ہے، عزیز کی تقسیم بھی تجھ پر اسی طرح لازم ہے۔

دو راوی بود ہر کجا در عزیز
عزیز است مطلق بنزد تمیز

عزیز میں اگر ہر جگہ دو راوی ہوں، اہل تمیز کے نزدیک وہ عزیز مطلق ہے۔

بمشہور ہر جا چو بسیار شد
درو شہرہ مطلق اظہار شد

اگر ہر جگہ (دو سے) زیادہ ہوں وہ مشہور ہے، اس میں مطلقا شہرت کا اظہار ہو گیا۔

پس راوی یک شد بیک جاد رو
بواقی مثنی تو فردش بگو

پس اگر اس میں ایک جگہ ایک راوی ہو، باقی ہر جگہ دو ہوں تو اس کو فرد کہہ۔

مگر شد مثنی بیک جائے دو
ہمہ جاست زاید عزیزش بگو

اگر ایک دو جگہ دو راوی ہوں، باقی ہر جگہ دو سے زائد اس کو عزیز کہہ۔

دریں جاست حاکم اقل بر کثیر
بعکس دگر جا تو این ش یاد گیر

اس جگہ اقل کثیر پر حاکم ہے، دوسری جگہ اس کا عکس ہے تو اس کو یاد کر لے۔

فرد مطلق: اگر ہر جگہ ایک راوی ہو اس کو فرد مطلق کہتے ہیں۔

فرد اضافی: اگر ایک دو جگہ یا چند جگہ ایک راوی ہو باقی جگہ زیادہ اسکو فرد اضافی کہتے ہیں۔

عزیز مطلق: اگر ہر جگہ دو راوی ہوں اس کو عزیز مطلق کہتے ہیں۔

اگر ایک جگہ ایک راوی ہو باقی سب جگہ دو اس کو بھی 'فرد' کہتے ہیں۔

مشہور: ہر جگہ دو سے زائد راوی ہوں اس کو 'مشہور' کہتے ہیں۔

عزیز: اگر کسی ایک جگہ دو راوی ہوں باقی جگہ زیادہ اس کو بھی 'عزیز' کہتے ہیں۔

تنبیہ: اس جگہ اقل کا اعتبار کیا گیا ہے باقی ہر جگہ اس کا عکس ہے کہ اکثر کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

بیان اصطلاح دیگر در معنی غریب

(غریب کے معنی میں دوسری اصطلاح کا بیان)

غرابت گہے بر شذوذ آمدہ
کہ مطعون ازاں آں حدیثش شدہ

شذوذ کے اوپر بھی کبھی غرابت کا اطلاق ہوتا ہے، کہ جس کی وجہ سے اس کی حدیث مطعون ہوگئی۔

شذوذ آمدہ گہہ بمعنی غریب
کہ راوی او مفر داست اے حبیب

شذوذ کبھی غریب کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے، اسلئے کہ اسکا راوی اکیلا ہے اے حبیب۔

یعنی شذوذ، کے اوپر غرابت اور غرابت کے اوپر شذوذ کا اطلاق ہو جاتا ہے مناسبت ظاہر ہے۔

فائدہ

پس اے دوست معلوم باشد ترا
صحیح وغریب است یکجا روا

پس اے دوست تجھ کو معلوم ہونا چاہیئے، کہ صحیح وغریب (دونوں) ایک جگہ درست ہیں۔

کہ باشد رجال احادش ثقات
زصحت وغربت بیابی صفات

کہ اس کے رجال آحاد سب ثقہ ہوں،تو صحت وغربت دونوں صفات اس میں موجود ہیں۔(اس لئے وہ حدیث صحیح بھی ہےاورغریب بھی)

گہے شاذ آید بمعنی غریب
کہ راوی ثقہ یک بود اے حبیب

کبھی شاذ غریب کے معنی میں بھی آتا ہے، کہ راوی ثقہ ایک ہو اے حبیب۔

بیان اقسام ضعیف

(ضعیف کی اقسام کا بیان)

وگر صحت وحسن نبود درو
ضعیفش بداں نام اے نیک خو

اوراگر صحت وحسن اس میں نہ ہو،اس کا نام ضعیف جان اے نیک خو۔

ضعیف است اقسام او بیشتر
صحیح ایں چنیں ہست نیکو نگر

ضعیف کے اقسام متعدد ہیں، اسی طرح صحیح کے اقسام بھی متعدد ہیں اے نیک نظر۔

ولے ہر دو دارد بمقسم خصوص
بہم شد بقید ونصوص

اور لیکن ہر دو کا مقسم خاص ہے، قید ونصوص کے ساتھ آپس میں جمع ہو جاتی ہیں۔

یعنی ضعیف وصحیح دونوں الگ الگ قسم ہیں لیکن ان میں قیود ملانے سے دونوں آپس میں جمع ہو جاتی ہیں کہ ایک حدیث صحیح بھی ہوتی ہے اور ضعیف بھی۔

برائے ہمیں ترمذی در کتاب
صحیح وحسن کردہ یک را خطاب

اسی وجہ سے ترمذی نے کتاب کے اندر، صحیح وحسن ایک کو ہی خطاب کیا ہے۔

یعنی جس طرح صحیح وغریب ایک جگہ جمع ہو جاتی ہیں اسی طرح صحیح وحسن بھی دونوں جمع ہو جاتی ہیں اس وجہ سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب جامع ترمذی میں ایک ہی حدیث کو صحیح وحسن کہا ہے۔

بگفتہ گہے او غریب حسن
جمع ہر سہ را کردہ گہہ بے سخن

کبھی اس نے 'غریب وحسن' کہا ہے، کبھی تینوں کو جمع کر دیا ہے بلاشبہ۔

یعنی امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے جامع ترمذی میں ایک ہی حدیث کو 'غریب حسن' کہا، اور کہیں صحیح، حسن، غریب، تینوں کو جمع کر دیا اور ایک ہی حدیث کو "صحیح حسن غریب" کہا ہے۔

صحیح وحسن جمع آساں بود
لذاتہ حسن صحت غیرے شود

صحیح وحسن کو جمع کرنا آسان ہے، حسن لذاتہ ہی صحیح لغیرہ ہے۔

یعنی ایک ہی حدیث صحیح بھی ہو حسن بھی ہو دونوں کا جمع ہونا آسان ہے کہ حسن لذاتہ ہی صحیح لغیرہ ہے۔

فأما غریب وحسن مشکل است
تعدد طرق در حسن داخل است

غریب وحسن کا جمع ہونا مشکل ہے، اس لئے کہ حسن میں تعدد طرق داخل ہے۔
یعنی حدیث حسن کے لئے تعدد طرق شرط ہے، غریب میں ایسا نہیں اگر تعدد طرق ہوتو پھر غریب، غریب نہیں رہتی بلکہ حسن بن جاتی ہے۔
اس لئے دونوں کا بیک وقت جمع ہونا مشکل ہے۔

غرابت چگونہ بود اندرو
جوابے بتاویل او را بگو

اس میں غرابت کس طرح ہوسکتی ہے، اس کا جواب تاویل کے ساتھ دیجئے۔

کہ از اختلاف روایت شدہ
بلفظ حسن یا غریب آمدہ

کہ یہ اختلاف روایت کی وجہ سے ہوا ہے، ایک لفظ سے حسن ایک سے غریب آیا ہے۔
یعنی اختلاف روایت کی وجہ سے حسن، غریب، کہا ہے کہ ایک روایت کے اعتبار سے وہ حدیث حسن، ہے اور دوسری روایت کی وجہ سے غریب۔

بیان حکم عمل برآں اقسام

(ان اقسام پر عمل کے حکم کا بیان)

صحیح وحسن چوں لذاتہ بود
عمل کردنش برتو لازم شود

جب صحیح وحسن لذاتہ ہو، اس پر عمل کرنا تجھ پر لازم ہے۔

ضعیف از تعدد رسد تا حسن
بداں احتجاج کن اے نیک ظن

حدیث ضعیف تعدد طرق کی وجہ سے اگر حسن کے درجہ کو پہونچ جائے، اس سے احتجاج کر اے نیک ظن۔

یعنی وہ بھی حجت پکڑنے کے قابل ہے۔

ولے منفرد کاں ضعیف است اگر
بود در فضائل عمل معتبر

اور لیکن اگر وہ حدیث ضعیف منفرد ہے، فضائل میں اس پر عمل کرنا معتبر ہے۔

یعنی حدیث ضعیف فضائل میں حجت ہے احکام میں حجت نہیں۔

فائدہ

بخاری ومسلم اصح السند
چو ہر دو شود متفق شد اشد

بخاری ومسلم جو اصح السند ہیں، جب دونوں متفق ہو جائیں تو وہ حدیث بہت سخت ہو جاتی ہے۔

یعنی کتب احادیث میں بخاری ومسلم سب سے زیادہ اصح السند ہیں یہ دونوں حضرات اگر کسی حدیث پر متفق ہو جائیں یعنی دونوں نے اس کو بیان کیا ہو تو وہ حدیث سب سے زیادہ قوی اور پختہ سمجھی جائے گی۔

ہمہ دو ہزار وسہ صد ہشت وشش
بود متفق زاں بدل نقش کش

تمام دو ہزار تین سو چھیاسٹھ احادیث ہیں، جن پر دونوں متفق ہیں دل میں نقش کر لے۔

حدیثے کہ زیں ہر دو متروک گشت
مستدرک حاکم آں نقش ہست

جو احادیث ان دونوں سے متروک ہوگئیں، مستدرک حاکم میں وہ نقش ہیں۔
یعنی جو صحیح احادیث امام بخاری و امام مسلم سے متروک ہوگئیں کہ ان دونوں حضرات نے انکو صحیحین میں نقل نہیں فرمایا، انکو حاکم نے اپنی کتاب مستدرک میں جمع کردیا ہے۔

احادیث غیر مکرر درو
ہزار است وچار اے عزیز نکو

اس میں غیر مکرر احادیث، ایک ہزار چار رہیں اے پیارے عزیز۔

ثلاثی از وبست ودو آمدہ
بواقی رباعی وغیرہ شدہ

اس (بخاری) سے ثلاثی بائیس آتی ہیں، باقی رباعی وغیرہ ہیں۔
یعنی بخاری شریف میں بائیس احادیث ثلاثی ہیں باقی رباعی، خماسی وغیرہ۔
ثلاثی: وہ احادیث کہلاتی ہیں جس کی سند میں مصنف کتاب سے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک صرف تین واسطے ہوں۔
رباعی: وہ جن میں چار واسطے ہوتے ہیں علی ہذا القیاس۔
ثلاثی: احادیث سند کے اعتبار سے سب سے زیادہ عمدہ سمجھی جاتی ہیں۔

بہ مسلم رباعی حدیث است وبس
ثلاثی نیاید دراں خوش نفس

مسلم کے اندر صرف رباعی ہیں، اس میں ثلاثی نہیں ہیں اے خوش نفس۔

رباعیش ہشتاد و چند آمدہ
ولے ترمذی را ثلاثی شدہ

اس (مسلم) میں رباعی اسی اور چند ہیں یعنی اسی سے کچھ زائد ہیں اور لیکن ترمذی

کے لئے ثلاثی ہیں یعنی ترمذی شریف میں بھی بعض احادیث ثلاثی ہیں۔

صحاح ستہ

بخاری ومسلم دگر ترمذی
ابوداؤد وابن ماجہ نسائی
موطاست برقول جامع اصول
ششم اندریں ستہ اے ذی العقول

جامع اصول کے قول کے مطابق مؤطا، ان چھ میں چھٹی ہے اے عقلمند۔

بتاریخ مسلم بگو راس را
بخاری بود نور اے خوش ادا

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وفات کے لئے راس، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے لئے نور ہے اے خوش ادا۔

یعنی امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وفات دوسو اکسٹھ ہے جو لفظ 'راس' سے نکلتی ہے، کہ لفظ راس کے عدد ۲۶۱ ہوتے ہیں، اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وفات دوسو چھپن ہے جو لفظ نور سے نکلتی ہے، کہ لفظ 'نور' کے عدد ۲۵۶ ہوتے ہیں۔

بود مالک وترمذی را وفات
بقطع وعطر یاد کن نیک ذات

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وفات، قطع، وعطر، سے نکلتی ہے اس کو یاد کر لے اے نیک ذات۔

یعنی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وفات ایک سو اناسی ہے اور لفظ 'قطع، کے عدد بھی ۱۷۹ ہوتے ہیں۔

اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وفات دوسوانا سی ہے، جو لفظ 'عطر' سے نکلتی ہے لفظ 'عطر' کے عدد ۲۷۹ ہوتے ہیں۔

بتاریخ احمد بگو امر را
بود شافعیؒ را 'در' اے خوش لقا

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وفات کے لئے کہ، امر، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے 'در' اے خوش لقا۔

یعنی امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وفات دوسو اکتالیس ہجری ہے جو لفظ 'امر' سے نکلتی ہے۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وفات دوسو چار ہجری ہے جو لفظ 'در' سے نکلتی ہے۔

بداں ابن ماجہ بتاریخ او
ہمیں لفظ ''رعد'' ست یا درع گو

امام ابن ماجہؒ کی تاریخ وفات کے لئے، یہی لفظ 'رعد' یا 'درع' کہو۔

یعنی امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وفات ۲۷۴ ہجری ہے، جو لفظ 'رعد' یا 'درع' سے نکلتی ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک کے عدد ۲۷۴ ہوتے ہیں۔

اصطلاح دیگر بقول شیخ اسلام ہرویؒ

(ایک دوسری اصطلاح شیخ اسلام ہرویؒ کے قول کے مطابق)

بداں اصطلاح دگر در ادا
اگر حدث گفت راوی بنا

ادائے حدیث میں ایک دوسری اصطلاح جان لے، اگر راوی نے حدث 'نا' کے ساتھ کہا ہے۔

یعنی ”حدثنا“ کہا ہے۔

شنید است شاگرد واستاد خواند
بعکسش بگو ’اخبرنی‘ جواں

شاگرد نے سنا ہے اور استاد نے پڑھا ہے، اگر اسکا عکس ہو تو اخبرنی کہ اے جوان۔

یعنی اگر استاد نے پڑھا شاگرد نے سنا تو لفظ حدث اور اگر اس کا عکس ہے کہ شاگرد نے پڑھا استاد نے سنا تو لفظ ”اخبر“ استعمال کیا جاتا ہے، اگر شاگرد ایک ہے تو ”حدثنی۔ اخبرنی“ اور اگر ایک سے زائد ہیں تو حدثنا اور اخبرنا۔

بنا شد عبارت ازاں اولیں
انا انبأ خاص بعد پسیں

نا عبارت ہے اس میں اول سے، انا، انبأ، خاص پچھلے کے لئے۔

یعنی محدثین اختصار کی وجہ سے حدثنا کے بجائے لفظ ’نا‘ استعمال کرتے ہیں جو حدثنا، کے ہی معنی میں ہوتا ہے، اور اس کو حدثنا ہی پڑھا جاتا ہے۔ اور لفظ انا، انبأ نا اخبرنا، کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

گر استاد قاری ست شاگرد یک
بگو حدث رابہ ’نی‘ غیر شک

اگر استاد قاری ہے اور ایک شاگرد ہے، تو حدث، کو، نی، کے ساتھ ملا کر کہہ بلا شک۔

یعنی، ”حدثنی“ اور استاد کے قاری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حدیث کی قرأت خود استاد کر رہا ہو۔

تلامیذ بسیار باشد اگر
بگو، نا، دراں جاتو اے پرہنر

اگر شاگرد زیادہ ہوں، تو اس جگہ ’نا‘ کہہ تو اے ہنر مند۔

یعنی شاگرد ایک سے زائد ہیں اور استاد نے حدیث کی قرأت خود کی ہے تو اس وقت حدثنا، کہیں گے۔

بگفت است ابن وہب اندریں
کہ شد پیش او اصطلاح چنیں

ابن وہب نے اس میں بیان کیا ہے، کہ ان کے نزدیک اصلاح اسی طرح ہے۔

باستاد خواند است اگر دیگرے
چوں تو بشنوی اخبر گو بلے

اگر استاد پر کسی دوسرے نے پڑھا ہے، جب تو سنے اخبر کہہ بے شک۔

یعنی استاد کسی دوسرے کو پڑھا رہا ہے اور حدیث کی قرأت شاگرد کر رہا ہے آپ بھی سن رہے ہیں تو 'اخبرنی' کہیں گے۔

وگر براجازت مناول بداں
ہمی گفتہ اند 'انبأ' عاقلاں

اور اگر اجازت ہو تو اس کو مناول، جان اسی کو عقلمندوں نے انبأ کہا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ کس کو استاد نے پڑھنے کی نوبت آئی نہ سننے کی البتہ استاد نے اپنی لکھی ہوئی حدیثیں دیدیں اور اجازت دیدی کہ میری طرف سے ان احادیث کو بیان کر سکتے ہو تو اس کو 'مناولہ' کہتے ہیں اور یہ کہ گر دان احادیث کو اپنے اس استاد سے لفظ 'انبأنا' سے بیان کرے گا۔

ولیکن نہ برخواندن وبر سماع
کسے 'انبأ' گفتہ است الوداع

لیکن استاد سے نہ پڑھنے کی شکل میں صرف سننے کی شکل میں بھی بعض نے 'انبأنا' کہا

ہے۔﴿جیسا کہ پہلے گزرا﴾

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ یہ ابن وہبؒ کی اصطلاح کے مطابق ہے'الوداع' الوداع کا مطلب یہ ہے کہ یہ احادیث سے متعلق بیان ختم ہو چکا، آگے محدثین کے طبقات کو بیان کیا جائے گا۔

بیان طبقات رواۃ

(راویوں کے طبقات کا بیان)

بتقریب گفت است طبقات را
کہ شد دوازدہ جملگی مصطفی

مضمون کی قریبی مناسبت کی وجہ سے راویوں کے طبقات کو بھی بیان کیا ہے، کہ تمام بارہ "طبقات" ہیں اے مصطفی۔

یکے شد صحابہ کہ شاں دیدہ اند
رسول امیں را وگرویدہ اند

ایک طبقہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہے کہ انہوں نے رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور ان کے گرویدہ ہوئے ہیں۔

صغیر وکبیر اند یکساں ہمہ
عدول اند ایشان صدوق وسرہ

چھوٹے بڑے تمام یکساں ہیں، (کہ تمام کے تمام) عدول وصدوق اور معتمد ہیں۔

دویم تابعین اند وشد قسم پنج
سویم تبع تابع سہ قسمش بسنج

دوسرے تابعین ہیں اور ان کی پانچ قسمیں ہو گئیں ہیں، تیسرے تبع تابعین، ان کی تین

قسمیں ہیں غور کر۔

چہارم موخر زاتباع تبع
بود نیز سہ قسم بر حسب سمع

چوتھے وہ جو تبع تابعین کے بعد ہیں، ان کی بھی تین قسمیں ہیں سننے کے مطابق۔

صغار مؤخر شدہ ترمذی
تو ملحق بداں شیخ ستہ کنی

صغار موخرین میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، تو ان کو بھی ان ہی اصحاب ستہ کے ساتھ ملحق کر۔

بامندک زمان ست تاخیر شاں
چو بعضے شیوخ ازنسائی اے جواں

تھوڑا زمانہ ان کا موخر ہے، جیسے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض شیوخ اے جوان۔

بود طبقہ اول ودوم را
در اول صدی موت اے خوش لقا

طبقہ اول اور دوم کی، اول صدی میں وفات ہوگئی ہے اے خوش لقا۔

بداں طبقہ سویم تا ثامنہ
پس مائۃ اولی ست موت ہمہ

طبقہ سوم سے آٹھویں طبقہ تک، کی تمام کی وفات اول صدی کے بعد ہوئی ہے۔

دگر تاسعہ تا آخر تمام
وفات است بعد از دو صد والسلام

دوسرے نویں طبقہ سے آخر تک تمام، کی وفات دوصدی کے بعد ہے والسلام۔

فائدہ

دربیان معرفت مراتب رجال دوازدگانہ

(بارہ طبقات کے حضرات کے مراتب کی معرفت کے بیان میں)

یکے شد صحابہ بتعدیل او
صحابت کفایت بود اندرو

ایک طبقہ صحابہؓ کا ہے اس کی تعدیل کے لئے، اس کا صحابی ہونا کافی ہے۔

دوم اوثق الناس گفتہ شود
ویا لفظ مدحش مکرر بود

دوسرے اوثق الناس کہا گیا ہو، اوریا اس کی مدح کالفظ مکرر ہو۔

سویم آنکہ مدحش مکرر نہ کرد
فقط ثبت یا عدل گفتہ ست فرد

تیسرے وہ کہ اس کی مدح مکرر نہ کی ہو، صرف ثبت، یا عدل، تنہا کہا ہو۔

چہارم صدوق ست ولا بأس بہ
چو پنجم صدوق است لا حفظ لہ

چوتھے، صدوق ولا باس بہ، جیسے پانچویں، صدوق لا حفظ لہ۔

بگویند یا آنکہ وہام ہست
پس اصحاب بدعت بدیں ملحق ست

یا یہ کہیں گے کہ وہ ''وہام'' ہے، پس اصحاب بدعت اسی کے ساتھ ملحق ہیں۔

ششم آنکہ غلقات بسیار ہست
ولے علت ترک نبود بدست

چھٹے وہ کہ غلقات بہت ہیں، لیکن ہاتھ میں علت ترک بھی نہیں ہے۔

تو مقبول لین حدیثش بخواں
بلین الحدیث ست اشارہ بداں

تو اس کی حدیث کو مقبول لین کہہ، لین الحدیث سے اسی کی طرف اشارہ جان۔

زہفتم رواۃ کہ دو مرد کنند
ولے واثق او را ندانستہ اند

ساتویں وہ راوی کہ دو مرد روایت کریں، اور لیکن، واثق، معتمد اسکو نہ جانا ہو۔

اشارہ کنندش بمستور حال
وگر حال مجہول شد در مقال

اسکی طرف مستور الحال کے ساتھ اشارہ کرتے ہیں، اگر اسکا حال گفتگو میں مجہول ہو۔

بود ہشتمیں غیر موثوق وہم
مزیّف بالاجمال سازند کم

یہ آٹھویں قسم بھی غیر موثوق ہے اور اس کو مزیف بالاجمال بھی کم کرتے ہیں۔
مطلب یہ ہے کہ اس کی غیر موثوق ہونا بیان کر دیا جاتا ہے۔

اشارت بلفظ ضعیف است ازاں
نہم آنکہ راویش جز یک مداں

لفظ ضعیف سے اسی سے اشارہ ہوتا ہے، نویں وہ اس کا راوی ایک کے علاوہ نہ جان۔
یعنی صرف ایک راوی ہو۔

اشارت بدو لفظ مجہول داں
وہم غیر موثوق واضعف چناں

لفظ مجہول سے اسکی طرف اشارہ جان، اور غیر موثوق اور اضعف سے بھی اسی طرح۔

کہ ضعفش بقادح بیاں کردہ اند
تو متروک وواہی بگو بیگزند

کہ اسکا ضعیف ہونا علت کے ساتھ بیان کردیا ہے تو اسکو متروک وواہی کہہ بے تکلف۔

دہ ویک شدہ کاذب وپر دروغ
کلامش ہمیشہ بود بے فروغ

گیارہویں قسم ہے کاذب اور بہت جھوٹا، اسکا کلام ہمیشہ بے فروغ ہوتا ہے۔

دہ ودو کہ باوضع اندر حدیث
شدہ متہم آں خسیس وخبیث

بارہویں وہ جو حدیث کے اندر وضع کے ساتھ، وہ کمینہ اور خبیث متہم ہو۔

بدجال وکذاب وضاع داں
اشارہ بدیں ہردوکس ایجواں

دجال وکذاب اور وضاع سے، اشارہ انہیں دوشخصوں کی طرف جان اے جوان۔

ہمیں اصطلاحات قدرے ضرور
کفایت بود مرترا بے قصور

اسی قدر یہی ضروری اصطلاحات تیرے لئے بے قصور کافی ہوں گے۔

بضعف بصر بہر خلق خدا
بیاں ایں قدر کردم اے مصطفیٰ

ضعف بصر کے باوجود خلق خدا کے نفع کیلئے، اس قدر میں نے بیان کردیا اے مصطفیٰ۔

بکن یادومر دیگراں را رساں
بگیری نفع از دعاء کساں

یاد کر اور دوسروں کو پہونچا، لوگوں کی دعا سے نفع حاصل کر۔

خدایا رساں نفع زیں خلق را

ثوابش مرادہ بروز جزا

اے خدا اس سے مخلوق کو نفع پہنچا، مجھ کو اس کا ثواب بروز جزاء عطا فرما۔

وزیں بعد ضعف بصر مانع ست

کہ جزوے زتصنیف گیرم بدست

اس کے بعد ضعف بصر مانع ہے، کہ تصنیف کا کوئی حصہ ہاتھ میں لوں۔

بسال ہزار ودو صدسی وشش

شدہ ختم ایں نسخہ اے نیکوش

سن بارہ سو چھتیس کو، یہ نسخہ ختم ہوا اے نیک مرد۔

زبس نفع ایں نظم بسیار بود

بمنظوم نافع مسمی نمود

اس نظم کا نفع حد سے زیادہ تھا، اس لئے منظوم نافع اس کا نام رکھ دیا۔

دعا

الٰہی برایماں کنی خاتمہ

بحق نبی وبنی فاطمہ

الٰہی! ایمان پر میرا خاتمہ فرما، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کے طفیل میں۔

بنزع وبحشر مکن شرمسار

خدایا مرا بخش وجرمم گذار

نزع کے وقت اور محشر میں مجھ کو شرمندہ نہ کیجیو، اے خدا مجھ کو بخش دے اور میرے جرم کو معاف فرما۔

کجا جز تو عاصی بجوید پناہ
کہ ستار وغفار ہستی الہ

گنہگار شخص تیرے سوا کہاں پناہ تلاش کرے، اسلئے کہ الٰہی تو ہی ستار، وغفار، ہے۔

شفیعم کناں سید پاک را
کہ ایماں برو دارم از ابتداء

سید پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا شفیع بنادے، اس لئے کہ میں ابتداء سے ہی ان پر ایمان رکھتا ہوں۔

بجز پاک کلمہ ندارم عمل
طفیلش کرم کن تو اے عز وجل

پاک کلمہ کے سوا میں کوئی عمل نہیں رکھتا، اس کے طفیل کرم فرما اے بزرگ و برتر۔

گنہگار خود را الٰہی بہ بخش
خط عفو را بر جرائم بکش

اپنے گنہگار کو الٰہی بخش دے، عفو کا قلم جرائم پر کھینچ دے۔

ھدایت

صاحب مشکوۃ نے فن حدیث کے ماہرین ائمہ کا تذکرہ اپنی کتاب کے مقدمہ میں اجمالی طور سے کیا ہے۔ شیخ محدث دہلویؒ نے اپنی مستقل علیحدہ کتاب الاکمال بذکر اسماء الرجال میں ان ائمہ ماہرین کے تفصیلی حالات تحریر فرمائے ہیں۔ خود صاحب مشکوۃ نے بھی الاکمال فی اسماء الرجال میں ائمہ مذکورین کے مفصل حالات قلمبند فرمائے ہیں جو کتاب مشکوۃ کے آخر میں ملحق ہیں۔ ہم بھی مذکورہ ائمہ حدیث کا مختصر طریقہ سے تذکرہ حصول سعادت کے لئے کررہے ہیں۔

......تذکرہ ائمہ محدثین رحمہم اللہ......

﴿۱﴾ ﴿امام بخاریؒ﴾

نام ونسب: نام محمد، کنیت ابوعبداللہ، سلسلہ نسب یوں ہے: ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرۃ بن بردزبۃ الجعفی الیمانی البخاری ۔ (سیر ۱۲/۳۹۱)

ولادت: امام بخاریؒ ۱۳ رشوال ۱۹۴ھ میں جمعہ کی رات میں پیدا ہوئے آپ کی جائے پیدائش بخاریٰ ہے۔

والدہ کی مستجاب دعاء: آپ بچپن میں ہی نابینا ہو گئے تھے جس کی وجہ سے ان کی والدہ کو بہت تکلیف اور رنج وقلق رہتا تھا۔ نہایت ہی گریہ وزاری سے بارگاہ ایزدی میں ان کی بصارت کے لئے دعاء کیا کرتی تھیں ایک رات والدہ محترمہ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ السلام فرمارہے ہیں کہ حق تعالیٰ نے تیرے فرزند کو بصارت عطاء فرمادی چنانچہ صبح کو جب وہ اٹھیں تو اپنے لخت جگر کی آنکھوں کو روشن پایا۔ (البدایہ والنہایہ ۱۱/۳۱، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۳۹۳)

تعلیم وتربیت: ابھی آپ کم عمر ہی تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور آپ یتیم ہو گئے، والدہ کی آغوش تربیت میں پرورش پاتے رہے، پھر ۱۸ رسال کی عمر میں اپنی والدہ اور بڑے بھائی کے ساتھ حج کے لئے تشریف لے گئے اور تحصیل علم کی خاطر وہیں رک گئے اس کے بعد تحصیل علم کا شوق آپ کو کشاں کشاں علمی درسگاہوں میں لے گیا۔ نیز اٹھارہ سال کی

عمر میں ہی تصنیف وتالیف کا کام شروع کردیا تھا۔ (سیر ١٢/٤٠٠)

حفظ وذھانت: ایک دن یوں ہوا کہ امام داخلی اپنے نسخے سے لوگوں کو حدیث سنارہے تھے اثناء درس ان کی زبان سے نکلا سفیان عن ابی الزبیر عن ابراھیم. امام بخاریؒ فوراً بول اٹھے کہ حضرت، ابوالزبیر ابراہیم سے روایت نہیں کرتے۔ امام داخلیؒ نے انکی بات کو نہیں مانا تب بخاریؒ نے اصلی بیاض دیکھنے کو کہا چنانچہ امام داخلیؒ اپنے مکان میں تشریف لے گئے اور اصل نسخے پر نظر ڈالی پھر بخاریؒ کو بلا کر کہا کہ میں نے جو پڑھا تھا بلا شبہ وہ غلط تھا اب آپ بتائیں کہ صحیح کس طرح ہے بخاریؒ نے فرمایا کہ صحیح سفیان عن الزبیر عن عدی عن ابراھیم ہے۔ امام داخلیؒ یہ سن کر حیران رہ گئے اور فرمایا کہ واقعی ایسا ہی ہے پھر قلم لے کر داخلیؒ نے قراءت کے نسخے کی تصحیح کی یہ واقعہ امام بخاریؒ کی عمر کے گیارہویں سال کا ہے۔ (ظفر المحصلین :ص ٩٥، سیر :١٢/٣٩٣، تہذیب الکمال ٦/ ٢٣٠)

آپ نے سولہ سال کی عمر میں حضرت عبداللہ ابن المبارکؒ اور حضرت امام وکیعؒ کی کتابوں کو مکمل حفظ یاد کرلیا تھا۔ نیز طلب حدیث کے لئے بڑے دور دراز کے پر مشقت اسفار کئے۔ نہیں معلوم کہ اس سلسلہ میں بغداد، کوفہ، بصرہ، شام، مصر، نیشاپور کتنی مرتبہ جانا ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ بچپن ہی میں آپ کو ستر ہزار احادیث سرداًیاد تھیں۔ (البدایہ والنہایہ ص ١١/٣١)

اساتذہ: آپ خود فرماتے ہیں کہ میں نے ایک ہزار اسی (١٠٨٠) اساتذہ سے اکتساب فیض کیا اور وہ سب محدث تھے۔ (ظفر المحصلین :ص ٩٧، سیر ١٢/٣٩٥)

تلامذہ: آپ کے شاگردوں میں اسحاق بن محمد الرمادی، عبداللہ بن محمد المسندی، محمد بن خلف بن قتیبہ، نیز ابراہیم حربی، محمد بن نصر مروزی، مسلم بن الحجاجؒ، ابوعیسیٰ ترمذیؒ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ (سیر ١٢/٣٩٧)

حفظ وذھانت کا ایک عجیب واقعہ: آپ کی ذہانت اور قوت

حافظہ کے واقعات مشہور ومعروف ہیں: علامہ ذہبیؒ نے وراق سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حاشد بن اسماعیل اور ایک دوسرے صاحب کا بیان ہے کہ ہم لوگ مشائخ بصرہ کے پاس جایا کرتے تھے اور امام بخاریؒ بھی جاتے تھے، مگر امام بخاریؒ لکھتے نہیں تھے، جب چند ایام گذر گئے تو ہم نے کہا کہ تم کیا کرتے ہو لکھتے بھی نہیں۔ ایک دن امام بخاریؒ ہم سے کہنے لگے کہ تم نے مجھے پریشان کردیا ہے ذرا لاؤ تو سہی تم نے کیا لکھا ہے چنانچہ ہم نے اپنی لکھی ہوئی احادیث سنائیں، مگر امام بخاریؒ نے پندرہ ہزار احادیث سے بھی زائد سنائیں اور ترتیب وار ان کو پڑھا اس کے بعد سے ہم لوگ اپنے لکھے ہوئے کو ان کے حافظہ کی مدد سے ملا کر تصحیح کرتے تھے۔ پھر امام بخاریؒ نے کہا کہ کیا تمہارا خیال ہے کہ میں یوں ہی وقت ضائع کر رہا ہوں۔ تب ہم لوگوں کو ان کی اہمیت کا اندازہ ہوا۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۲/ ۴۰۸)

وفات: ۲۵٦ھ ہفتہ کی رات بوقت عشاء آپ کا وصال ہوا۔ اتفاق سے وہ عید الفطر کی رات تھی۔ آپ کی تدفین مقام خرتنگ میں عمل میں آئی جو سمرقند سے دو فرسخ کی دوری پر پڑتا ہے۔ (مقدمہ بخاری شریف: سیر ۱۲/ ۴٦۸)

قبر سے مشک کی خوشبو کا آنا: جوں ہی آپ کو قبر میں اتارا گیا قبر سے مشک کی خوشبو آنے لگی اور ایک رات تک لوگ قبر کی مٹی لاتے رہے یہاں تک کہ منع کرنے پر بھی یہ سلسلہ نہ رکا تو مجبوراً قبر کے اردگرد لکڑی کی ایک جالی لگادی گئی تاکہ قبر محفوظ رہے اس کے باوجود لوگ آتے رہے اور اردگرد کی مٹی لے جاتے رہے جب یہ خبر آپ کے مخالفین تک پہنچی تو وہ لوگ بھی آپ کی قبر مبارک پر آئے اور توبہ وندامت کا اظہار کیا۔ (مقدمہ بخاری شریف، سیر اعلام النبلاء ۱۲/ ۴٦۷)

خواب بعد از وفات: عبد الواحد بن آدمؒ نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی

ایک جماعت تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ کھڑے ہوئے تھے۔ عبدالواحدؒ نے سلام کیا اور دریافت کیا کہ یہاں کیوں تشریف فرما ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں محمد بن اسماعیل بخاریؒ کا انتظار کر رہا ہوں۔ عبدالواحدؒ کہتے ہیں کہ جب مجھے امام بخاریؒ کی وفات کی خبر معلوم ہوئی اور میں نے غور کیا تو وہ وہی وقت تھا جس وقت میں نے خواب دیکھا تھا۔ (سیر ۱۲/۴۶۸)

تاریخی جملہ: آپؒ کی تاریخ پیدائش و وفات اور کل مدت عمر اس جملہ سے نکلتی ہے۔

صدق حمید نور: ''صدق'' سے تاریخ پیدائش ۱۹۴ھ ''حمید'' سے کل مدت عمر ۶۲ رسال، ''نور'' سے تاریخ وفات ۲۵۶ھ نکلتی ہے۔

تصانیف: امام بخاریؒ نے متعدد تصانیف یادگار چھوڑی ہیں جن میں کچھ حسب ذیل ہیں:

(۱) صحیح بخاری (۲) قضایا الصحابة والتابعین (۳) التاریخ الاوسط (۴) التاریخ الکبیر (۵) التاریخ الصغیر (۶) الادب المفرد (۷) القراءة خلف الامام (۸) المبسوط (۹) کتاب الکنی (۱۰) کتاب العلل (۱۱) الفوائد (الامام الترمذی والموازنة بین جامعه وبین الصحیحین ص: ۴۰)

صحیح بخاری: امام بخاریؒ کی صحیح کو جو مقبولیت حاصل ہے وہ کسی پر مخفی نہیں ہے اس کا مکمل نام اس طرح ہے ''الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وايامه'' اس کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کا درجہ حاصل ہے۔

وجہ تالیف: امام بخاریؒ سے پہلے زیادہ تر رواج مسانید اور مصنفات کا تھا اس وقت تک بہت سی مسانید و مصنفات وجود میں آ چکی تھیں۔ لیکن ان میں ہر طرح کی روایات جمع کی گئی تھیں۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن امام اسحاق بن راہویہؒ کی مجلس میں حاضر تھا وہاں ہمارے اصحاب میں سے کسی کی زبان سے نکلا۔ کاش تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن کے بارے میں کوئی مختصر سی کتاب جمع کر دیتے یہ خطاب اگر چہ تمام حاضرین سے تھا مگر امام موصوف کے دل میں یہ بات اتر گئی پھر اس کو مہمیز لگی اس خواب سے جو امام موصوف نے دیکھا تھا کہ وہ پنکھا لے کر آنحضرت صلی علیہ وسلم کے اوپر سے مکھیاں اڑا رہے ہیں۔ جس کی تعبیر معبرین سے یہ دریافت ہوئی کہ امام بخاریؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے کذب کو دفع کریں گے۔ چنانچہ اس خواب نے آپ کے شوق و ہمت کو اور بلند کر دیا اور تالیف میں ہمہ تن مشغول ہو گئے۔ (ظفر: ص ١١٠)

طریق تالیف: اس کی تالیف میں امام صاحبؒ کو سولہ سال لگے اور طریق تالیف یہ تھا کہ پورے عرصہ میں جب آپ کسی حدیث کے لکھنے کا ارادہ کرتے تو کتاب میں لکھنے سے پہلے غسل کرتے استخارہ کر کے دو رکعت نفل ادا کرتے جب اس کی صحت پر خوب انشراح ہو جاتا تب اس کو کتاب میں جگہ دیتے تھے۔ (ظفر المحصلین: ص ١١١، سیر ١٢/ ٤٠٤) وكان يصلي لكل ترجمة ركعتين.

(۲) امام مسلم

نام ونسب: نام-مسلم،کنیت-ابوالحسن،لقب-عساکرالدین،سلسلہ نسب یوں ہے: مسلم بن الحجاج بن مسلم بن ورد ابن کوشاذ القشیری۔(سیر اعلام النبلاء ۱۲/۵۵۸،البدایۃ والنہایۃ ۱۱/۴۰)

ولادت باسعادت: امام مسلمؒ خراسان کے مشہور معروف شہر نیشاپور میں پیدا ہوئے،آپ کی تاریخ پیدائش میں اختلاف ہے ایک قول ۲۰۲ھ کا اور ایک قول کے مطابق ۲۰۶ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی۔امام حاکم نے آپ کا سن وفات ۲۶۱ھ لکھ کر مدت عمر پچپن سال بتائی ہے اس حساب سے سنہ ولادت ۲۰۶ھ ہی درست ہے نیز ابن الاثیر نے بھی جامع الاصول کے مقدمہ میں اسی کو راجح قرار دیا ہے۔(ظفر المحصلین)

سماع حدیث کے لئے اسفار کی ابتداء: علامہ ذہبیؒ نے آپ کے سماع حدیث کی ابتداء ۲۱۸ھ کو قرار دیا ہے گویا چودہ برس کی عمر سے سماعت کا زمانہ شروع ہوجاتا ہے،آپ نے مختلف مقامات کے اسفار کئے۔عراق،حجاز،شام،مصر وغیرہ تو متعدد مرتبہ تشریف لے گئے،جبکہ یہ اس زمانہ کی بات ہے،جس زمانہ میں سفر کرنا انتہائی دشوار گذار بات تھی۔آج کل کی طرح سہل اور آسان نہیں تھا۔(ظفر المحصلین)

شیوخ: آپ کے اساتذہ میں اسحاق بن راہویہ،امام ذہلی،یحییٰ بن یحییٰ،قتیبہ بن سعید،علی بن جعد،امام احمد بن حنبلؒ بطور خاص ذکر کئے جاتے ہیں۔نیز امام بخاریؒ سے ان کے نیشاپور میں قیام کے زمانہ میں بہت کچھ استفادہ کیا۔صحیح مسلم میں جن بزرگوں سے روایت کی ہے ان کی تعداد ۲۲۰ لکھی ہے۔(تہذیب الکمال ۷/۹۵)

تلامذہ: امام ابو عیسیٰ ترمذیؒ، احمد ابن ابی حاتم رازی، ابو بکر جارودی، ابو بکر بن خزیمہ ائمہ فن جیسے حضرات آپ کے تلامذہ میں داخل ہیں۔ (تاریخ بغداد۳/۱۰۳)

اخلاق، عادات، زھدو تقویٰ: آپ نے عمر بھر کسی کی غیبت نہیں کی اور نہ ہی کسی کو مارا اور نہ برا بھلا کہا، اس کے ساتھ ساتھ آپ کے قول و فعل میں یکسانیت تھی، تضاد کا وہاں گذر نہ تھا، آپ دن میں روزہ رکھتے، اور رات کو خدا کی یاد میں بسر کرتے۔

فضل و کمال کا اعتراف: پوری امت آپ کی امامت، جلالت شان اور علو مرتبت کو تسلیم کرتی ہے۔ چنانچہ اسحاق بن منصور فرماتے ہیں: **لن نعدم الخیر ما ابقاک للمسلمین.** بندار کہتے ہیں کہ دنیا میں حافظ حدیث چار ہیں: (۱) امام بخاری (۲) امام مسلم (۳) ابو زرعہ رازی (۴) امام دارمی۔ (تہذیب الکمال ۷/۹۷)

شغف علم کا ایک عجیب واقعہ: ایک دفعہ مجلس لگی اور ایک حدیث آپ کی خدمت میں پیش کی گئی آپ کو اس کا علم نہیں تھا چنانچہ گھر تشریف لے گئے۔ چراغ روشن کیا اور گھر والوں سے کہا کہ کوئی بھی میرے پاس نہ آئے۔ اور پھر حدیث تلاش کرنے لگے پاس ہی میں کھجور کی ایک ٹوکری رکھی ہوئی تھی اس میں سے ایک ایک کر کے کھجور اٹھا کر کھاتے رہے حتی کہ حدیث کی تلاش و جستجو میں اتنے محو ہوئے کہ صبح ہوگئی، کھجوریں بھی سب ختم ہوگئیں اور حدیث بھی مل گئی۔ یہی واقعہ آپ کی وفات کا سبب بنا۔ اس سے امام صاحب کی علمی شیفتگی اور انہماک کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ (تاریخ بغداد ۱۳/۱۰۳۰)

وفات: امام مسلمؒ نے ۲۵ رجب ۲۶۱ھ بروز یکشنبہ وفات پائی دوشنبہ کو جنازہ اٹھایا گیا اور نیشاپور کے باہر نصیر آباد میں دفن کئے گئے۔ ع

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے (البدایہ والنہایہ ۱۱/۴۲)

تصنیفات: آپ نے اپنی قلیل عمر میں بہت بڑا کارنامہ انجام دیا اور کئی کتابیں تصنیف کیں بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ کوئی کتاب بھی آپ کی تصنیف نہ ہوتی تو صرف صحیح مسلم ہی کافی تھی۔

نام ونسب: نام مالک، کنیت ابوعبداللہ، سلسلہ نسب اس طرح ہے: ابوعبداللہ مالک بن انس بن مالک بن عامر بن عمرو بن الحارث بن غیمان بن خثیل بن عمرو بن الحارث اصبحی مدنی۔ (سیر اعلام النبلاء ۸/ ۴۸)

ولادت: اصح قول کے مطابق ولادت ۹۳ھ ہے اور اسی سال حضرت انسؓ کی وفات ہوئی۔ (سیر اعلام النبلاء ۸/ ۴۹)

حلیہ مبارک: آپ طویل القامت اور فربہ بدن تھے، داڑھی گھنی تھی نیز مونچھوں کو ایک دم جڑ سے نہیں کاٹا کرتے تھے ان کا خیال تھا کہ اس طرح کرنا مثلہ ہے۔ نیز آپ لباس بھی عمدہ زیب تن فرمایا کرتے تھے، کہتے تھے: ما احب لاحد انعم اللہ علیہ الا ان یری اثر نعمته علیه. (سیر ۸/ ۶۹-۷۰) یعنی اللہ نے جس کو اپنی نعمت سے نوازا ہو اس پر اس کی نعمت کا اثر ظاہر ہونا چاہئے۔

نیز آپ فرمایا کرتے تھے احب للقاری ان یکون ابیض الثیاب.

بشر کہتے ہیں کہ ایک دفعہ امام مالکؒ کے پاس میرا جانا ہوا میں نے دیکھا کہ آپ ایک عمدہ قسم کی چادر زیب تن کئے ہوئے ہیں جس کی قیمت پانچ سو (درہم کے) برابر ہوگی جس میں بادشاہوں جیسی جھلک تھی۔ (اوجز المسالک ۱/ ۱۰۰، تذکرۃ الحفاظ للذہبی ۱/ ۲۰۷)

طلب علم: کم عمری ہی میں علم حاصل کرنا شروع کر دیا تھا چنانچہ محمد بن شہاب زہریؒ، یحیٰ بن سعید انصاریؒ نافع مولی عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہم، ہشام بن عروہ عبداللہ بن دینار وغیرہ سے بطور خاص علم حاصل کیا۔

فضائل ومناقب: آپ کے مناقب تو بے شمار ہیں جن کا احاطہ مقصود نہیں ہے بلاشبہ آپ حدیث رسول کے ایک سچے وارث اور بہت ہی ذہین وفطین تھے۔ آپ نے اس وقت تک فتویٰ نہیں دیا جب تک اس وقت کے ستر بڑے بڑے علماء نے اس بات کی شہادت نہ دیدی کہ امام مالک اس بات کے اہل ہو چکے ہیں۔ آپ کی عادت شریفہ تھی جب حدیث بیان کرتے تھے تو پہلے غسل کرتے نیا لباس زیب تن فرماتے، عمامہ باندھتے اور بہت ہی خشوع وخضوع اور وقار کے ساتھ مسند پر بیٹھتے اور مجلس میں شروع ہی سے عود کی دھونی دلواتے۔

دنیا سے بے رغبتی اتنی کہ پوری زندگی کرایہ کے مکان میں گذاردی چنانچہ مدینہ میں جس مکان میں رہتے تھے وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا گھر تھا۔ (اوجز المسالک ١/١٠١)

آپ کی مجلس انتہائی باوقار مجلس ہوا کرتی تھی۔ (سیر اعلام النبلاء ٨/٦٥)

علماء کا اعتراف: آپ کی شان میں بہت سے علماء نے بہت کچھ کہا ہے۔ مثلاً حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ حدیث یوشک ان یضرب الناس اکباد الابل فی طلب العلم فلا یجدون عالما اعلم من عالم المدینہ (الحدیث) کا مصداق میرے خیال میں حضرت امام مالکؒ ہی ہیں۔ نیز حضرت یونس کا قول ہے کہ میں نے امام شافعیؒ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اگر امام مالک اور ابن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز کا علم رخصت ہو جاتا۔ (الانتقاء: ٥٠، سیر ٨/٥٦) ابن وہب کہتے ہیں کہ اگر امام مالک اور لیث نہ ہوتے تو ہماری گمراہی کے لئے یہی کافی تھا۔ (سیر ٨/١١١)

تصانیف: متعدد کتب ورسائل آپ کی تصانیف ہیں ان سب میں سب سے اہم اور مشہور مؤطا امام مالک ہے۔

امام شافعیؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: ماظھر علی الارض کتاب بعد کتاب اللہ اصح من کتاب مالکؒ.

وفات: ١١ریا ١٤ ربیع الاول ١٧٩ھ کو آپ مالک حقیقی سے جا ملے۔ ❁❁

نام ونسب: نام محمد، کنیت ابوعبداللہ، والد کا نام ادریس سلسلہ نسب یوں ہے: محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن السائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن عبدالمطلب بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب القریشی ثم المطلبی الشافعی المکی الغزی۔ (سیر اعلام النبلاء ۵/۱۰)

ولادت: شام کے ایک شہر غزہ میں ۱۵۰ھ کو ایک بچہ پیدا ہوا کسی کو کیا معلوم تھا کہ یہ بچہ آگے چل کر کیا کارہائے نمایاں انجام دے گا اور قوم اس کو کن القاب سے یاد کرے گی یہی بچہ ہے کہ جس کو تاریخ امام شافعیؒ کے نام سے جانتی ہے۔ (سیر ۶/۱۰)

ابھی آپ دو سال ہی کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا پھر آپ کی والدہ مکہ مکرمہ لے آئیں اور یہیں آپ کی پرورش ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو غضب کی ذہانت عطا فرمائی تھی چنانچہ کچھ ہی دنوں میں تیراندازی میں ماہر ہو گئے اور ہم عمروں سے آگے بڑھ گئے عربیت اور شعر کی جانب توجہ کی اور اس میں بھی جلد ہی کمال حاصل کر لیا اس کے بعد فقہ کی طرف میلان ہوا اور ایسا میلان جو برابر ترقی کرتا رہا حتی کہ آج دنیا آپ کو ایک عظیم فقیہ کے نام سے یاد کرتی ہے۔ (سیر ۶/۱۰)

علمی اسفار: ابتداءِ عمر میں اپنے علاقہ میں ہی تعلیم حاصل کی چنانچہ سات سال کی عمر کو پہنچتے پہنچتے آپ مکمل قرآن کریم حفظ کر چکے تھے اور دس سال کی عمر میں مؤطا حفظ

یاد کر لی تھی۔آپ نے طلب علم کی خاطر دور دراز علاقوں کے اسفار کیئے۔(تاریخ بغداد۲/۶۰)

اساتذہ: آپ نے متعدد اساتذہ سے علم حاصل کیا جن میں مسلم بن خالد زنجی مفتی مکہ، داؤد بن عبد الرحمٰن عطار محمد بن علی بن شافع، سفیان بن عیینہ، سعید بن سالم سے مکہ مکرمہ میں بطور خاص اکتساب فیض کیا اور مدینہ طیبہ میں۔ مالک بن انس، ابراہیم بن ابی یحییٰ اسماعیل بن جعفر اور ابراہیم بن سعد وغیرہ۔ یمن میں مطرف بن مازن، ہشام بن یوسف القاضی۔

بغداد میں امام محمد بن حسن الشیبانیؒ سے بہت کچھ حاصل کیا اور ایک مدت تک ان کی خدمت میں ان کے ساتھ رہے اسی طرح اسماعیل بن علیہ، عبدالوہاب ثقفی وغیرہ آپ کے اساتذہ میں ہیں۔

تلامذہ: آپکے مشہور تلامذہ میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ، ابوثورؒ، یونس بن عبدالاعلیٰ، حرملہ بن یحییٰ، ربیع بن سلیمان المرادی، ربیع بن سلیمان المزنی ہیں۔تہذیب الکمال۶/۲۰۹)

فصاحت وبلاغت اور علماء کا اعتراف: فصاحت وبلاغت تو گویا آپ کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ بیان میں شیرینی، ذکاوت، ذہانت، حاضر دماغی گویا آپ ہی کا حصہ تھی۔حتی کہ ہم عصر علماء بھی اس کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکے اور ہر ایک نے آپ کے ورع وتقویٰ امانت، فقاہت، کرم وسخاوت، فصاحت وبلاغت، ذہانت وفطانت کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ حضرت سفیان بن عیینہؒ نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:ھذا افضل فتیان اهل زمانه (الانتقاء:۱۲۰)حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں:ان الله يقيض للناس في رؤس كل مائة من يعلمهم السنن وينفي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم الكذب قال فنظرنا فاذا في رأس المائة عمر بن عبد العزيز رحمه الله وفي رأس المائتين الشافعيؒ. (سیر۱۰/۶۴)

اخلاق: آپ محض عالم، فاضل، فصیح وبلیغ ہی نہیں تھے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ جود

وسخا کے پیکر اور انتہائی با اخلاق بلکہ معلم اخلاق تھے۔ تاریخ میں آپ کی جود وسخا کے واقعات بکثرت ملتے ہیں۔ حمیدی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ امام شافعیؒ یمن تشریف لے گئے اس کے بعد جب مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپ کے پاس دس ہزار دراہم تھے۔ آپ نے مکہ مکرمہ کے باہر ہی ایک خیمہ لگایا لوگ آتے رہے اور آپ ان کو عطاء فرماتے رہے حتی کہ تمام دراہم تقسیم کر دیئے۔ مزید واقعات دیکھئے (الانتقاء: ١٥٠، حلیۃ الاولیا ٩/١٣٢)

وفات: امام شافعیؒ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے بلکہ ایک امت سے تعبیر کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا مگر ہر ایک کو اس دار فانی سے جانا ہے چنانچہ رجب ٢٠٤ھ کو علم وعمل کا یہ آفتاب روشنی بکھیرتا ہوا روپوش ہو گیا۔ آپ کی تدفین سرزمین مصر میں عمل میں آئی۔ (سیر اعلام النبلاء ص: ١٠/٧٦)

﴿۵﴾ ﴿امام احمد بن حنبلؒ﴾

نام و نسب: نام احمد، کنیت ابوعبداللہ، شجرۂ نسب یوں ہے: ابوعبداللہ احمد بن حنبل بن ہلال بن اسد ابن ادریس بن عبداللہ بن حیان بن عبداللہ بن انس بن عوف بن قاسط ذہلی شیبانی مروزی ثم بغدادی۔

ولادت باسعادت: ماہ ربیع الاول ۱۶۴ھ کو بغداد میں پیدا ہوئے ایک قول کے مطابق آپ کی پیدائش "مرو" میں ہوئی پھر والدہ محترمہ بغداد لے آئیں۔ بچپن ہی میں جب آپ تین سال کے تھے والد محترم کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ (البدایہ والنہایہ ۱۰/۷۷۵)

تعلیم و تربیت: بغداد ہی میں پرورش پائی واضح رہے کہ اس وقت علمی دنیا میں بغداد کا بہت اونچا مقام تھا بڑے بڑے علماء وہاں موجود تھے آں موصوف نے علماء بغداد کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا اور جب سولہ سال کی عمر ہوئی مختلف شہروں میں جا جا کر وہاں کے علماء سے اکتساب فیض کیا۔ کوفہ، بصرہ، مکہ، مدینہ، یمن، شام، اور جزیرہ وغیرہ کے اسفار کئے۔ (البدایہ والنہایہ ۱۰/۷۷۵)

اساتذہ: آپ کے مشہور شیوخ میں بشر بن المفضل، اسماعیل بن علیہ، سفیان بن عیینہ، جریر بن عبدالحمید، یحیٰ بن سعید القطان، ابوداؤد طیالسی، عبداللہ بن نمیر، امام شافعیؒ، منذر وغیرہ آتے ہیں۔

تلامذہ: امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ابوداؤد، ابن مہدی، عبدالرزاق، ابوالولید،

وکیع، زید بن ہارون جیسے یگانہ روزگار آپکے شاگردوں میں ہوئے۔ (تہذیب التہذیب ۱/۲۵)

ہم عصر علماء کا اعتراف: آپ کے ہمعصروں میں قتیبہ بن سعید، داؤد، یحیٰ بن معین، علی بن المدینی، ابوحاتم رازی، ابوزرعہ رازی وغیرہ جبال علم نے آپ کے اعتراف علم وفضل کے ساتھ آپ سے روایت کی ہے۔ (تہذیب التہذیب ۱/۲۵)

زہد وورع: آپ زہدوورع، تقویٰ وطہارت کی جیتی جاگتی مثال تھے۔ ایک دفعہ آپ کے استاذ محترم حضرت امام شافعیؒ نے یمن کے منصب قضاء کے لئے تیار کیا تو کہنے لگے کہ میں تو آپ کے پاس اس لئے آیا تھا کہ آپ مجھے ایسے علم کی تعلیم دیں گے جس سے دنیا سے بے رغبتی پیدا ہو مگر آپ تو مجھے عہدۂ قضا سپرد کر رہے ہیں پھر کہا بخدا اگر علم کی بات نہ ہوتی تو آپ سے کبھی بھی بات نہ کرتا۔

ابوداؤد کہتے ہیں: کہ امام احمدؒ کی مجالس میں کبھی بھی دنیا کا تذکرہ نہیں ہوتا تھا ان کی مجلسیں آخرت کی یاددلایا کرتی تھیں۔ (سیر ۱۱/۱۹۹)

فقہ واجتہاد: آپ فقہ میں بڑے فقیہ سمجھے جاتے ہیں حتی کہ مستقل فقہ حنبلیؒ اس وقت دنیا میں موجود ہے جس کے سرخیل آپ ہی ہیں۔ بعض حضرات نے آپ کو کبار محدثین میں شمار کیا ہے فقہاء میں نہیں۔ جیسا کہ علامہ ابن عبدالبرؒ نے ''الانتقاء'' میں صرف ائمہ ثلاثہ: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے تذکرہ پر اکتفاء کیا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان حضرات نے آپ کی فقاہت کا انکار کیا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ فقہ کے مقابلے میں حدیث کا رنگ آپ پر زیادہ غالب تھا۔ مگر اس کے ساتھ آپ پر یہ بات بخوبی صادق آتی ہے کہ آپ محدثین میں ایک بڑے فقیہ اور فقہاء میں ایک محدث ہوئے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ۲/۴۳۱، اعلام المحدثین)

وفات: ستتر (۷۷) سال کی عمر میں ماہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ بروز جمعہ ۲۴۱ھ کو

سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔ (البدایہ والنہایہ ۱۰/۷۷۵)

ایک عجیب اتفاق: یہ بھی آپ کی ایک خصوصیت ہے کہ متعدد چیزوں میں آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت ہے۔ مثلاً نام "احمد" ہے۔ پیدائش ربیع الاول میں ہوئی بلکہ ایک قول کے مطابق ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی اور پھر اسی تاریخ اور اسی مہینہ میں وفات بھی پائی، نیز بچپن ہی میں یتیم بھی ہو گئے۔

ابتلاء وآزمائش: اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ کی پوری عمر کتاب وسنت کی ترویج وتشریح وتفہیم وتفسیر میں گذری حتی کہ اس راہ میں آپ کو بڑی مشقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ جب قرآن کے مخلوق وغیرہ ہونیکا مسئلہ چھڑا تو آپ اپنے اس موقف پر کہ قرآن مخلوق نہیں ہے ثابت قدمی کے ساتھ جمے رہے بلکہ اکھڑے ہوئے قدموں کو جمادیا۔ چنانچہ اس سلسلے میں آپ کو جیل بھی جانا پڑا۔ مخالفین نے بہت مظالم ڈھائے مگر پائے ثبات میں ذرالغزش نہ آئی۔

علمی آثار: (۱) مسند احمد (۲) كتاب السنة (۳) كتاب الزهد (۴) كتاب الورع والايمان (۵) كتاب في علل الحديث (۶) كتاب الاشربة (۷) كتاب الارجاء (۸) كتاب الناسخ والمنسوخ (۹) التفسير (۱۰) فضائل الصحابة.

مگر ان سب میں سب سے زیادہ اہم تصنیف ان کی کتاب "مسند احمد" ہے خود امام "احمد" فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو سات لاکھ پچاس ہزار احادیث سے منتخب کیا ہے، (القول المسدد فی الذب عن مسند احمد)

﴿٦﴾ ﴿امام ترمذیؒ﴾

نام ونسب: نام محمد، کنیت ابوعیسیٰ، سلسلہ نسب اس طرح ہے: ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی ترمذی۔ (سیر اعلام النبلاء ١٣/ ٢٧٠)

تاریخ پیدائش: اگرچہ صحیح طور پر کسی نے آپ کی تاریخ پیدائش نہیں لکھی مگر اکثر حضرات کا اس پر اتفاق ہے کہ وفات ٢٧٩ھ میں ہوئی اور علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ آپ کی عمر ستر (٧٠) سال ہوئی اس اعتبار سے تاریخ پیدائش ٢٠٩ھ معلوم ہوتی ہے۔

مولد ومسکن: آپ مقام ترمذ میں پیدا ہوئے جو جیحون (جس کو نہر بلخ بھی کہتے ہیں) کے ساحل پر واقع ہے لفظ ماوراء النہر میں بیشتر یہی نہر مراد لی گئی ہے کسی زمانے میں یہ نہایت شاندار اور مشہور شہر تھا لیکن اب صرف ایک قصبہ کی حیثیت کا رہ گیا ہے۔ (ظفر المحصلین ص ١٤٤)

تحصیل علم: امام ترمذیؒ جس دور میں پیدا ہوئے اس زمانے میں علم حدیث اپنے شباب کو پہنچا ہوا تھا امام بخاریؒ جیسے جلیل القدر محدث تشنگان علوم کی تشنگی کا سامان فراہم کررہے تھے آپ کو شروع ہی سے تحصیل علم کا شوق تھا۔ چنانچہ طلب حدیث کے لئے مختلف علاقوں، ملکوں کا سفر کیا، بصرہ، کوفہ، واسط، رے، خراسان اور حجاز میں برسوں زندگی گذاری۔ (ظفر ص: ١٤٥، سیر)

اساتذہ: امام بخاریؒ، امام مسلم، علی بن حجر مروزیؒ، قتیبہ بن سعید، محمد بن بشار،

ابو اسحاق ابراہیم بن سعید جوہری، بشر بن آدم، ہناد بن سری وغیرہ بڑے بڑے حضرات سے آپ کو شرف تلمذ حاصل ہے۔

لطیفہ: اگرچہ امام ترمذیؒ امام بخاریؒ کے مایہ ناز شاگرد ہیں اور ایک طویل زمانہ تک ان کی مصاحبت اختیار کی ہے اور علم حدیث ہی نہیں بلکہ تفقہ فی الحدیث بھی امام بخاریؒ سے سیکھا ہے۔ تاہم یہ شرف بھی ان کو حاصل رہا ہے کہ استاذ محترم امام بخاریؒ نے خود ان سے سماع حدیث کیا ہے اسی طرح امام مسلمؒ بھی گو امام ترمذیؒ کے استاذ ہیں مگر انہوں نے بھی ایک روایت صحیح مسلم میں امام ترمذیؒ سے روایت کی ہے اور وہ یہ ہے: **احصوا هلال شعبان لرمضان.** (ترمذی باب ماجاء فی احصاء هلال شعبان)

تلامذہ: حافظ عمر بن ملک فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ کے انتقال کے بعد امام ترمذیؒ کے ہم پلہ خراسان میں کوئی محدث نہیں تھا اس لئے ان کی ذات مرجع خلائق بن گئی ان کے تلامذہ میں خراسان وترکستان کے علاوہ دنیاء اسلام کے مختلف گوشوں کے حضرات ملتے ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ٢/٦٣٤)

قوت حافظہ: آں موصوف کو جیسے بڑے بڑے محدثین سے استفادہ کا موقع ملا ویسے ہی خداداد قوت حفظ بھی عطاء کی گئی تھی۔

واقعہ: آپ کی قوت حفظ کا ایک مشہور واقعہ درج کیا جا رہا ہے امام صاحبؒ نے دو جزء کے بقدر ایک شیخ کے واسطہ سے حدیثیں سنی تھیں ابھی ان کو پڑھ کر سنانے کا موقع نہ ملا تھا کہ حسن اتفاق مکہ مکرمہ کے راستے میں ان سے ملاقات ہوگئی امام ترمذیؒ نے اس موقع کو غنیمت جان کر قراءت اجزاء کی درخواست کی۔ شیخ نے منظور کر لی اور کہا کہ اجزاء نکال لو میں پڑھتا ہوں تم مقابلہ کرتے جاؤ، امام ترمذیؒ نے اجزاء تلاش کئے وہ ساتھ نہ تھے بہت گھبرائے بالآخر یہ صورت سمجھ میں آئی کہ دو سادہ کاغذ لے کر فرضی طور پر سننے میں مشغول ہو گئے شیخ نے

قراءت شروع کی اتفاق سے شیخ کی نظر ان سادہ کاغذوں پر پڑگئی، بہت ناراض ہوئے کہ تم میرا مذاق اڑاتے ہو اس پر امام ترمذیؒ نے صورت واقعہ بتائی اور کہا کہ اگر چہ وہ اجزاء میرے ساتھ نہیں ہیں مگر جو سن رہا ہوں وہ لکھے ہوئے سے زیادہ محفوظ ہے۔ شیخ نے کہا کہ سناؤ آپ نے فرفر سنادیا۔ شیخ کو خیال ہوا کہ شاید پہلے سے یاد ہوں گی اس لئے یقین نہیں کیا امام ترمذیؒ نے عرض کیا کہ آپ دوسری احادیث سنادیجئے اور امتحان لے لیجئے شیخ نے اپنی خاص چالیس احادیث اور پڑھیں امام ترمذیؒ نے ان کو بھی صحت کے ساتھ دہرا دیا تب شیخ کو ان کے حفظ کا یقین ہوا اور بہت تعجب کیا۔ (تہذیب التہذیب ۹/۳۸۸)

وفات: امام ترمذیؒ کا انتقال مشہور قول کے مطابق ۱۳؍رجب شب دوشنبہ ۲۷۹ھ کو خاص ترمذ میں ہوا آپ کی عمر مبارک ستر (۷۰) سال ہوئی آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ (ظفر: ص ۱۴۷، البدایہ والنہایہ)

آپ کے سن وفات اور مدت عمر کسی نے اس شعر میں جمع کیا ہے۔

الترمذی محمد ذو زین ☆ عطرٌ (۲۷۹) وفاة عمره فی عینٍ (۷۰)

تصانیف: امام ترمذیؒ کی پوری زندگی تصنیف وتالیف اور علوم نبویہ کی تشریح وترویج میں ہی گذری اور آپ کے قلم سے متعدد تصانیف نکلیں جن میں بطور خاص الجامع ہے جو سنن ترمذی کے نام سے مشہور اور صحاح ستہ میں داخل ہے۔ (۲) اسی طرح الشمائل (۳) العلل الکبیر (۴) کتاب الزهد (۵) کتاب التاریخ (۶) اسماء الصحابه (۷) الاسماء والکنی، مگر آپ کی تمام تصانیف میں جو شہرت سنن ترمذی کو حاصل ہے وہ کسی اور کو نہیں امام ترمذیؒ خود فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو مکمل کرنے کے بعد علماء حجاز وعراق اور علماء خراسان کے سامنے پیش کیا ان سب حضرات نے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا اور امام ممدوح

فرمایا کرتے تھے کہ جس گھر میں سنن ترمذی ہے اس گھر میں گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کلام فرمارہے ہیں۔(البدایہ والنہایہ)

اس کے ساتھ ساتھ سنن ترمذی اپنی بعض خصوصیات کی بنا پر دیگر سنن وجوامع سے بعض چیزوں میں ممتاز ہوجاتی ہے (١) ترتیب کی عمدگی اور تکرار کا نہ ہونا (٢) مذاہب فقہاء کا بیان اور ہر ایک کا مستدل (٣) احادیث پر صحت، حسن، ضعف، غرابت اور علت کا حکم لگانا (٤) راویوں کے نام مع القاب وکنیت بیان کرنا۔

سنن ترمذی کو پڑھنے والا ان خصوصیات کا احساس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ان ہی وجوہات کی بناء پر علماء نے کہاہے کہ سنن ترمذی مقلد ومجتہد ہر دو کے لئے کافی وشافی ہے۔

﴿۷﴾ ﴿امام ابوداؤدؒ﴾

نام ونسب: نام سلیمان، کنیت ابوداؤد، سلسلہ نسب یوں ہے: ابوداؤد سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو بن عمران الازدی السجستانی۔

سجستان: اس کے بارے میں مختلف اقوال ملتے ہیں مگر یاقوت حمویؒ نے لکھا ہے کہ یہ خراسان کے اطراف میں ہے اور اس کو سنجر بھی کہتے ہیں اور یہی صحیح بھی معلوم ہوتا ہے کیوں کہ صاحب معجم علمی لکھتے ہیں: سجستان ھی مدینۃ فی جنوب خراسان. (معجم البلدان ۳/۱۹۰)

ولادت: تیسری صدی ہجری کے آغاز یعنی ۲۰۲ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ تیسری صدی ہجری کا زمانہ تاریخ اسلام میں علمی حیثیت سے ایک اونچا مقام رکھتا ہے۔

تحصیل علم: آپ نے جس زمانہ میں ہوش سنبھالا اس وقت علم حدیث کا حلقہ بہت وسیع ہو چکا تھا آپ نے تحصیل علم کی خاطر دور دراز علاقوں کے اسفار کئے جن میں شام، حجاز، عراق، خراسان اور جزیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں کہ ان علاقوں وملکوں میں آپ کے بکثرت اسفار ہوئے اور اس زمانے کے بڑے بڑے اساتذہ وشیوخ سے علم حدیث حاصل کیا اور بغداد تو متعدد بار جانا ہوا حتی کہ زندگی کا اکثر حصہ وہیں گذرا اور وہیں اپنی سنن کی تالیف بھی کی اس کے بعد امام احمد بن حنبلؒ کے سامنے اس کو پیش کیا آپ نے اس کو بہت پسند

کیا۔ امام ابوداؤدؒ نے زندگی کے آخری ایام بصرہ میں گذارے جو اس وقت علم وفن کے لحاظ سے مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ (تاریخ طبری ۹/۴۸۱)

اساتذہ: آپ کے اساتذہ وشیوخ کی فہرست طویل ہے البتہ آپ کے اساتذہ میں (۱) امام احمد بن حنبل (۲) عبداللہ بن مسلمہ (۳) ابوعمر والضریر (۴) مسلم بن ابراہیم (۵) سلیمان بن حرب (۶) یحییٰ بن معین (۷) اسحاق بن راہویہ (۸) مسدد بن مسرہد (۹) محمد بن مثنی جیسے ائمہ فن داخل ہیں۔ (تاریخ بغداد ۹/۵۵)

تلامذہ: آپ کے تلامذہ کی ایک بڑی جماعت ہے آپکے حلقہ درس میں کبھی کبھی ہزاروں کا مجمع ہوتا تھا علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ ان کیلئے سب سے قابل فخر بات یہ ہے کہ امام ترمذیؒ اور امام نسائیؒ ان کے تلامذہ میں سے ہیں اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ خود امام احمد بن حنبلؒ تو آپکے اساتذہ میں ہیں مگر امام احمدؒ کے بعض اساتذہ نے امام ابوداؤد سے روایت کی ہے خود امام احمدؒ نے بھی حدیث عتیرہ۔ ان سے روایت کی ہے، امام ابوداؤد اس پر فخر کیا کرتے تھے ان کے علاوہ آپکے چار شاگرد جماعت محدثین کے پیشوا اور سردار ہوئے ہیں (۱) خود ان کے صاحبزادہ ابوبکر بن ابی داؤد (۲) لولوی (۳) ابن الاعرابی (۳) ابن داسہ۔ (ظفر المحصلین ص ۱۲۵)

قدردانی اسلاف: امام ابوداؤدؒ اپنے زمانے کے بعض اصحاب روایت کی طرح تنگ نظر بالکل نہیں تھے بلکہ ائمہ اہل الرائے یعنی فقہاء کا بہت ادب واحترام کرتے تھے بلکہ ان کی مساعی جمیلہ کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ علامہ ابن البر اندلسیؒ نے بسند متصل ان سے نقل کیا ہے کہ کہ امام ابوداؤد فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ امام شافعیؒ پر رحمت نازل فرمائے وہ امام تھے۔ اللہ تعالیٰ امام ابوحنیفہؒ پر رحمت نازل فرمائے کہ وہ امام تھے۔ اللہ تعالیٰ امام مالک پر رحمت نازل فرمائے کہ وہ امام تھے۔ (ظفر المحصلین ص ۱۲۵)

آپ کے فضل وکمال کا اعتراف: آپ کے بارے میں ابراہیم بن حرب جو اس زمانے کے بڑے محدث ہیں فرماتے ہیں کہ ابو داؤدؒ کے لئے حق تعالیٰ نے علم حدیث ایسا نرم کر دیا تھا جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہا نرم کر دیا گیا تھا۔ حافظ ابو طاہر نے اس مضمون کو پسند کر کے اس قطعہ میں نظم کیا ہے:

لان الحدیث علمہ وکمالہ
لامام اھلہ ابی داؤد
مثل الذی لان الحدید وسبکہ
لنبی اھل زمانہ داؤد

آپ کے ایک معاصر حافظ موسیٰ بن موسیٰ بن ہارون فرماتے ہیں کہ ابو داؤد دنیا میں حدیث کے لئے اور آخرت میں جنت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں میں نے ان سے افضل کسی کو نہیں دیکھا۔ امام حاکم فرماتے ہیں کہ امام ابو داؤد بلا شک وشبہ اپنے زمانے میں محدثین کے امام تھے۔ (ظفر المحصلین ص ۱۲۵)

وفات: علم وفن کا یہ آفتاب تہتر (۷۳) سال تک اپنی علمی کرنوں سے دنیا کو منور کرتا ہوا ۱۶ رشوال ۲۷۵ھ بروز جمعہ بصرہ کے ایک قبرستان میں روپوش ہوگیا۔ آپ کا مدفن امام ثوریؒ کے پہلو میں ہے۔ (معالم السنن ۱/۱۰)

تصانیف: متعدد کتابیں آپ کی تصانیف ہیں، مگر ان سب میں آپ کی سب سے زیادہ مشہور تصنیف سنن ہے۔

سنن ابی داؤد کا مقام: اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ صحت کے لحاظ سے صحیحین کا مقام سنن اربعہ سے بڑھا ہوا ہے مگر صحیحین کے بعد کس کا درجہ ہے اس بارے میں مختلف اقوال ملتے ہیں، لیکن صاحب مفتاح السعادۃ نے لکھا ہے کہ سب سے اونچا درجہ صحیح بخاری کا ہے پھر صحیح مسلم اور تیسرے درجہ پر سنن ابی داؤد آتی ہے۔ (ظفر المحصلین ص ۱۳۲) ❁❁

﴿امام نسائی﴾

نام ونسب: احمد نام، کنیت ابو عبد الرحمٰن، سلسلہ نسب اس طرح ہے: ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن بحر بن سنان بن دینار النسائی۔ (ظفر المحصلین)

مولد: آپ کی پیدائش ۲۱۵ھ میں مقام نساء میں ہوئی اسی کی طرف منسوب کرتے ہوئے آپ کو نسائی کہا جاتا ہے، آپ نے عمر کی ابتدائی منازل یہیں طے کیں اور یہیں پل کر جوان ہوئے۔ خراسان و ماوراء النہر کا علاقہ علم وفن کے لحاظ سے بڑا زرخیز و مردم خیز رہا ہے امام نسائی بھی اسی خاک کے ایک مایۂ ناز فرزند تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۴/۱۲۵)

تحصیل علم: اپنے شہر کے بیشتر علماء سے ابتدائی تعلیم حاصل کی اور پھر عراق، حجاز، شام، مصر، جزیرہ، جاکر وہاں کے مشاہیر علماء کرام سے اکتساب فیض کیا۔ (سیر ۱۴/۱۲۷)

مصر میں مستقل اقامت: آپ کو مصر کی آب وہوا پسند آ گئی اور پھر وہاں کی آب وہوا نے کہیں اور جانے نہ دیا چنانچہ وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی اسی بناء پر آپ کی تصانیف اسی اطراف میں زیادہ تر پھیلیں۔ آپ کے چشمۂ فیض سے بہت سے تشنگان علوم نے اپنی تشنگی دور کی، آپ مصر کے جس محلّہ میں رہتے تھے اس کو "زقاق القنادیل" کے نام سے جانا جاتا تھا۔ (سیر ۱۴/ ۱۲۷، معجم البلدان ۳/ ۱۴۵)

اساتذہ: آپ نے اساتذہ کی کثیر تعداد سے سماع کیا جن میں بطور خاص اسحاق بن راہویہ، محمد بن نصر، علی بن حجر، یونس بن عبد الاعلی، محمد بن بشار، امام ابو داؤد سجستانی جیسے

حضرات آپ کے اساتذہ میں داخل ہیں۔ نیز قتیبہ بن سعید کی خدمت میں آپ نے پندرہ سال کی عمر میں حاضری دی اور مسلسل ایک سال دو مہینے ان کی صحبت فیض میں رہ کر استفادہ کرتے رہے۔ اسی طرح ہشام بن عمار، علی بن خشرم، سوید بن نصر، احمد بن منیع سے بھی آپ نے استفادہ کیا۔ (سیر ۱۴/۱۲۵)

عام حالات زندگی: امام نسائی نے سنت نبویہ کی ترویج و اشاعت اور بدعت کی بیخ کنی میں اپنی زندگی صرف کردی، بادشاہوں کی مجلس سے ہمیشہ گریز کیا اس کے باوجود فارغ البال تھے، بہترین غذائیں استعمال کرتے تھے۔ مرغ پالتے اور خوب فربہ کر کے کھاتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۴/۱۲۸-۱۳۲)

زھد وتقوی: آپ زہد وتقویٰ میں یکتائے روزگار تھے۔ صوم داؤدی ہمیشہ رکھا کرتے تھے، رجال کے بارے میں بہت زیادہ غور وخوض کرتے اور بہت ہی احتیاط سے کام لیتے اسی بناء پر کہا جاتا ہے کہ رجال کے بارے میں ان کی شرائط امام مسلمؒ سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ اسی طرح الفاظ میں غایت درجہ کا اہتمام کرتے چنانچہ ایسا نہیں ہوسکتا تھا کہ "حدثنا" کی جگہ "اخبرنا" اور "اخبرنا" کی جگہ "حدثنا" کہہ دیں۔ یہ ان کے انتہائی ورع وتقوی کی علامت ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۴/۱۲۸-۱۳۱ ظفر المحصلین)

معاصرین کا اعتراف: علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ وہ علم کا ایک سمندر تھے فہم وذکاوت، ذہانت وفطانت فن رجال میں مہارت تامہ، مختلف ممالک اسلامیہ میں طلب علم کی خاطر اسفار کرنا اور پھر حفاظ حدیث کا کثرت سے آپ کے پاس اکتساب فیض کے لئے آنا یہ ایسے اوصاف ہیں کہ ان کے زمانے میں کوئی ان کا ہم پلہ نہیں تھا۔ (سیر النبلاء ۱۴/۱۲۷-۱۳۱)

نیز علامہ سیوطیؒ، ابن کثیر اور ابن حجر وغیرہ نے ان کی شان میں بہت سے علماء کے اقوال نقل کئے ہیں۔ (طبقات الحفاظ، البدایہ والنہایہ، تہذیب التہذیب)

تلامذہ: آپ کے تلامذہ میں دنیاءاسلام کے مختلف علاقوں کے لوگ پائے جاتے ہیں، خلق کثیر نے آپ سے استفادہ کیا کچھ تلامذہ کے نام درج ذیل ہیں: (۱) ابو بشر دوالابی (۲) ابوجعفر طحاوی (۳) ابوعلی نیشاپوری (۴) حمزہ بن محمد کنانی (۵) سلیمان ابن احمد طبرانی۔

امام نسائی اور تشیع: امام نسائیؒ کی جانب یہ بات منسوب کی جاتی ہے کہ تشیع کی جانب آپ کا میلان تھا حالانکہ بات ایسی نہیں ہے دراصل بات یہ تھی کہ ملک شام میں خارجیت کا زور تھا حضرت علیؓ کے مخالفین بڑی تعداد میں موجود تھے تو آپ نے حضرت علیؓ اور اہل بیت کے فضائل پر مشتمل ایک ''خصائص'' نامی کتاب لکھی تا کہ لوگ حقیقت کو پہچانیں اور حضرت علیؓ سے بغض رکھ کر اپنی عاقبت خراب کرنے سے بچ جائیں، چنانچہ اس کا سبب انہوں نے خود بیان کیا ہے۔ دخلت دمشق والمنحرف عن علی بها کثیر فصنفت کتاب الخصائص رجوت ان یهدیهم الله. اور تشیع سے آپ کا کوئی واسطہ نہیں چنانچہ فضائل صحابہؓ پر آپ نے ''فضائل الصحابہ'' نامی کتاب لکھی ہے جو اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۴/۱۲۹)

وفات: صفر کی تیرہ (۱۳) تاریخ ۳۰۳ھ بروز پیر کو امام نسائیؒ اس دار فانی سے کوچ کر گئے مکان وفات میں مختلف اقوال ملتے ہیں مگر علامہ ذہبیؒ نے سیر اعلام النبلاء میں اس قول کو ترجیح دی ہے کہ فلسطین کے شہر ''رملہ'' میں آپ کی وفات ہوئی۔ (سیر ۱۴/۱۳۳)

تالیفات وتصنیفات: امام نسائیؒ نے اپنے پیچھے کافی علمی ذخیرہ چھوڑا ہے جن میں سے کچھ کتابیں حسب ذیل ہیں: (۱) السنن الکبریٰ (۲) خصائص علیؓ (۳) مسند علیؓ (۴) مسند مالک (۵) الکنی (۶) عمل الیوم واللیلة (۷) اسماء الرواة (۸) فضائل الصحابة (۹) کتاب المدلسین (۱۰) مسند منصور بن زاذان (۱۱) کتاب الضعفاء والمتروکین (۱۲) اسماء الرواة والتمییز بینهم

(۱۳) الضعفاء والاخوة ما اغرب شعبة علی سفیان وسفیان علی شعبة

(۱۴) المجتبی المعروف به سنن نسائی.

مگر ان سب میں جو شہرت المجتبیٰ (سنن نسائی) کو ہوئی وہ دیگر کتابوں کو نہیں ہوئی۔

وجہ تالیف: جب امام نسائی سنن کبری کی تالیف سے فارغ ہوئے تو اس کو امیر رملہ کی خدمت میں پیش کیا امیر نے معلوم کیا کہ کیا اس کی تمام احادیث صحیح ہیں آپ نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ اس میں صحیح، حسن اور ان کے قریب قریب درجہ کی روایات ہیں اس پر امیر رملہ نے کہا کہ آپ میرے لئے ایک ایسا مجموعہ تیار کردیجئے جس میں تمام روایات صحیح ہوں چنانچہ آپ نے سنن صغری تصنیف کی جس کو مجتبیٰ بھی کہتے ہیں، اور ''سنن نسائی'' کے نام سے معروف ہے اور صحاح ستہ میں داخل ہے۔ (مناہج المحدثین ۲/۳۰۲)

بعض حضرات نے اس کو (المجتبیٰ) کو ابن السنی کی تصنیف قرار دیا ہے جو امام نسائی کے شاگرد ہیں یعنی یہ کہ ابن السنی نے امام نسائی کی سنن کبریٰ کا اختصار کر کے اس کا نام المجتبیٰ رکھا ہے مگر امام نسائی کا خود اپنا بیان جو ان کے شاگرد ابن الاحمرؒ نے نقل کیا ہے وہ یہ بتاتا ہے کہ یہ امام موصوف ہی کی تصنیف ہے۔ قول یہ ہے: کتاب السنن الکبریٰ بعضه معلول الا انه یبینه و المنتخب المسمّٰی ''بالمجتبیٰ'' صحیح. یعنی سنن کبری کا بیشتر حصہ تو صحیح ہے ہاں بعض احادیث معلول ہیں۔ البتہ ان کے معلول ہونے کو بیان کردیا گیا ہے لیکن اس میں سے جو روایات منتخب کی گئی ہیں جو المجتبیٰ کے نام سے موسوم ہے وہ تمام تر صحیح ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سنن کبری کا اختصار ابن السنی نے استاذ محترم کی نگرانی میں رہ کر کیا ہے اور اس طرح دونوں باتوں میں تطبیق ممکن ہے۔ (ظفر المحصلین: ۱۵۷)

﴿۹﴾ ﴿امام ابن ماجہؒ﴾

نام ونسب: نام محمد، کنیت ابوعبداللہ، عام کتابوں میں دادا کا نام نہیں ہے، لیکن حضرت شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب بستان المحدثین میں دادا کا نام عبداللہ تحریر کیا ہے۔ اب سلسلہ نسب یوں ہوگا: ابوعبداللہ محمد بن یزید بن عبداللہ ابن ماجہ الربعی۔ (ظفر المحصلین)

ماجہ: اس بارے میں مختلف اقوال ہیں ایک قول یہ ہے کہ یہ آپ کی والدہ کا نام ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے بھی ''بستان المحدثین'' میں اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔

مگر دوسری طرف شاہ صاحبؒ نے عجالہ نافعہ میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ ماجہ آپ کے والد کا لقب ہے دادا کا نہیں اور ماں کا نام بھی نہیں ہے، محدث رافعیؒ تاریخ قزوین میں آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کا نام محمد بن یزید ہے اور ماجہ یزید کا لقب ہے اور یہ فارسی نام ہے۔

حافظ ابن کثیر نے بھی البدایہ والنہایہ ۱۱/۵۲ میں نقل کیا ہے کہ ماجہ یزید کا عرف تھا۔

نیز خود امام ابن ماجہ کے مشہور شاگرد حافظ ابوالحسن بن القطان کا بیان موجود ہے جس میں وہ نہایت یقین کے ساتھ اس بات کی صراحت کرتے ہیں کہ ماجہ آپ کے والد کا لقب تھا دادا کا نہیں۔

ولادت: آپ کی ولادت باسعادت ۲۰۹ھ میں ایران کے شہر قزوین میں ہوئی۔ (سیر ۱۳/۲۷۷)

اسفار: امام ابن ماجہؒ جب اکیس بائیس سال کے ہوئے تو آپ نے مختلف ممالک اسلامیہ کے اسفار کئے۔ جیسے خراسان، عراق، حجاز، مصر، شام اور مختلف شہروں مثلاً کوفہ، بصرہ، بغداد، رے، مکہ، دمشق وغیرہ بھی جانا ہوا۔ (ظفر المحصلین، سیر۱۳/۲۷۹)

اساتذہ: آپ نے بیشمار اساتذہ سے اکتساب فیض کیا جن میں سے علی بن محمد طنافسی، جبارۃ بن المغلس، مصعب بن عبداللہ زبیری، سوید بن سعید، ہشام بن عمار وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ (سیر۱۳/۲۷۷)

تلامذہ: آپ کے شاگردوں میں محمد بن عیسٰی ابہری، ابوالطیب احمد بن روح بغدادی، ابوالحسن علی بن ابراہیم قطان، علی بن سعید بن عبداللہ عسکری، ابراہیم بن دینار، جرش ہمدانی وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ (سیر۱۳/۲۷۸)

علماء کا حسن اعتراف: علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں۔ بلاشبہ آپ حافظ حدیث، صدوق تھے۔ نیز آپ کو علم سے وافر حصہ ملا تھا۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ابن ماجہ صاحب السنن المشهورة وهي دالة على علمه وعمله وتبحره واطلاعه واتباعه السنن في الاصول والفروع. (البدایۃ والنہایہ۱۱/۵۲)

ابن خلکان لکھتے ہیں: كان اماما في الحديث عارفا بعلومه وجميع ما يتعلق به. (وفیات الاعیان۳/۳۰۸)

فقاہت: امام ابن ماجہ صرف محدث ہی نہ تھے بلکہ زبردست فقیہ بھی تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ آپ کا میلان مسلک حنبلی کی جانب تھا مگر علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ آپ مسلک شافعی کی جانب میلان رکھتے تھے بلکہ درجہ اجتہاد پر فائز تھے البتہ اتنا ہے کہ امام اسحاق بن راہویہ، ابوعبیدہ، ائمہ متبوعین میں امام احمدؒ، امام شافعیؒ چونکہ محدثین میں شمار ہوتے ہیں اس لئے ان کی جانب رجحان تھا اور یہی وجہ ہے کہ امام ابن ماجہ کے اقوال ان حضرات کے اقوال سے ملتے جلتے ہیں۔

وفات: بروز پیر ۲۲ رمضان کوزندگی کی چونسٹھ (۶۴) بہاریں گذار کر ۲۷۳ھ میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ اور منگل کو تدفین عمل میں آئی (سیر ۱۳/۲۷۹، تاریخ ابن عساکر ۱۶/۶۴)

تصانیف: (۱) التفسیر: جس کے متعلق حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے: ولابن ماجۃ تفسیر حافل۔ اس صراحت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ایک ضخیم تفسیر ہے اس میں امام ابن ماجہؒ نے قرآن کی تفسیر میں جس قدر احادیث اقوال صحابہ وتابعین مل سکتے ہیں ان سب کو با لاسناد روایت کیا ہے۔

(۲) التاریخ: اس میں دور صحابہؓ سے لے کر دور مصنفؒ تک کی تاریخ ہے۔ نیز اس میں بلاد اسلامیہ اور راویان حدیث کے حالات قلمبند کئے گئے ہیں۔

(۳) السنن: امام ابن ماجہ کی یہ وہ شہرہ آفاق تصنیف ہے جسکا شمار صحاح ستہ میں ہوتا ہے۔

سنن ابن ماجه کا مقام: سنن ابن ماجہ کو صحاح میں شامل کرنے والے سب سے پہلے شخص ابن طاہر مقدسی اور اس کے بعد عبدالغنی مقدسی ہیں پھر اکثر مصنفین نے اس رائے سے اتفاق کیا اور صحاح ستہ میں اس کو شمار کرنے لگے ورنہ تو پہلے مؤطا کو یہ مقام حاصل تھا۔ (ظفر المحصلین) سنن ابن ماجہ میں کتب ستہ کی بہ نسبت ضعیف احادیث زیادہ ہیں اس لئے اس کا درجہ صحاح ستہ میں سب سے بعد میں آتا ہے۔

مگر اس کی بھی ایک وجہ ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ امام ابن ماجہ اس پر قادر نہ تھے کہ وہ بھی دیگر صحاح کے مؤلفین کی طرح کڑی شرائط کے ساتھ روایت لاتے۔ بلکہ وہ اس پر اچھی طرح قادر تھے مگر اس کے باوجود اپنی شرائط کو نرم رکھا مقصد یہ تھا کہ وہ روایات جو دوسری کتابوں میں چھوٹ گئی ہیں وہ روایات بھی آجائیں اور محفوظ ہو جائیں۔ (ظفر المحصلین)

تعداد روایات ابن ماجه: سنن ابن ماجہ کی کل روایات (۴۳۴۱) جن کا انتخاب امام موصوف نے لاکھوں احادیث سے کیا ہے۔ (ظفر المحصلین، سیر ۱۳/۲۸۰)

﴿۱۰﴾ ﴿امام دارمیؒ﴾

نام و نسب: نام عبداللہ، کنیت ابومحمد، سلسلہ نسب یوں ہے: عبداللہ بن عبدالرحمان بن الفضل بن بہرام التمیمی الدارمی السمرقندی۔

ولادت: ۱۸۱ھ مطابق ۷۹۷ء کو آپ پیدا ہوئے اور اسی سال ابن مبارکؒ کا انتقال ہوا۔

اسفار: آپ نے سماع حدیث کے لئے مختلف ممالک کے اسفار کئے جن میں حجاز، شام، مصر، عراق، خراسان بھی شامل ہیں۔

عہدہ قضا: آپ بہت ہی ذہین و فطین تھے تفسیر میں آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی، فقہ میں اپنی مثال آپ تھے۔ ذہانت، بردباری، دانشمندی، عبادت وریاضت، زہد وتقوی، اجتہاد واستنباط میں آپ کی مثال دی جاتی ہے۔ یہی وہ اوصاف تھے کہ جن کی بناء پر سمرقند میں آپ کے عہدۂ قضاء سپرد کیا گیا مگر انکار کردیا اس کے بعد سلطان وقت کے زیادہ اصرار پر آپ کو قاضی بنادیا گیا لیکن آپ کی طبیعت نے اس کو گوارہ نہ کیا اور صرف ایک فیصلہ دینے کے بعد استعفیٰ دیدیا۔ (اعلام ۴/۹۵، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۲۲۸)

علماء کا حسن اعتراف: عبدالصمد بن سلیمان بلخی کا بیان ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے یحیٰی حمانی کے بارے میں امام احمد بن حنبلؒ سے دریافت کیا تو آپ نے جواب دیا: ترکناہ لقول عبداللہ بن عبدالرحمان لانہ امام.

محمد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عبدالرحمان (امام دارمیؒ) ورع وتقوی اور حفظ میں ہم سب پر غالب آ گئے۔ (سیر۲/۲۲۶)

اسی طرح محمد بن عبداللہ مخزمی فرماتے ہیں کہ جب تک عبداللہ بن عبدالرحمان تمہارے درمیان موجود ہیں اس وقت تک تمہیں دوسرے کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

محمد بن بشار کہتے ہیں کہ حفاظ حدیث دنیا میں چار ہیں جن میں سے ایک عبداللہ بن عبدالرحمان سمرقندی (امام دارمیؒ) ہیں۔ (سیر۱۲/۲۲۶)

اساتذہ: (۱) یزید بن ہارون (۲) یعلی بن عبید (۳) جعفر بن عون (۴) بشر بن عمر الزہرانی (۵) ابوعلی عبید اللہ بن عبدالمجید الحنفی (۶) ابوبکر عبدالکبیر (۷) محمد بن بکر البرسانی (۸) زکریا بن عدی (۹) ابونعیم (۱۰) محمد بن یوسف الفریابی۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۲/۲۲۴)

تلامذہ: آپ سے ایک خلق کثیر نے استفادہ کیا بڑے بڑے علما اور محدثین آپ کے شاگردوں میں ہوئے۔ (۱) امام مسلم (۲) امام ابوداؤد (۳) امام ترمذی (۴) محمد بن بشار (۵) عبد بن حمید (۶) حسن بن صباح جیسے یکتائے روزگار آپ کے شاگردوں کی فہرست میں آتے ہیں۔

وفات: ۲۵۵ھ مطابق ۸۶۹ء کو آپ کی وفات ہوئی۔ (الاعلام ۴/۹۵)

تصانیف: آپ کی تصانیف میں () المسند فن حدیث میں () الجامع الصحیح المسمی لسنن الدارمی () التفسیر عمدۃ تصانیف ہیں۔ (الاعلام ۴/۹۵، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۲۲۸)

﴿١١﴾ ﴿امام دار قطنیؒ﴾

نام ونسب: نام علی، کنیت ابوالحسن، سلسلہ نسب اس طرح ہے: علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن النعمان بن دینار بن عبداللہ دار قطنی شافعیؒ۔ (تاریخ بغداد ١٢/٣٤)

تاریخ پیدائش: بغداد کے ایک محلّہ ''دار قطن'' میں ٣٠٦ھ مطابق ٩١٩ء کو آپ کی پیدائش ہوئی۔ (سیر اعلام النبلاء ١٦/٤٤٩)

علمی رحلت: آپ مصر تشریف لے گئے وہاں ابن حنزابہ وزیر کافور خشیری نے آپ کی مسند کی تالیف میں معاونت کی۔ اسکے بعد آپ بغداد واپس تشریف لے آئے۔

مختلف علوم وفنون میں مہارت: علم حدیث کے ساتھ ساتھ دیگر علوم وفنون میں کامل درجہ کی مہارت رکھتے تھے۔ آپ امام وقت اور یکتائے روزگار تھے۔ علل حدیث کی معرفت۔ اسماء رجال پر گہری نظر تھی۔ نیز راویوں کے احوال کی جانچ پرکھ انتہائی سچائی اور دیانتداری کے ساتھ کرتے تھے۔ (تاریخ بغداد ١٢/٣٤)

علماء کا حسن اعتراف: خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ میں نے ان لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا جنہیں علوم قرآن میں کوئی معرفت اور گہری دلچسپی ہے۔ کہ امام ابوالحسن (دار قطنیؒ) سے پہلے اس راہ پر کوئی نہ چلا جس راہ کو امام دار قطنیؒ نے اختیار کیا یعنی مختلف قراءتوں کو باب درباب بیان کیا اور اس موضوع پر سب سے پہلے کتاب لکھی۔ چنانچہ بعد کے تمام قراء آپ ہی کے خوشہ چیں ہیں نیز مذاہب فقہاء پر بھی آپ گہری نظر رکھتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء

۴۵۲/۱۶، تاریخ بغداد ۱۲/۳۴)

رجاء بن محمد بن عیسیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے دار قطنیؒ سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے اپنے جیسا کسی کو پایا ہے۔ دار قطنیؒ نے میرے سامنے یہ آیت پڑھی: ''فلا تزکوا انفسکم'' الآیۃ. (یعنی مقصد یہ تھا کہ میں اپنے بارے میں کیسے بتاؤں جبکہ قرآن کا فرمان ہے کہ اپنے آپ کو پاکباز نہ سمجھو) ''رجاء'' کہتے ہیں کہ میں نے کہا۔ میرا یہ مقصد نہیں ہے کہ میں کسی ایسی شخصیت کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں کہ جس کے بارے میں یہ کہہ سکوں کہ میں نے ایسے شخص کو دیکھا ہے جس کے ہمعصروں میں اس کا ہم پلہ کوئی نہیں تھا۔ تب امام دار قطنیؒ نے کہا کہ اگر تم ایک فن کی بات کرتے ہو تو مجھ سے افضل بہت ملیں گے۔ لیکن وہ علوم وفنون جو میرے پاس موجود ہیں وہ کسی دوسرے میں موجود نہیں کہ وہ مجھ سے افضل ہو۔ (تاریخ بغداد ۱۲/۳۵، سیر اعلام النبلاء ۱۶/۴۵۵)

آپ کی ذہانت کا ایک عجیب واقعہ: رجاء بن محمد انصاری کہتے ہیں کہ ایک دن ہم امام دار قطنی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور وہ نفل نماز میں مشغول تھے پڑھنے والا حدیث کی قراءت کر رہا تھا چنانچہ ایک حدیث آئی جس میں نسیر بن دغلوق راوی کا ذکر تھا قاری نے کشیر بن دغلوق پڑھا۔ آپ نے بطور تعجب کہا: سبحان اللہ، قاری نے دوبارہ بشیر بن دغلوق پڑھا، آپ نے پھر سبحان اللہ کہا قاری نے تیسری مرتبہ یسیر بن دغلوق پڑھا تب آپ نے ن والقلم ومایسطرون والی آیت پڑھی یعنی اشارہ تھا کہ شروع میں ''نون'' ہے چنانچہ پھر قاری نے اس کو صحیح کر کے نسیر بن دغلوق پڑھا۔ اس طرح کے اور بھی واقعات ہیں۔ (تاریخ بغداد ۱۲/۳۸، سیر اعلام النبلاء ۱۶/۴۵۵)

اساتذہ: آپ کے اساتذہ کی بھی ایک طویل فہرست ہے۔ مثلاً (۱) ابوالقاسم بغوی (۲) ابوبکر بن ابی داؤد (۳) یحییٰ بن صاعدی (۴) بدر بن الہیثم القاضی (۵) احمد بن

اسحاق بہلول (۶) یوسف بن یعقوب نیشاپوری (۷) عبداللہ بن محمد بن سعید الجمال ۔

تلامذہ: (۱) ابونعیم اصبہانی (۲) ابوبکر البرقانی (۳) ابوالقاسم بن بشران (۴) حمزہ بن محمد بن طاہر (۵) عبدالعزیز الازجی (۶) ابوبکر بن بشران (۷) قاضی ابوالطیب الطبری وغیرہ وغیرہ۔

وفات: ۳۸۵ھ مطابق ۹۹۵ء کو بغداد میں وفات ہوئی۔

تصانیف: (۱) السنن (۲) العلل الواردة فی الاحادیث النبویة (۳) المجتبیٰ من السنن الماثورة (۴) المؤتلف والمختلف (۵) الضعفاء (۶) اخبار عمرو بن عبید (الاعلام ۴/۳۱۴، تاریخ بغداد ۱۲/۳۴، سیر اعلام النبلاء ۱۶/۴۴۹)

﴿١٢﴾ ﴿امام بیہقیؒ﴾

نام و نسب: نام احمد، کنیت ابو بکر، سلسلہ نسب یوں ہے: ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن موسی الخسر وجروی البیہقی.

مولد ومسکن: ماہ شعبان ٣٨٤ھ کو خسر وجرو میں پیدا ہوئے جو نیشاپور میں بیہق کے نواح میں ایک گاؤں ہے۔

حصول تعلیم اور اسفار: آپ کی تربیت بیہق میں ہوئی، یہیں رہ کر مختلف علماء سے علم حاصل کیا اس کے بعد حصول علم کے لئے بغداد، کوفہ، مکہ اور دیگر علاقوں کے اسفار کئے اور پھر نیشاپور میں اقامت اختیار کر لی اور تا دم حیات وہیں مقیم رہے۔ بعد از وفات ان کی نعش مبارک بیہق لائی گئی اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔ (تذکرۃ الحفاظ ٣/١٣٢)

علماء کا حسن اعتراف: امام الحرمین فرماتے ہیں کہ کوئی شافعی ایسا نہیں جس پر امام شافعی کا احسان نہ ہو سوائے امام بیہقی کے۔ نیز فرماتے ہیں کہ (اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا) کہ امام بیہقی کا امام شافعیؒ پر یک گونہ احسان ہے، اس طور پر کہ امام بیہقی نے امام شافعیؒ کے مذہب کو بہت زیادہ نکھارا ہے۔ اور شافعیت کی تائید میں بہت ساری کتابیں تصنیف کی ہیں نیز مذہب شوافع کے مختصر مقامات کی عمدہ شرح فرمائی اور امام شافعیؒ کی آراء کو دلائل سے مبرہن کیا۔ (الاعلام ١/١١٦، تذکرۃ الحفاظ ٣/١١٢٢)

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ اگر امام بیہقیؒ چاہتے تو مستقل ایک مسلک قائم فرما سکتے تھے

اور وہ اس پر اچھی طرح قادر تھے کیونکہ ان کے پاس علوم کے ذخائر تھے اور اختلاف علماء پر گہری نظر تھی۔ (الاعلام)

اساتذہ: (۱) ابوالحسن محمد بن الحسین العلوی (۲) ابوعبداللہ حاکم (۳) ابوطاہر بن محمش (۴) ابوبکر بن فورک (۵) عبداللہ بن یوسف بن بانویہ (۶) ابوعبدالرحمان السلمی (۷) ابوالحسین بن بشران (۸) ابن یعقوب الایادی وغیرہ۔ (تذکرۃ الحفاظ ۳/۱۱۳۲)

تلامذہ: (۱) شیخ الاسلام ابو اسماعیل انصاری (۲) ابوالحسن عبید اللہ بن محمد (۳) اسماعیل بن احمد (۴) ابوعبداللہ الفراوی (۵) ابوالقاسم اشحامی (۶) عبدالجبار بن عبدالوہاب (۷) عبدالحمید بن محمد۔ (تذکرۃ الحفاظ ۳/۱۱۳۲)

وفات: ۴۵۸ھ مطابق ۹۹۴ء کو امام بیہقیؒ نے اس دار فانی کو الوداع کہا اور مالک حقیقی سے جا ملے۔

تصانیف: آپ کی تصانیف تقریباً ایک ہزار ہیں جن میں سے (۱) سنن کبری ۱۰ رجلدیں (۲) سنن صغری (۳) معارف (۴) الاسماء والصفات (۵) دلائل النبوۃ (۶) الآداب (۷) الترغیب والترھیب (۸) المبسوط۔ آپ کی قابل ذکر یادگار ہیں۔ (الاعلام ۱/۱۱۶، تذکرۃ الحفاظ ۳/۱۱۳۲)

﴿۱۳﴾ ﴿امام رزینؒ﴾

نام ونسب: نام رزین، کنیت ابوالحسن، سلسلہ نسب اس طرح ہے: ابوالحسن رزین بن معاویہ بن عمار العبدری الاندلسی۔ (سیر اعلام النبلاء ٢٠/٢٠٤)

جائے پیدائش: آپ سَرَقُسطَۃ کے رہنے والے تھے جو اندلس میں پڑتا ہے اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو سَرَقُسطی بھی کہا جاتا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ٢٠/٢٠٥)

مجاورت مکہ مکرمہ: ایک زمانہ تک آپ مکہ مکرمہ میں رہے بلکہ حرم مکی میں مالکیہ کے امام تھے۔ صاحب اعلام نے آپ کو "امام الحرمین" لکھا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ حرم مکی اور حرم مدنی دونوں میں امام رہ چکے ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء ٢٠/٢٠٥)

اساتذہ: مکہ المکرّمہ میں ہی عیسیٰ بن ابی ذر سے صحیح بخاری کی سماعت کی اور ابو عبد اللہ طبری سے صحیح مسلم کی سماعت کی۔ (سیر اعلام النبلاء ٢٠/٢٠٥)

تلامذہ: قاضی حرم ابوالمظفر محمد بن علی طبری (١) ابن قدامہ (٢) حافظ ابن عساکر (٣) ابوموسیٰ المدینی۔

تصنیف: تجرید الصحاح۔ اس میں آپ نے موطا اور صحاح خمسہ کی روایات کو جمع کیا ہے اور علامہ ابن الاثیر نے بھی اپنی کتاب جامع الاصول کی تصنیف میں اسی پر اعتماد کیا ہے۔ (مقدمہ جامع الاصول ١/٤٩، بحوالہ سیر اعلام النبلاء ٢٠/٢٠٥)

وفات: ۵۳۵ھ کو مکہ مکرمہ میں آپ کی وفات ہوئی۔ وفات کے سلسلہ میں ۵۲۴ اور ۵۲۵ کے اقوال بھی ذکر کئے جاتے ہیں۔ (حاشیہ سیر: ٢٠/٢٠٥) ❁❁❁

﴿۱۴﴾ ﴿امام ابن خزیمہؒ﴾

نام ونسب: نام محمد، کنیت ابو بکر، سلسلہ نسب یوں ہے: محمد بن اسحاق بن خزیمہ بن المغیرۃ ابن صالح بن بکر السلمی الشافعی۔

جائے پیدائش: ۲۲۳ھ مطابق ۸۳۸ء کو نیشا پور میں آپ کی پیدائش ہوئی۔

وسعت علم: امام ابن خزیمہ اپنے زمانے میں نیشا پور کی مسلم شخصیت کے حامل تھے۔ محدث ہونے کے ساتھ ساتھ فقیہ اور مجتہد بھی تھے۔ نیز وسعت علم اور رسوخ فی العلم میں آپ کی مثال دی جاتی تھی۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۴/۳۶۵)

اسفار: امام ابن خزیمہؒ نے طلب علم کے لئے عراق، شام، جزیرہ، مصر وغیرہ کے اسفار کئے اور وہاں کے علماء سے خوب استفادہ کیا۔ علامہ سبکیؒ نے آپ کو امام الائمہ کے لقب سے یاد کیا ہے۔ (الاعلام ۶/۲۹)

علماء کا حسن اعتراف: محمد بن سہل طوسی کہتے ہیں کہ ربیع بن سلیمان ہم سے کہتے تھے کہ کیا تم ابن خزیمہ کو جانتے ہو؟ ہم نے کہا جی ہاں! پھر آپ نے فرمایا کہ ابن خزیمہ نے ہم سے جو استفادہ کیا وہ تو کیا مگر ہم نے ان سے اس سے بھی زیادہ استفادہ کیا ہے۔

ابو علی الحافظ: فرماتے ہیں کہ ابن خزیمہ کو فقہ سے متعلق احادیث اس طرح یاد تھیں جس طرح ایک قاری کو سورت یاد ہوتی ہے۔

اساتذہ: (۱) اسحاق بن راہویہ (۲) محمد بن حمید (۳) محمود بن غیلان (۴) عتبہ بن

عبداللہ المروزی (۵) علی بن حجر (٦) احمد بن منیع (۷) بشر بن معاذ (۸) ابو کریب (۹) عبد الجبار بن العلاء (۱۰) محمد بن بشار (۱۱) نصر بن علی (۱۲) محمد بن ابان (۱۳) یونس بن عبدالاعلی وغیرہ بڑے بڑے مشائخ عظام سے اکتساب فیض کیا۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۴/ ٦٦-٣٦٥)

تلامذہ: (۱) امام بخاری (۲) امام مسلم (۳) محمد بن عبداللہ (۴) احمد بن مبارک (۵) ابراہیم بن ابی طالب (٦) ابو حاتم البستی (ابن حبان) وغیرہ وغیرہ (سیر ۱۴/ ٣٦٦)

وفات: ۳۱۱ھ مطابق ۹۲۴ء کو نیشا پور میں آپ کی وفات ہوئی۔

تصانیف: اپنے پیچھے کافی علمی ذخیرہ چھوڑا مختلف علوم وفنون پر ایک سو چالیس سے زیادہ آپ کی تصانیف ہیں جن میں سے ''کتاب التوحید واثبات صفة الرب'' ہے۔

تعارف صحیح ابن خزیمہ

صحیح ابن خزیمہ آپ کی بلند پایہ تصنیف ہے اس کا دوسرا نام مختصر المختصر ہے صحت کے اعتبار سے اس کو صحیح ابن حبان پر فوقیت حاصل ہے پھر بھی حافظ سخاوی فتح المغیث میں لکھتے ہیں کہ صحیح ابن خزیمہ کی تمام احادیث صحیح نہیں ہیں۔ صحیح ابن خزیمہ کا تین چوتھائی حصہ حافظ ابن حجر کے وقت سے پہلے نایاب ہو چکا تھا۔ ماضی قریب میں استنبول کے ایک کتب خانہ میں اس کا ایک قلمی نسخہ دریافت ہوا جس کو ڈاکٹر مصطفی اعظمی نے تحقیق وتعلیق کے ساتھ چار جلدوں میں شائع کردیا ہے جو باب اباحة العمرة قبل الحج تک ہے باقی کتاب آج بھی نایاب ہے۔

﴿۱۵﴾ ﴿امام ابن حبانؒ﴾

نام ونسب: نام محمد، کنیت ابوحاتم، سلسلہ نسب یوں ہے: ابوحاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ بن معبد ابن سہید بن ہدیہ بن مرۃ بن سعد بن یزید بن مرۃ بن زید بن عبداللہ بن دارم بن حنظلہ بن مالک بن زید ابن تمیم۔التمیمی البستی ۔(تذکرۃ الحفاظ ۳/۹۲۲)

مولد: آپ سجستان کے ایک شہر بست میں پیدا ہوئے اسی لئے آپ کو اس کی طرف منسوب کرتے ہوئے بستی بھی کہا جاتا ہے تاریخ ولادت کا ذکر تذکرہ نویسوں نے نہیں کیا ہے۔

اوصاف حمیدہ: آپ جہاں بلند پایہ محدث تھے تو دوسری طرف فن تاریخ میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا اسی طرح فن جغرافیہ میں بھی آپ ید طولیٰ رکھتے تھے۔ (الاعلام ۶/۷۸)

اسفار: امام ابن حبانؒ نے حصول علم کے لئے مختلف شہروں اور ممالک اسلامیہ کے اسفار کئے مثلاً خراسان، شام، مصر، عراق، جزیرہ وغیرہ۔

عہدہ قضاء: آپ سمرقند میں ایک وقت تک عہدۂ قضاء پر مامور رہے اس کے بعد نیشاپور تشریف لے گئے اور پھر اپنے شہر بست میں لوٹ آئے۔ (تذکرہ: ص ۹۲۲/۱، الاعلام: ص ۶/۷۸)

اعتراف علم وفضل: آپ کا شمار ان شخصیات میں کیا جاتا ہے جو کثرت تصانیف میں مشہور رہیں، یاقوت کہتے ہیں: اخرج من علوم الحدیث ما عجز عنه

غیرہ. (الاعلام ٦/٧٨)

اساتذہ: حسین بن ادریس الہروی (١) ابوخلیطہ الجی (٢) امام نسائی (٣) عمران بن موسیٰ (٤) حسن بن سفیان (٥) ابوبکر بن خزیمہ۔ (تذکرۃ الحفاظ ٣/٩٢٠)

تلامذہ: (١) حاکم (٢) منصور بن عبداللہ خالدی (٣) عبدالرحمٰن بن محمد (٤) ابو الحسن محمد بن احمد بن ہارون الزوزی (٥) محمد بن احمد بن منصور التوقانی۔ (تذکرۃ الحفاظ ٩٢١/٣)

وفات: ماہ شوال ٣٥٤ھ مطابق ٩٦٥ء کو آپ اپنے شہر بست میں ہی مالک حقیقی سے جا ملے۔

تصانیف: امام ابن حبان جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے کہ آپ کثیر التصانیف عالم ہیں جن میں سے ایک المسند الصحیح ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سنن ابن ماجہ سے بھی اصح ہے۔

تعارف صحیح ابن حبان

امام ابن حبانؒ کثیر التصانیف محدثین میں سے ہیں ان کی کتاب الانواع والتقاسیم کا دوسرا نام صحیح ابن حبان ہے۔ یہ ابن حبان کی گرانقدر تالیف ہے جس کو انہوں نے عام محدثین کے طرز نگارش سے ہٹ کر عجیب طریقہ سے مرتب کیا ہے مثلاً کہتے ہیں النوع السادس والاربعون من القسم الثانی فی النواھی اس ترتیب جدید کی وجہ سے اس سے استفادہ دشوار ہو گیا ہے۔ محدث امیر علاء الدین ابوالحسن علی فارسی حنفی متوفی ٧٣٩ھ نے اس کو ابواب فقہ پر مرتب کیا تھا اور اس کا نام الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان رکھا تھا جس کی جلد اول محقق احمد شاکر کی تحقیق کے ساتھ دار المعارف قاہرہ سے شائع ہو چکی ہے۔ تصحیح کے معاملہ میں امام ابن حبان کی شرائط دوسرے ائمہ کے مقابلہ میں نرم ہیں اس لئے حسن بلکہ ضعیف احادیث بھی ان کی شرائط کے مطابق صحیح کی تعریف میں آجاتی ہیں اس لئے اس کتاب کو اگر چہ حاکم کی المستدرک پر فوقیت حاصل ہے لیکن دیگر صحاح مجردہ کے ہم پایہ نہیں ہے۔ ❁❁❁

﴿١٦﴾ ﴿امام حاکم صاحب مستدرک رح﴾

نام ونسب: نام محمد، کنیت ابوعبداللہ، عرف حاکم۔ شجرہ نسب یوں ہے: ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن حمدویہ ابن نعیم الضبی نیشاپوری۔ آپ کا عرفی نام حاکم ہے اسی نام سے آپ کی شہرت ہے۔ ابن البیع سے بھی شہرت ہے۔

ولادت: ماہ ربیع الاول ۳۲۱ھ کو نیشاپور میں آپ کی پیدائش ہوئی، ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی ۳۴۱ھ میں عراق تشریف لے گئے اور فریضۂ حج بھی ادا کیا۔

اسفار: حصول علم کی خاطر خراسان اور ماوراءالنہر اوران کے علاوہ مختلف علاقوں کے اسفار کئے اور تقریباً دو ہزار اساتذہ سے اکتساب فیض کیا۔

عہدہ قضاء: ۳۵۹ھ میں نیشاپور کے قاضی مقرر ہوئے، اس کے بعد جرجان کا عہدۂ قضاء آپ کے سپرد کرنے کی کوشش کی گئی لیکن آپ نے انکار کردیا۔

حدیث دانی: علل حدیث میں آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی۔ حدیث کی صحت اور سقم کے پہچاننے میں آپ یدطولیٰ رکھتے تھے۔ (الاعلام ٦/٢٢٧)

علماء کا حسن اعتراف: ابوحازم کا بیان ہے کہ میں تقریباً تین سال ابوعبد اللہ العصمی کے پاس رہا اور میں نے اپنے مشائخ میں ان سے زیادہ کسی کو متقن (ماہر) نہیں پایا لیکن جب کبھی ان کو کسی بات میں اشکال پیش آتا تو مجھے فرماتے کہ ابوعبداللہ (حاکم صاحب مستدرک) کو لکھو چنانچہ جب ان کا جواب آجاتا تب اس کا حکم فرماتے اور قطعی فیصلہ سناتے۔

(سیر اعلام النبلاء ١٧/١٧١)

ابن طاہر کہتے ہیں کہ میں نے سعد بن علی سے دریافت کیا ان چار ہمعصروں میں احفظ کون ہے یعنی (١) دارقطنی (٢) عبدالغنی (٣) ابن مندہ (۴) حاکم، تو سعد بن علی نے جواب دیا کہ ''دارقطنی'' علل حدیث میں مہارت رکھتے ہیں ''عبدالغنی'' انساب کے ماہر ہیں۔ ''ابن مندہ'' احادیث کو اس کے مالہ وماعلیہ کے ساتھ ان سب سے زیادہ جانتے ہیں اور ''حاکم'' ازروئے تصنیف ان سب میں فائق ہیں۔

اساتذہ: آپ کے اساتذہ کی ایک طویل فہرست ہے جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

(١) امام حاکم نے اپنے والد محترم عبداللہ بن حمدویہ سے بھی روایت کی ہے۔ (٢) محمد بن علی (٣) ابوالعباس الاصم (۴) ابوجعفر محمد بن صالح بن ہانی (۵) محمد بن عبداللہ الصفار (٦) ابوعبداللہ بن الاخرم (٧) ابوالنصر محمد بن محمد بن یوسف۔ علامہ ذہبیؒ نے متعدد اساتذہ کا تذکرہ کرکے لکھا ہے: وما زال یسمع حتی سمع من اصحابہ. (تذکرۃ الحفاظ ٣/١٠٣٩)

تلامذہ: (١) امام دارقطنی (٢) ابوالفتح بن ابی الفوارس (٣) ابوالعلاء الواسطی (۴) محمد بن احمد بن یعقوب (۵) ابوذر الہروی (٦) ابویعلی خلیلی (٧) ابوبکر البیہقی۔

وفات: امام حاکم حمام میں گئے اور غسل فرما کر جوں ہی باہر آئے زبان سے ''آہ'' کی آواز نکلی اور روح جسد عنصری سے پرواز کر گئی۔ اس وقت آپ ازار (لنگی) پہنے ہوئے تھے قمیص نہیں پہن رکھی تھی، اس کے بعد قمیص نہیں پہنائی گئی حتی کہ بروز بدھ بعد نماز عصر آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ آپ کی نماز جنازہ ابوبکر الحصیری نے پڑھائی۔ (سیر اعلام النبلاء ١٧/١٧٣، تذکرۃ الحفاظ ٣/١٠۴۵)

تصانیف: ابن عساکر نے لکھا ہے کہ تقریباً ڈیڑھ ہزار کتابیں آپ کے گوہربار

قلم سے نکلی جن میں سے کچھ یہ ہیں: (۱) تاریخ نیشاپور (۲) المستدرک علی الصحیحین (۳) الاکلیل (۴) المدخل (۵) تراجم الشیوخ (۷) الصحیح (۸) فضائل الشافعیؒ (۸) تسمیۃ من اخرجھم البخاری ومسلم (۹) معرفۃ علوم الحدیث۔ (الاعلام للزرکلی ۶/ ۲۲۷)

تعارف صحیح الحاکم المعروف بالمستدرک

امام حاکم کی شہرۂ آفاق کتاب المستدرک ہے جس کا پورا نام المستدرک علی الصحیحین ہے جس میں موصوف نے وہ احادیث جمع فرمائی ہیں جو امام بخاری و امام مسلم اور دیگر ائمہ کی شرائط کے مطابق صحیح تھیں اور انہوں نے اپنی کتب میں ان کو چھوڑ دیا ہے مگر امام حاکم تصحیح حدیث کے سلسلہ میں بڑے متساہل اور نرم واقع ہوئے ہیں انہوں نے نہ صرف ضعیف و منکر بلکہ احادیث موضوعہ کو بھی صحیح قرار دینے کا کام انجام دیا ہے، جس کی بناء پر بعض محدثین نے مستدرک کی تمام احادیث کی صحت کا انکار کر دیا ہے مگر یہ بات خلاف واقعہ ہے کیونکہ اس میں بہت سی احادیث علی شرط الشیخین صحیح ہیں۔ علامہ سیوطی نے تدریب الراوی میں حافظ شمس الدین ذہبی کا قول نقل کیا ہے کہ مستدرک کی نصف احادیث بلاشبہ شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہیں اور ایک ربع احادیث کے رجال قابل استدلال ہیں مگر ان میں کوئی علت پائی جاتی ہے ایسی احادیث کی تعداد دو سو سے زیادہ ہے ان پر عمل کرنا مناسب نہیں ہے۔ اور باقی ایک چوتھائی حصہ انتہائی ضعیف، منکر اور موضوع احادیث پر مشتمل ہے۔ (مقدمہ درس ترمذی)

امام ذہبیؒ متوفی ۷۴۸ھ نے مستدرک کی تلخیص فرمائی ہے اور جا بجا حاکم پر سخت تعقبات کئے ہیں۔ تلخیص ذہبی کے ساتھ مستدرک حاکم چار ضخیم جلدوں میں پہلی بار دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن سے ۱۳۳۴ھ میں شائع ہوئی تھی۔ ❁❁❁

﴿١٧﴾ ﴿امام ضیاء الدین المقدسیؒ﴾

نام ونسب: ابوعبداللہ ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد بن احمد بن عبدالرحمٰن اسعدی المقدسی ثم الدمشقی الحنبلی ہے۔

ولادت: ۵۶۹ھ مطابق ۱۱۷۴ء بمقام دمشق آپ کی ولادت ہوئی اس وجہ سے دمشقی کہا جاتا ہے۔فقہ میں امام احمد بن حنبلؒ کے مقلد تھے اس لئے حنبلی کہلاتے ہیں۔

اسفار: بغداد،مصر،فارس وغیرہ بلادِ اسلام کا سفر کیا اور پانچ سو سے زائد شیوخ سے روایت حدیث میں استفادہ کیا، دمشق میں انہوں نے دارالحدیث الضیائیہ کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا تھا جس پر ساری کتابیں وقف کر دی تھیں۔مختلف موضوعات پر آپ کی متعدد تصانیف ہیں۔

وفات: ٦٤٣ھ مطابق ١٢٤٥ء ٧٤ رسال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا۔

تعارف المختارہ

ضیاء الدین مقدسی کی بلند پایہ کتب میں سے المختارہ ہے۔ اس کا مکمل نام "**الاحادیث الجیاد المختارة مما لیس فی الصحیحین او احدهما**" ہے حافظ ضیاء الدین المقدسی نے اپنی اس اہم کتاب کو صحابہ کرام کی ترتیب پر حروف تہجی کے لحاظ سے مرتب فرمایا ہے لیکن حافظ مقدسی اس کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔امام زرکشی وغیرہ کی تحقیق کے مطابق المختارہ کا مقام تصحیح میں امام حاکم کی المستدرک سے بلند ہے تاہم اس میں بھی غیر صحیح احادیث آئی ہیں اگرچہ ان کی تعداد انتہائی کم ہے۔ ❁❁❁

امام ابوعوانہؒ

نام ونسب: نام یعقوب، کنیت ابوعوانہ، سلسلہ نسب یوں ہے: یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن یزید، اسفرائنی نیشاپوری۔ (تذکرۃ الحفاظ ۳/ ۷۷۹)

اسفار: تاریخ ولادت معلوم نہ ہو سکی۔ آپ نے طلب حدیث کے سلسلہ میں مختلف علاقوں کے اسفار کئے جن میں سے شام، مصر، عراق، حجاز، جزیرہ، یمن اور بلاد فارس وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

مستقل اقامت: مختلف ممالک اور شہروں کے اسفار کرنے کے بعد اسفرائن میں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ اس وجہ سے اسفرائنی کہلاتے ہیں۔

علماء کا حسن اعتراف: یاقوت فرماتے ہیں کہ آپ کا شمار حفاظ حدیث میں ہوتا ہے، نیز علامہ ذہبی نقل کرتے ہیں کہ آپ کی وجہ سے شوافع کا مذہب اور ان کی کتابیں اسفرائن میں پہنچیں۔ یاقوت حموی نے آپ کو احد حفاظ الدنیا کے وقیع الفاظ سے یاد کیا ہے۔ (تذکرہ ۳/ ۷۸۰)

اساتذہ: (۱) یونس بن عبد الاعلی (۲) احمد بن الازہری (۳) علی بن حرب (۴) محمد بن یحییٰ ذہلی (۵) علی بن اشکاب وغیرہ۔ (تذکرہ ۳/ ۷۷۹)

تلامذہ: (۱) احمد بن علی رازی (۲) ابوعلی نیشاپوری (۳) یحییٰ بن منصور القاضی (۴) ابن عدی (۵) علامہ طبری۔ (تذکرۃ الحفاظ ۳/ ۷۷۹-۷۸۰)

وفات: ۳۱۶ھ مطابق ۹۲۸ء کواسفرائن میں آپ مالک حقیقی سے جا ملے۔

تصنیف: "الصحیح المسند المخرج علی صحیح مسلم" آپ کی عمدہ تصنیف ہے۔(الاعلام ۱۹۶/۸)

تعارف صحیح ابوعوانہ

یہ کتاب دراصل صحیح مسلم پر مستخرج ہے۔ مستخرج اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں کسی دوسری کتاب کی احادیث اپنی ایسی سند سے روایت کی جائے جس میں اس کتاب کے مصنف کا واسطہ نہ آتا ہو۔ چونکہ اس کتاب میں امام مسلم کی سند کے علاوہ دیگر طرق واسانید سے روایات نقل کی گئی ہیں اس لئے اس کا نام مستخرج ہے بلکہ اس میں قدرے متون کا اضافہ بھی ہے۔ اس اعتبار سے گویا یہ مستقل کتاب ہے۔ صحیح ابوعوانہ کی دوجلدیں عرصہ دراز قبل حیدرآباد دکن سے شائع ہوچکی ہیں امام ذہبی نے اس کی تلخیص فرمائی ہے جو "منتقی الذھبی" کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں دوسوتیس احادیث ہیں۔

﴿۱۹﴾ ﴿امام ابن السکنؒ﴾

نام ونسب: نام سعید، کنیت ابوعلی، سلسلہ نسب یوں ہے: ابوعلی سعید بن عثمان بن سعید بن السکن البغدادی۔

تاریخ ولادت: آپ کی ولادت باسعادت ۲۹۴ھ مطابق ۹۶۴ء ہے۔

بیدار مغز مصنف: آپ کا شمار حفاظ حدیث، بیدار مغز مصنفین اور علماء کاملین میں ہوتا ہے، صاحب ''اعلام'' نے لکھا ہے: قال بن ناصر الدین: کان احد الائمة الحفاظ و المصنفین الایقاظ. (اعلام ۳/ ۹۸، سیر اعلام النبلاء ۱۶/ ۱۱۷)

پیشہ: آپ تجارت کرتے تھے اور اسی سے اپنی زندگی کی ضروریات مہیا کرتے تھے۔

اسفار: آپ نے حصول علم کی خاطر مختلف اسفار کئے علامہ ذہبی لکھتے ہیں: نزل مصر بعد ان اکثر الترحال ما بین النهرین نهر جیحون و نهر النیل ... جمع و صنف و جرح و عدل و صحح و علل. (سیر اعلام النبلاء ۱۶/ ۱۱۷)

اعتراف علم وفضل: آپ کے علم وفضل کا بھی لوگوں نے لوہا مانا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حزم آپ کی صحیح کی بہت تعریف کیا کرتے تھے جو ''المنتقی'' کے نام سے جانی جاتی ہے۔

اساتذہ: آپ نے مختلف اساتذہ سے اکتساب فیض کیا جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں: (۱) ابوالقاسم بغوی (۲) ابن ابی داؤد (۳) ابوعروبہ (۴) احمد بن عمیر (۵) سعید

بن عبدالعزیز حلبی (۶) محمد بن یوسف فربری۔

تلامذہ: آپ کے تلامذہ کی بھی ایک کثیر تعداد ہے خلق کثیر نے آپ سے استفادہ کیا۔ مثلاً (۱) ابوسلیمان بن زبیری (۲) ابوعبداللہ بن مندہ (۳) عبدالغنی الازدی (۴) علی بن محمد الدقاق (۵) عبدالرحمٰن بن عمر بن النحاس (۶) عبداللہ بن محمد بن اسد القرطبی (۷) ابو جعفر بن عون اللہ (۸) قاضی ابوعبداللہ محمد بن احمد مفرّج۔

وفات: ماہ محرم ۳۵۳ھ مطابق ۹۶۴ء کو مصر میں آپ کی وفات ہوئی۔

تالیفات: اگرچہ آپ کی تالیفات کثیر ہیں جیسا کہ صاحب ''الاعلام'' کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کان احد الائمة الحفاظ والمصنفین الایقاظ. (الاعلام ۳/۹۸)

مگر آپ کی تالیفات میں سے آپ کی صحیح یعنی ''المنتقی'' کے علاوہ دیگر تالیفات کا علم نہ ہوسکا۔ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں: جمع وصنف ... ولم نر توالیفه هي عند المغاربة. (سیر اعلام النبلاء ۱۶/۱۱۷)

تعارف صحیح ابن السکن

اس کا پورا نام الصحیح المنتقی اور السنن الصحاح الماثورہ عن رسول الله صلی الله علیه وسلم ہے۔ یہ محذوف الاسناد ہے۔ خود مؤلف نے کتاب کے بارے میں لکھا ہے کہ میں نے اپنی کتاب میں جو کچھ مجملاً لکھا ہے وہ صحت کے اعتبار سے مجمع علیہ ہے اور اس کے بعد جو احادیث ذکر کی ہیں وہ ائمہ کے مختارات ہیں اور جو روایت کسی سے انفراداً نقل کی ہے اس کی علت اور انفراد کو ذکر کر دیا ہے یہ کتاب زمانہ دراز سے نایاب ہے۔

﴿۲۰﴾

﴿امام ابن الجارودؒ اور ان کی کتاب "المنتقی"﴾

نام ونسب: نام عبداللہ، کنیت ابومحمد، سلسلہ نسب یوں ہے: ابومحمد عبداللہ بن علی بن الجارود نیشاپوری۔

تاریخ ولادت: تاریخ ولادت کے بارے میں علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں ولد فی حدود الثلاثین ومائتین اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی ولادت ۲۳۰ھ کے آس پاس ہوئی ہے۔(سیر۱۴/۲۳۹)

اعتراف علم وفضل: علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ آپ کا شمار علماء راسخین فی العلم میں ہوتا تھا کان من العلماء المتقنین المجودین. اس کے ساتھ امام حاکم اور دیگر حضرات نے بھی آپ کی مدح سرائی کی ہے۔(سیر اعلام النبلاء۱۴/۲۴۰)

اساتذہ: آپ کے اساتذہ کی ایک طویل فہرست ہے جن میں سے کچھ یہ ہیں: (۱)ابوسعید الاشج (۲)حسن بن محمد زعفرانی (۳)علی بن خشرم (۴)محمود بن آدم (۵) زیاد بن ایوب (۶) یعقوب دورقی (۷) عبداللہ بن ہاشم الطّوسی (۸) احمد بن الازہری (۹) احمد بن یوسف (۱۰) محمد بن یحیٰ ذہلی (۱۱) ابن خزیمہ (۱۲) محمد بن ابی عبدالرحمٰن المقری (تذکرۃ الحفاظ۳/۷۹۴، سیر۱۴/۲۴۰)

تلامذہ: (۱)ابوحامد بن الشرقی (۲)محمد بن نافع الخزاعی المکی (۳) دعلج بن احمد السجزی (۴)ابوالقاسم الطبرانی (۵) محمد بن جبرئیل العجیفی (۶) یحیٰ بن منصور القاضی وغیرہ۔

(تذکرۃ الحفاظ ۳/ ۹۴۷، سیر النبلاء ۱۴/ ۲۴۰)

تاریخ وفات: ۳۰۷ھ مطابق ۹۲۰ء کو مکۃ المکرّمۃ میں آپ کی وفات ہوئی۔
(سیر ۱۴/ ۲۴۰، تذکرۃ الحفاظ ۳/ ۹۴۷، الاعلام ۴/ ۱۰۴)

تالیف: "المنتقی فی السنن" یہ کتاب احکام میں ہے۔علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ سوائے دو چار احادیث کے اس کی روایات حسن کے درجہ سے کم نہیں ہیں۔

المنتقی فی السنن مجلد واحد فی الاحکام لاینزل فیه عن رتبة الحسن ابدا الا فی النادر فی احادیث یختلف فیها اجتهاد النقاد. (سیر اعلام النبلاء ۱۴/ ۲۳۹)

اس کتاب کا پورا نام المنتقی من السنن المسندة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم فی الاحکام ہے یہ کتاب دراصل صحیح ابوعوانہ کی مستخرج ہے جس میں آٹھ سو احادیث کے قریب ہیں۔ابوعمرو اندلسی نے "المرتقی فی شرح المنتقی" کے نام سے اس کی شرح بھی لکھی ہے۔

الامام الاعظم ابو حنیفۃ النعمان

علیہ الرحمۃ و الرضوان

المولود ۸۰ھ المتوفی ۱۵۰ھ

فضائل امام ابو حنیفہؒ

مسند احمد میں سند کے ساتھ یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں: ”ولو كان العلم بالثريا لتناوله ناس من ابناء فارس“ اگر علم ثریا میں بھی ہو تو فارس کے لوگ اسے پالیں گے۔

حافظ ابن حجر مکیؒ نے خیرات الحسان میں حافظ جلال الدین سیوطیؒ کے بعض تلامذہ سے نقل کیا ہے ہمارے استاذ (جلال الدین سیوطیؒ) نے یقین کیا ہے کہ اس حدیث سے امام ابو حنیفہؒ ہی مراد ہیں۔ کیوں کہ یہ بات بالکل عیاں ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے زمانے میں اہل فارس میں سے کوئی بھی امام صاحب کے علمی مقام اور فقہی قدر و منزلت کو نہیں پہونچ سکا۔ اور آپ تو آپ بلکہ آپ کے تلامذہ کا مقام بھی کوئی نہ پا سکا۔ اساتذہ و طلبۂ علم حدیث یہ بات جانتے ہیں کہ اکثر ائمۂ فن اور اساتذہ و شارحین حدیث نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی کا صحیح مصداق حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کو قرار دیا ہے۔

تبييض الصحيفه میں علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ فهذا اصل صحيح يعتمد عليه فى البشارة. بشارت میں یہ روایت اصل صحیح اور قابل اعتماد ہے۔

سیرت شامیہ کے مصنف علامہ حافظ محمد ابن یوسف شامیؒ نے بھی جلال الدین سیوطیؒ

سے یہی نقل کیا ہے۔

السراج المنیر میں اکابر اہل علم اور ائمہ حدیث سے نقل کیا گیا ہے کہ حمله بعض المحققین علی ابی حنیفةؒ. بعض محققین نے اس روایت کو امام اعظم ابوحنیفہؒ پر محمول کیا ہے۔

چنانچہ خیرات الحسان میں علامہ ابن حجر ہیثمی سے منقول ہے کہ: فیه معجزة ظاهرة للنبی صلی الله علیه وسلم اخبر بما سیقع. اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا کھلا معجزہ ہے کہ آپ نے ہونے والی بات کا پتہ دیا ہے۔

محدث جلیل علامہ حافظ عبدالعزیز بن میمون کی روح جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر پکار رہی ہے من احب اباحنیفةؒ فهو سنی ومن ابغضه فهو مبتدع. جو ابوحنیفہؒ سے محبت رکھتا ہے وہ سنی ہے اور جو آپ سے بغض رکھتا ہے وہ بدعتی ہے[1]۔

لقد زان البلاد من علیها
امام المسلمین ابو حنیفة
بآثار وفقه فی حدیث
کآثار الزبور علی الصحیفة
فما فی المشرقین له نظیر
ولا بالمغربین ولا بکوفة[2]

ترجمہ: امام المسلمین امام اعظم ابوحنیفہؒ نے شہروں کو زینت بخشی اور شہروں میں زندگی گذارنے والے لوگوں پر احسان کیا۔

---

[1] دفاع امام ابو حنیفةؒ: ص ۵۶/ تا ۶۰.

[2] اخبار ابی حنیفة واصحابه لصمیری: ص ۹۰/ (بحواله دفاع ابو حنیفةؒ: ص ۳۹)

یعنی آثار کی ترویج، فقہ کی دلنشیں تشریح فرمائی، جیسا کہ صحیفہ میں زبور کی آیات جڑی ہوئی ہیں۔

چنانچہ ان کمالات کی وجہ سے نہ تو مشرق میں ان کی مثال ملتی ہے اور نہ مغرب وکوفہ میں ان کی نظیر پائی جاتی ہے۔

از: امیر المؤمنین فی الحدیث امام عبداللہ بن مبارکؒ

شرف تابعیت: امام اعظمؒ نے (رسول اللہ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص) صحابی جلیل حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی متعدد بار زیارت کی[۱]

اساتذہ کرام: محمد بن یوسف صالحی شافعیؒ نے عقود الجمان: ص۱۸۲ر میں بیان فرمایا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے چار ہزار حضرات تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ سے علم حاصل کیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے بڑے استاذ علامۃ التابعین عامر بن شراحیل الکوفی الشعبی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جنہوں نے پانچسو اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہے[۲]۔

اسی طرح حضرت عطاء بن ابی رباحؒ سے بھی علم حاصل کیا ہے جنہوں نے دوسو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو پایا ہے[۳]۔

تلامذہ: ایک جم غفیر اور بہت بڑی جماعت امام صاحبؒ کے شاگردوں کی ہے۔ الصالحیؒ نے عقود الجمان میں فرمایا ہے کہ امام صاحبؒ کو ایسے شاگرد میسر آئے جو ان کے بعد کسی امام کو میسر نہیں آئے۔ (عقود الجمان ص۱۸۳)

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے شاگرد اور فیض یافتہ حضرات اونچے درجہ کے محدثین بلکہ جلیل القدر محدثین کے اساتذہ میں سے ہیں، بلکہ اصحاب صحاحِ ستہ امام بخاری، امام مسلم، امام

---

[۱] تبييض الصحيفة: ص٦.

[۲] تذكرة الحفاظ: ص ٧٩ تا ١/٨١.

[۳] تهذيب التهذيب : ص ٧/٢٠٠.

ترمذی، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالٰی کے اساتذہ ومشائخ میں سے ہیں۔

امام مکی بن ابراہیمؒ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد اور امام بخاریؒ کے استاذ ہیں۔

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کی ۲۲ ثلاثیات میں سے گیارہ امام مکیؒ کی سند سے روایات کی ہیں۔ گویا امام بخاریؒ کو اپنی صحیح میں عالی سند کے ساتھ ثلاثیات درج کرنے کا شرف امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ کا صدقہ ہے۔ امام بخاریؒ کی اسانید میں اکثر شیوخ حنفی ہیں۔ بلکہ جن شیوخ کی وجہ سے صحاح ستہ کی عمارت قائم ہے ان میں سے اکثر حضرات علم حدیث میں امام صاحب کے بالواسطہ یا بلاواسطہ شاگرد ہیں۔ آپ کے شاگردوں میں ۲۸ ر قاضی ہونے کے لائق اور بڑی تعداد میں مفتی ہونے کی اہلیت رکھتے تھے[1]۔

امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ میں مشہور محدثین اور فقہاء جو اکثر ملازم حلقہ رہا کرتے تھے۔ حافظ ابوالحسن شافعیؒ نے ان کی تعداد نوسو اٹھارہ (۹۱۸) لکھی ہے جیسا کہ طحطاوی کے حوالہ سے ردالمحتار میں ہے کہ تدوین فقہ کے وقت ایک ہزار علماء امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ تھے جن میں چالیس حضرات درجۂ اجتہاد پر فائز تھے۔

مرتبہ فی علم الحدیث: خلف ابن ایوبؒ نے ارشاد فرمایا، اللہ تبارک وتعالٰی کی طرف سے علم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پہونچا، پھر (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے) صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف پھر ان سے تابعین کی طرف اور تابعین سے ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کی طرف پہونچا۔ پس جو چاہے خوش ہو اور جو چاہے ناراض ہو۔ (تاریخ بغداد: ص ۳۳۶/۱۳)

ابومطیعؒ نے امام ابوحنیفہؒ کا ارشاد نقل فرمایا کہ میں امیر المومنین ابوجعفر کے پاس گیا، انہوں نے مجھ سے فرمایا، اے ابوحنیفہ! آپ نے علم کن حضرات سے حاصل کیا، میں نے کہا حماد سے، انہوں نے ابراہیم سے انہوں نے عمر بن الخطاب، علی ابن ابی طالب، عبداللہ بن

[1] دفاع امام ابوحنیفہؒ: ۲۷

مسعود، عبداللہ بن عباس رضوان اللہ علیہم اجمعین سے علم حاصل کیا۔ یہ سن کر ابوجعفرؒ نے فرمایا، واہ واہ اے ابوحنیفہؒ آپ نے جو چاہا اس کو مضبوط پکڑ لیا۔ یہ سب پاکیزہ طاہر و مبارک حضرات ہیں، ان پر اللہ پاک کی رحمتیں ہوں۔ (تاریخ بغداد: ص۱۳/۳۳۴)

مکی ابن ابراہیمؒ نے ارشاد فرمایا، ابوحنیفہ اپنے اہل زمانہ میں سب سے زیادہ علم والے تھے۔ (تاریخ بغداد: ۱۳/۳۴۵)

حسن بن زیادؒ نے فرمایا، امام (ابوحنیفہؒ) چار ہزار حدیثیں روایت فرماتے تھے، دو ہزار حماد سے اور دو ہزار (دیگر) تمام مشائخ سے۔ (مناقب ابی حنیفہ للموفق المکی: ص ۸۵)

اور امام ابوحنیفہؒ نے کتاب الآثار کو چالیس ہزار احادیث سے منتخب فرمایا۔ (مناقب ابی حنیفہ للموفق: ص۸۴)

فقہ میں امام اعظمؒ کا مرتبہ: وکیع بن الجراح (استاذ امام شافعیؒ) نے فرمایا: میں نے کسی ایسے شخص سے ملاقات نہیں کی جو ابوحنیفہؒ سے زیادہ فقیہ ہو اور نہ ایسے شخص سے جو ان سے زیادہ بہتر نماز پڑھنے والا ہو۔ (تاریخ بغداد: ص۱۳/۳۴۵)

حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا جو شخص فقہ کی معرفت حاصل کرنا چاہے اسے چاہئے کہ ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگردوں کو لازم پکڑ لے۔ اس لئے کہ لوگ تمام کے تمام فقہ میں ان کے عیال ہیں۔ (تاریخ بغداد: ص۱۳/۳۴۶)

ان کا یہ بھی ارشاد ہے: جو شخص امام ابوحنیفہؒ کی کتابوں کو نہ دیکھے اس کو علم میں تبحر حاصل نہیں ہو سکتا نہ وہ فقیہ بن سکتا ہے۔ (عقود الجمان: ص ۱۸۷)

الصالحیؒ نے (عقود الجمان: ص۱۸۴) میں ذکر فرمایا ہے کہ سب سے اول امام ابوحنیفہؒ نے فقہ کو مدون کیا اور اس کو باب در باب مرتب کیا، پھر مؤطا کی ترتیب میں امام مالکؒ بن انس نے انہیں کی پیروی کی، (اس میں) امام ابوحنیفہؒ پر کسی نے سبقت نہیں کی۔

امام ابوحنیفہؒ نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی خالص خیر خواہی میں مبالغہ کی وجہ سے اپنے مذہب کی تدوین کے لئے شوریٰ قائم فرمائی۔ تنہا اپنے اجتہاد سے کام نہیں لیا۔ شوریٰ کے درمیان ایک ایک مسئلہ زیر بحث لایا جاتا، اہل شوریٰ کے پاس جو دلائل ہوتے امام صاحبؒ ان سے ان کا سوال فرماتے اہل شوریٰ اپنے اپنے دلائل بیان فرماتے۔ امام صاحبؒ اپنے دلائل بیان فرماتے، ہر ہر مسئلہ میں ایک ایک مہینہ یا اس سے بھی زیادہ (مدت تک) مناظرہ فرماتے[1] اور روشن چراغ سے زیادہ روشن وواضح دلائل بیان فرماتے اور علماء کاملین کے قبول کر لینے کے بعد امام ابو یوسفؒ اس کو اصول (کی کتابوں) میں اندراج فرماتے، پس جب یہ اہتمام کیا گیا ہو تو جو مذہب ائمہ کرام کی شوریٰ نے مدون کیا ہو وہ زیادہ بہتر اور زیادہ درست ہوگا، اور درستگی واستقامت اور صحت کے زیادہ قریب ہوگا، اس مذہب کے مقابلہ میں جس کو تنہا کسی شخص (امام) نے وضع کیا ہو، اور اس میں صرف اپنی رائے پر ہی اعتماد کیا ہو زیادہ عمدہ اور باعث اطمینان ہوگا اور اسی کی طرف دلوں کا میلان بھی زیادہ ہوگا۔ (مناقب ابی حنیفہ للکردری: ص ۵۷)

امام ابوحنیفہؒ نے لاکھوں مسئلے مدون فرمائے، ان کی صحیح تعداد کے بارے میں ناقلین کا اختلاف ہے، کم سے کم روایت تین لاکھ اسی ہزار (۳۸۰۰۰۰) کی ہے، ان میں اڑتیس ہزار عبادات میں اور باقی معاملات کے متعلق ہیں۔ (راجع مناقب ابی حنیفہ للکردری: ص ۱۶۲)

عقل وذکاوت: یزیدؒ نے فرمایا: میں نے ابوحنیفہؒ سے زیادہ نہ کوئی پرہیز گار دیکھا نہ عقلمند (تذکرۃ الحفاظ: ص ۱/۱۶۸)

امام مالک بن انسؒ سے کہا گیا، کیا آپ نے ابوحنیفہ کو دیکھا ہے؟ فرمایا: ہاں۔ میں نے ایسے شخص کو دیکھا ہے اگر وہ تجھ سے اس ستون کو سونے کا ثابت کرنے کے سلسلہ میں

---

[1] مطلب یہ ہے کہ عام مسائل میں تین روز اور مشکل وپیچیدہ مسائل میں بعض میں ایک ہفتہ اور بعض میں ایک ہفتہ سے بھی زیادہ مدت تک مباحثہ کی نوبت آتی۔

گفتگو کرے تو وہ اس پر حجت قائم کر دے۔ (اور اس کو سونے کا ثابت کر دے) (تاریخ بغداد: ص ١٣/٣٣٨)

عبادت: سفیان بن عیینہؒ نے فرمایا: ہمارے وقت میں مکہ میں کوئی شخص امام ابوحنیفہؒ سے زیادہ نماز پڑھنے والا نہیں آیا۔ (تاریخ بغداد: ص ١٣/٣٥٣)

ابو مطیعؒ نے فرمایا: میں مکہ میں مقیم تھا، میں رات کے کسی حصہ میں طواف میں داخل نہیں ہوا مگر امام ابوحنیفہؒ اور سفیان کو طواف میں دیکھا۔ (تاریخ بغداد: ص ١٣/٣٥٣)

ابو عاصم النبیلؒ نے فرمایا: امام ابوحنیفہ کو کثرت صلوۃ کی وجہ سے وتد (میخ) کہا جاتا تھا۔ (تاریخ بغداد: ص ١٣/٣٥٤)

حفص بن عبدالرحمٰنؒ نے فرمایا: امام ابوحنیفہؒ تیس برس تک ایک رکعت میں قرآن پاک پڑھنے کے ساتھ شب بیداری فرماتے رہے۔

خوف و خشیت: یزید بن الکمیت فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ خوف کرنے والے تھے۔ (ایک دفعہ) علی بن الحسین المؤذن نے عشاء کی نماز میں "اذا زلزلت" الخ پڑھی امام ابوحنیفہؒ ان کے پیچھے تھے، جب نماز پوری ہوگئی اور لوگ نکل گئے میں نے امام ابوحنیفہ کو دیکھا فکرمند بیٹھے ہیں اور لمبے لمبے سانس لے رہے ہیں۔ (تاریخ بغداد: ص ١٣/٣٥٧)

قاسم بن معنؒ نے فرمایا: امام ابوحنیفہؒ نے ایک پوری رات اس آیت پر گذاردی "بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرّ" اسی کو بار بار پڑھ رہے ہیں اور آہ و زاری کر رہے ہیں۔ (تاریخ بغداد: ص ١٣/٣٥٧)

وکیعؒ نے فرمایا: خدا کی قسم امام ابوحنیفہؒ بڑے امانت دار تھے ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ بڑائی اور بزرگی و عظمت تھی، اپنے رب کی خوشنودی کو ہر شئ پر ترجیح دیتے تھے،

اگر اللہ پاک کے بارے میں تلواروں سے ان پر حملہ کر دیا جاتا اس کو بھی برداشت کر لیتے۔ (تاریخ بغداد: ص ۱۳/۳۵۸)

زهد وورع اور پرهیزگاری: مکی بن ابراہیمؒ نے فرمایا: میں کوفیوں کے پاس بیٹھا ہوں، میں نے ابوحنیفہؒ سے زیادہ پرہیزگار نہیں دیکھا۔ (تاریخ بغداد: ص ۱۳/۳۵۸)

عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی یہی فرمایا ہے۔ (تاریخ بغداد: ص ۱۳/۳۵۹)

یحیٰی بن القطانؒ نے فرمایا: قسم بخدا ہم ابوحنیفہؒ کے پاس بیٹھے ہیں اور ان سے (احادیث کو) سنا ہے۔ خدا کی قسم میں جب ان کو دیکھتا تھا تو ان کے چہرہ میں یہ پہچانتا تھا کہ وہ اللہ پاک سے ڈرتے ہیں۔ (تاریخ بغداد: ص ۱۳/۳۵۲)

امامت و جلالت: عبداللہ بن المبارکؒ نے فرمایا: کوئی شخص امام ابوحنیفہؒ سے زیادہ اقتداء کئے جانے کا حقدار نہیں، اس لئے کہ وہ امام متقی صاف ستھرے پرہیزگار عالم فقیہ تھے، علم کو اس طرح کھولا کہ کسی نے ایسی بصیرت، فہم و فطانت و پرہیزگاری کے ساتھ نہیں کھولا تھا۔ (مناقب ابی حنیفہؒ للکردری: ص ۴۶)

مسعر بن کدامؒ نے فرمایا: جس شخص نے امام ابوحنیفہؒ کو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کر لیا مجھے امید ہے کہ اس کو کوئی اندیشہ نہیں اور اس نے اپنے نفس کے لئے احتیاط کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ (تاریخ بغداد: ص ۱۳/۳۳۹)

یحیٰی بن معینؒ نے فرمایا: کہ میں نے یحیٰی بن سعید بن القطانؒ کو فرماتے ہوئے سنا وہ فرماتے تھے:

ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتے، ہم نے ابوحنیفہؒ کی رائے سے زیادہ

اچھی کسی کی رائے نہیں دیکھی اور ہم نے ان کے اکثر اقوال کو اختیار کیا ہے۔ (تاریخ بغداد: ص ۱۳/۳۴۵)

یحییٰ بن معینؒ نے فرمایا: میں نے یحییٰ بن سعید کو دیکھا فتویٰ میں کوفیوں کے قول کو اختیار فرماتے، اور کوفیوں کے اقوال میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کو اختیار فرماتے، امام ابوحنیفہؒ کی رائے کا انکے اصحاب کی رائے کے مقابلہ میں اتباع فرماتے۔ (تاریخ بغداد: ص ۱۳/۳۴۶)

یحییٰ بن معینؒ نے فرمایا میں نے وکیع سے زیادہ افضل کسی کو نہیں دیکھا وہ قبلہ رخ بیٹھ کر حدیث حفظ کرتے، رات کو قیام کرتے، پے درپے برابر روزے رکھتے، امام ابوحنیفہؒ کے قول پر فتویٰ دیتے اور انہوں نے امام ابوحنیفہؒ سے بہت کچھ سنا ہے۔ اور یحییٰ بن سعید القطانؒ بھی ان کے قول پر فتویٰ دیتے۔ (تاریخ بغداد: ص ۱۳/۴۷۰)

یحییٰ بن معینؒ کا ہی قول ہے: قراءت میرے نزدیک حمزہ کی قراءت معتبر ہے، اور فقہ امام ابوحنیفہؒ کا فقہ معتبر ہے، اسی (عقیدہ پر) میں نے لوگوں کو پایا ہے۔ (تاریخ بغداد: ص ۱۳/۳۴۱)

محدثین اور طلبہ علم پر انفاق وسخاوت: قیس بن الربیعؒ نے بیان کیا کہ امام ابوحنیفہؒ (لوگوں کی) پونجیاں (جو ان کے پاس جمع رہتیں) بغداد بھیجتے اور اس سے سامان خرید کر کوفہ لاتے اس کو فروخت کرتے اور سال سے سال تک جو اس کا نفع ہوتا اس کو جمع کرتے اور اس سے مشائخ محدثین کی ضرورت کا سامان غلہ، کپڑے اور دیگر ضروریات کا سامان خرید کر اور نفع میں جو دنانیز بچتے ان سب کو ان کے پاس بھیجتے اور فرمادیتے اپنی ضروریات میں خرچ کرو اور اللہ کے سوا کسی کی تعریف نہ کرو، اس لئے کہ میں اپنے مال میں سے تم کو کچھ نہیں دیتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے میرے اوپر تمہارے بارے میں جو فضل فرمایا ہے وہ یہ ہے اور یہ تمہاری ہی پونجیوں کا نفع ہے، میرے ہاتھوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے

اس کو جاری فرمایا ہے۔ (تاریخ بغداد: ص ٣٦٠/١٣)

حفص بن حمزہ القرشیؒ نے بیان فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ بعض دفعہ ان کے پاس سے کوئی شخص گذرتا اور بلا ارادہ اور بغیر بٹھائے وہ ان کے پاس بیٹھ جاتا، جب وہ مجلس سے کھڑا ہوتا حضرت اس سے دریافت فرماتے اگر اس کو فاقہ ہوتا اس کی حاجت روائی فرماتے۔ اگر بیمار ہوتا اس کی عیادت فرماتے۔ (تاریخ بغداد: ص ٣٦٠/١٣)

وفات وسانحۂ ارتحال: خطیب اور ابومحمد الحارثیؒ نے بیان کیا کہ ابوجعفر المنصور نے امام ابوحنیفہؒ کو کوفہ سے بغداد طلب فرمایا اور ان سے عہدۂ قضا قبول کرنے کی درخواست کی اور یہ کہ بلادِ اسلام کے تمام قضاۃ ان کے ماتحت ہوا کریں گے۔ امام ابوحنیفہؒ نے معذرت بیان کی اور اس کو قبول نہیں فرمایا۔ ابوجعفر منصور نے ان کو قید میں ڈال دیا اور حکم دیا کہ ہر روز ان کو (قید سے) باہر نکالا جایا کرے اور دس کوڑے مارے جایا کریں اور بازاروں (راستوں گلی کوچوں) میں اس کا اعلان اور تشہیر کی جایا کرے۔ پس (حکم کے مطابق) امام صاحبؒ کو قید سے نکالا جاتا اور ان کے کوڑے سخت کوڑے مارے جاتے جس سے ان کے جسم پر نشان پڑ جاتے، اور بازاروں میں ان کو گھمایا جاتا اور اعلان کیا جاتا، ان کی ایڑیوں پر خون بہہ پڑتا اور ان کو قید خانہ میں لوٹا دیا جاتا۔ اور قید خانہ میں ان کے کھانے پینے میں بھی تنگی کی جاتی، دس روز برابر ہر روز دس کوڑے مارے جاتے۔ جب کوڑے مارے جانے کا سلسلہ برابر ہوتا رہا وہ (اللہ تعالیٰ کے سامنے) روئے اور کثرت سے دعا مانگی، پس اس کے بعد پندرہ یوم زندہ رہے پھر وفات ہوگئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ و رضی اللہ تعالیٰ عنہ.

ابومحمد الحارثیؒ نے نعیم بن یحییٰؒ سے نقل کیا انہوں نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ کی موت پردیس میں ہوئی اور ان کو زہر دے کر ہوئی۔

ابوحسان الزیادیؒ نے فرمایا کہ جب امام ابوحنیفہ کو موت کا احساس ہوا سجدہ میں گر گئے

اور سجدہ ہی کی حالت میں ان کی روح پرواز کر گئی۔اس پر اتفاق ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی۔(عقود الجمان: ص ۳۵۷ تا ۳۵۹)

خطیبؒ نے فرمایا صحیح یہ ہے کہ امام صاحبؒ کی وفات قید میں ہوئی ہے۔ (تاریخ بغداد: ص ۱۳/۳۲۸)

اسماعیل بن سالم البغدادی نے فرمایا۔امام ابوحنیفہؒ کو قضا قبول نہ کرنے پر کوڑے مارے گئے۔مگر انہوں نے قضاء کو قبول نہیں فرمایا۔امام احمد بن حنبلؒ جب اس کا ذکر کرتے تو روتے اور امام ابوحنیفہؒ پر رحم کھاتے (ان کے لئے رحمت کی دعا کرتے) اور یہ امام احمد بن حنبلؒ کے کوڑے لگائے جانے کے بعد ان کی حالت ہوئی۔تاریخ بغداد: ص ۱۳/۳۲۷)

امیر المومنین فی الحدیث عبداللہ بن مبارکؒ کا تذکرہ وتبصرہ

محدثین، امیر المومنین فی الحدیث کے لقب سے آپ کا تذکرہ کرتے ہیں فن حدیث کے رکن اعظم اور ائمہ کبار میں سے ہیں۔صحیحین (بخاری ومسلم) میں آپ کی روایات کی تعداد سیکڑوں تک پہونچتی ہے۔فن روایت کے امام مانے جاتے ہیں۔آپ فرمایا کرتے تھے ''مجھے جو کچھ بھی حاصل ہوا ہے وہ امام ابوحنیفہؒ اور امام سفیان ثوریؒ کے فیض سے حاصل ہوا ہے۔امام بخاریؒ نے اپنے رسالہ رفع یدین میں آپ کے متعلق تحریر فرمایا کہ:

''امام عبداللہ بن مبارکؒ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔اور لوگ اگر دوسرے کم علم لوگوں کے اتباع کے بجائے ان کا اتباع کرتے تو بہتر ہوتا۔''

خود امام عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں:

''اگر خدا تعالیٰ ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ کے ذریعہ میری فریادرسی نہ کرتا تو میں عام

آدمیوں کی طرح ایک آدمی ہوتا۔[۱]

ابو حنیفہؒ تمام حسنات اور تمام صفاتِ محمودہ کے جامع تھے: ابن مبارکؒ سے یہ بھی منقول ہے کہ جب میں کوفہ پہونچا تو وہاں کے علماء سے سوال کیا کہ تمہارے شہر میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ سب نے کہا امام ابوحنیفہؒ! میں نے پوچھا سب سے زیادہ پرہیز گار کون ہے؟ سب نے کہا امام ابوحنیفہ پھر میں نے پوچھا سب سے بڑا زاہد کون ہے؟ سب نے کہا امام ابوحنیفہؒ۔ پھر پوچھا سب سے زیادہ عابد اور علم کا شغل رکھنے والا کون ہے؟ تو سب نے کہا امام ابوحنیفہؒ۔ غرض میں نے اخلاق محمودہ وحسنہ میں جس وصف کا بھی سوال کیا۔ سب نے امام صاحب ہی کو افضل وبرتر بتایا۔[۲]

مسلّم امیر المومنین فی الحدیث کی شہادت اور ان کا فیصلہ خاص طور پر قابلِ لحاظ ہے۔ کاش ہماری نہیں عظیم محدث ابن مبارکؒ کی سن لی جاتی جن کا نام لیا جارہا ہے، ان ہی کا بتایا ہوا کام بھی کرلیا جاتا اور ان ہی کی راہ بھی اختیار کرلی جاتی تو آج ابوحنیفہؒ کی دشمنی سے آخرت میں جہنم کے شعلے مول نہ لینے پڑتے۔ ابن مبارکؒ اکثر فرمایا کرتے:

''ابوحنیفہؒ کی رائے'' کا لفظ مت کہو بلکہ تفسیر وحدیث کہو۔'' (موفق، انتصار، کردری)

نیز ابن مبارکؒ نے ان لوگوں کو بے وقوف قرار دیا ہے جنہوں نے ابوحنیفہؒ کی دشمنی کو زندگی کا مشن بنا رکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

ابو حنیفہؒ سے محرومی علم سے محرومی ہے: اگر میں بعض بے وقوفوں کی بات پر رہتا تو میں ابوحنیفہؒ سے محروم رہتا۔ اور ان کے علوم ومعارف سے محروم رہتا، یوں کہنا چاہئے کہ طاب علم کی راہ میں میری ساری مشقت اور تعب اور ہزاروں

---

۱ (مقدمہ انوار الباری: ص ۱/۹۴)

۲ (حدائق الحنفیہ: ص ۷۶)

لاکھوں روپے کا صرف رائیگاں جاتا۔[1]

امام ابن مبارکؒ ایک مرتبہ درسِ حدیث دے رہے تھے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ سے بھی ایک روایت بیان فرمائی۔ اس پر کسی نے اعتراض کیا تو آپ سخت غصہ ہوئے اور فرمایا ''تم لوگوں کا اس سے کیا مقصد ہے جس کو خدا تعالیٰ نے بلند مرتبہ بنایا ہے وہی بلند ہوگا۔ اور جس کو خدا نے برگزیدہ کرلیا ہے وہی برگزیدہ رہے گا۔''[2]

مرقد امام ابوحنیفہؒ پر امام ابن مبارکؒ کا زار زار رونا

بالاتفاق سب مؤرخین نے لکھا ہے کہ تمام محدثین کے محدثِ اعظم امام عبداللہ بن مبارکؒ نے دنیائے حدیث کے گوشہ گوشہ میں جا کر اور لاکھوں روپے اسفار پر صرف کر کے اس دورِ خیر القرون کے ایک، ایک محدث سے علوم نبوت کی تحصیل کی۔ مگر جب امام اعظم ابوحنیفہؒ کے پاس آئے تو آخر تک آپ سے جدا نہ ہوئے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے انتقال کے بعد ان کی قبر پر کھڑے ہوکر زار زار رو کر فرماتے رہے کہ:

''ابراہیم نخعی اور حماد نے مرتے وقت اپنا خلیفہ (ابوحنیفہ) چھوڑا تھا۔ خدا آپ پر رحم کرے کہ آپ نے اپنا خلیفہ نہیں چھوڑا۔ یہ کہہ کر دیر تک زار زار روتے رہے۔''[3]

اس مبارک تذکرہ کے آخر میں ہم ابن مبارکؒ کے نام لیواؤں کے نام ان کی وصیت درج کردیتے ہیں تاکہ اتمام حجت ہو۔

ابن مبارکؒ اپنے تلامذہ سے فرمایا کرتے تھے:

''آثار اور احادیث کو لازم سمجھو مگر ان کے معانی کے لئے 'امام ابوحنیفہؒ' کی ضرورت

---

[1] (موفق، انتصار، کردری)

[2] (موفق: ص ۲/۵۱)

[3] (خیرات الحسان)

ہے کیوں کہ وہ حدیث کے معانی جانتے ہیں[۱]۔''

نواب صدیق حسن خاں کی حقیقت پسندی: نواب صدیق حسن خاں قنوجی، علامہ ابن خلدون سے نقل کرتے ہیں:

يدل على انه من المجتهدين في علم الحديث اعتماد مذهبه بينهم والتعويل عليه واعتباره رداً وقبولاً[۲]۔

ترجمہ: امام اعظم ابو حنیفہؒ کبار محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔ دلیل اس پر یہ ہے کہ ان کے مذہب پر اعتماد و اعتبار کر کے موافق مخالف رد اور قبول کی طرف متوجہ ہوں۔

حضرت مجدد الفِ ثانیؒ کا ارشاد

فقہ حنفی صحیح حدیث کے موافق ہے، امت مسلمہ کے متاخرین علماء میں مسلّم اور مایۂ ناز شخصیت حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں:

بریں فقیر ظاہر ساختہ اند کہ درخلافیات کلامی حق بجانب حنفی است و درخلافیاتِ فقہی در اکثر مسائل حق بجانب حنفی و در اقل متردد[۳]۔

اس فقیر پر ظاہر ہوا کہ خلافیات علم کلام میں حق حنفی مسلک کی جانب ہے اور خلافیات فقہی کے اکثر مسائل میں حق بجانب حنفی ہے اور بہت کم میں تردد ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا ارشاد

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

عرفني رسول الله صلى الله عليه وسلم ان في المذهب الحنفي طريقة

---

۱ (موفق، کردری)

۲ (الحطہ: ص ۴۴، ماخوذ از دفاع ابو حنیفہؒ: ص ۷۵ تا ۷۸)

۳ (مبداومعاد: ص ۳۹)

انیقة هی اوفق الطریق بالسنة المعروفة التی جمعت ونقحت فی زمان البخاری.[۱]

ترجمہ: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے کہ مذہب حنفی میں عمدہ راستہ ہے اور جو سنت بخاریؒ کے زمانہ میں جمع ہوئی ہے اس سے زیادہ موافق ہے، یعنی صحیح حدیث ہے۔

گو حوالہ جات مذکورہ کی حیثیت کشف ہی کی ہے۔ مگر جناب نواب صدیق حسن صاحب فرماتے ہیں:

اگر کشف دو کس باہم متوافق شود ظن غالب شود۔[۲]

دو بزرگوں کے کشف اگر موافق ہو جائیں تو ظن غالب کا حکم رکھتے ہیں۔

گویا فقہ حنفیہ اور امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کے تمام مسائل جہاں ایک طرف عقل کے معیار پر پورے اترتے ہیں وہاں قرآن وحدیث سے بھی پورے طور پر وابستہ ہیں اور یہ حقیقت تب ہی مانی جا سکتی ہے جب امام صاحبؒ کی کامل حدیث دانی اور حدیث فہمی کا اعتراف اور اقرار کیا جائے۔

---

۱ (فیوض حرمین)

۲ (ریاض المرتاض: ص ۲۱)

﴿۲۲﴾

الامام ابویوسف الانصاری

رحمہ اللہ تعالیٰ

المولود ۱۱۳ھ المتوفی ۱۸۲ھ

وہ قاضی ابو یوسف الامام العلامہ فقیہ العراقین یعقوب بن ابراہیم الانصاری الکوفی امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد رشید ہیں۔

ہشام بن عروہ، ابو اسحاق الشیبانی، عطاء بن السائب اور ان کے طبقہ کے محدثین سے حدیث پاک کا سماع کیا۔ اور امام محمد بن الحسن الفقیہ الشیبانیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اور بشر بن الولید و یحییٰ بن معین وعلی بن الجعد وعلی بن مسلم الطّوسی وعمرو بن ابی عمرو اور ان کے علاوہ ایک بڑی مخلوق نے ان سے احادیث کو نقل کیا۔

طلبِ علم میں پرورش پائی، ان کے والد غریب شخص تھے اس لئے امام ابوحنیفہؒ یعقوب (ابو یوسف) کی سو سو دینار اور دراہم سے دیکھ بھال فرماتے۔

عباسؒ نے ابن معینؒ سے نقل کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ امام ابو یوسفؒ صاحبِ حدیث اور صاحب سنت تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ للامام الذہبی: ص۲۹۲/۱)

ابن حبانؒ نے "کتاب الثقات" میں فرمایا ہے کہ (امام ابو یوسف) شیخ متقن تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ: ص۶۴۵/۷)

اور (امام ابو یوسفؒ) فقیہ، عالم، حافظ تھے، حدیث حفظ کرنے میں مشہور تھے، محدث کے پاس حاضر ہوتے اور پچاس ساٹھ احادیث حفظ کر لیتے، پھر کھڑے ہوتے اور لوگوں پر

ان کااملا کراتے، اور بہت حدیث بیان کرنے والے تھے۔ (الانتقاء لابن عبدالبر: ص ۱۷۲)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا ارشاد ہے۔ جب میں نے اولاً حدیث کوطلب کیاتو امام ابو یوسف القاضیؒ کے پاس گیا (ان سے حدیث کوطلب کیاان سے فراغت پر)پھر دوسرے محدثین سے حدیث کوطلب کیا[1]۔ (تاریخِ بغداد: ص ۱۴/۲۵۵)

داؤد بن رشید کا ارشاد ہے۔ اگر امام ابوحنیفہؒ کا امام ابو یوسفؒ کے علاوہ کوئی اور شاگرد نہ ہوتاتو ان کوسب لوگوں پرفخر کرنے کے لئے یہی کافی ہوتا۔ (حسن التقاضی: ص ۱۵)

امام ابو یوسفؒ نے امام ابوحنیفہؒ کی صحبت کوسترہ برس تک لازم پکڑے رکھااور بجز مرض کے عید، بقرعید میں بھی ان سے جدانہیں ہوئے حتی کہ ان کے بیٹے کا انتقال ہوگیاتو اس کے کفن دفن میں بھی شریک نہیں ہوئے بلکہ ان کو پڑوسیوں اورعزیز وا قارب پر چھوڑ کر امام ابوحنیفہؒ کی مجلس میں شریک ہوئے اس اندیشہ سے کہ کہیں امام ابوحنیفہؒ کی طرف سے کوئی (علمی چیز)ان سےفوت نہ ہو جائے جس کی حسرت ہمیشہ باقی رہے۔ (حسن التقاضی: ص ۹ /۱۷)

ہلال بن یحییٰؒ نے بیان فرمایا کہ امام ابو یوسف تفسیر ومغازی اورتاریخِ عرب کے حافظ تھےاوران کےعلوم میں سب سے کم فقہ ہے۔ (تاریخِ بغداد: ص ۱۴/۲۴۶)

یحییٰ بن خالدؒ نے بیان فرمایا: امام ابو یوسفؒ ہمارے پاس تشریف لائے اوران میں (ان کے دیگرعلوم کے مقابلہ میں) فقہ سب سے کم تھا اور انہوں نے اپنے فقہ سے مشرق ومغرب کوبھر دیا[2]۔ (حسن التقاضی: ص ۱۵)

ایک شخص نے امام مزنی (تلمیذ الامام الشافعیؒ) سے سوال کیا کہ آپ ابوحنیفہؒ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا ان کے (فقہاء ومحدثین کے)سردار ہیں۔ پھر سوال کیا امام ابو یوسفؒ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا سب سے زیادہ حدیث کے متبع تھے۔

---

[1] امام احمد بن حنبلؒ نے امام ابو یوسفؒ سے حدیث کے تین صندوق لکھے۔ (حسن التقاضی: ص ۲۰)

[2] جب سب سے کم کے ذریعہ شرق ومغرب کوبھر دیا توتفسیر وحدیث اورمغازی کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے۔

پھر امام محمد بن الحسنؒ کے بارے میں سوال کیا۔ فرمایا مسائل کی تفریع میں وہ سب سے زیادہ ہیں، پھر امام زفرؒ کے بارے میں سوال کیا، فرمایا وہ قیاس میں سب سے زیادہ تیز ہیں۔ (تاریخ بغداد: ص ۱۴/۲۴۶)

طلحہ بن محمدؒ نے فرمایا: امام ابو یوسفؒ کا کام مشہور رہا، ان کی فضیلت ظاہر ہے، امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد اور اپنے اہل زمانہ میں سب سے زیادہ فقیہ ان کے زمانہ میں کوئی ان پر پیش قدمی نہ کر سکا (ان سے آگے نہ بڑھ سکا) علم، حکمت، ریاست، قدر میں وہ انتہا پر تھے، امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کے مطابق اصولِ فقہ میں سب سے اول انہوں نے کتابیں تصنیف فرمائیں اور مسائل کا املا کیا اور ان کو پھیلایا۔ امام ابو حنیفہؒ کے علم کو اقطار ارض میں پھیلا دیا۔ (تاریخ بغداد: ص ۱۴/۲۴۵)

محمد بن سماعہؒ نے فرمایا کہ امام ابو یوسفؒ قاضی بننے کے بعد ہر دن دو سو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ (تاریخ بغداد: ص ۱۴/۲۵۵)

محمد بن الصباحؒ نے فرمایا: امام ابو یوسف صالح شخص تھے، پے در پے روزے رکھا کرتے۔ (کتاب الثقات لابن حبان: ص ۶۴۶)

اسلام میں سب سے اول جس کو قاضی القضاۃ کہا گیا وہ امام ابو یوسفؒ ہیں۔ (تاریخ بغداد: ص ۱۴/۲۴۲)

﴿٢٣﴾

﴿الامام محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ﴾

المولود ١٣٢ھ المتوفی ١٨٩ھ

واسط میں پیدا ہوئے اور کوفہ میں پرورش پائی۔ اور وہیں (کوفہ میں) امام ابو حنیفہؒ اور مسعر بن کدامؒ اور سفیان ثوریؒ سے علم (حدیث) کی سماعت کی۔ اور امام مالکؒ (صاحب المؤطا) سے اور ابو عمرو الاوزاعیؒ اور امام ابو یوسف القاضیؒ سے بھی حدیثیں لکھیں اور حدیث کو طلب کیا اور حدیث کی سماعت کی خاطر بغداد تشریف لے گئے، وہاں قیام فرمایا، بہت لوگوں کی ان کے پاس آمد و رفت ہوئی اور انہوں نے حدیث و رائے کو ان سے سیکھا۔ الامام محمد بن ادریس الشافعیؒ اور ابو سلیمان الجوزجانی اور ابو عبید القاسم بن سلام وغیرہم امام محمدؒ سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ (یعنی امام شافعیؒ اور ابو سلیمان جوزجانیؒ دونوں امام محمدؒ کے شاگرد ہیں)۔ (تاریخ بغداد: ص ١٧٢/٢)

امام محمد بن الحسنؒ نے فرمایا: میرے والد نے تیس ہزار درہم چھوڑے ان میں سے پندرہ ہزار میں نے نحو اور شعر پر صرف کئے اور پندرہ ہزار حدیث و فقہ پر صرف کئے۔ (تاریخ بغداد: ص ١٧٣/٢)

یحییٰ بن معینؒ نے ان سے جامع صغیر کو سیکھا۔ (تاریخ بغداد: ص ١٧٦/٢)

امام ابو یوسفؒ کے بعد عراق کے فقہ کی سیادت و ریاست انہیں کی طرف منتہی ہوئی،

بہت سے ائمہ نے ان سے فقہ حاصل کیا۔انہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں۔دنیا کے ذکی ترین لوگوں میں سے تھے۔(مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ للحافظ الذہبی:ص٥٠)

امام محمدؒ نے فرمایا: میں امام مالکؒ کے دروازہ پر تین برس سے زیادہ مقیم رہا،اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے سات سو(٧٠٠) سے زائد احادیث میں نے ان سے سنیں۔(تاریخ بغداد:ص٣ ١٧/٢)

امام شافعیؒ نے فرمایا: میں نے کوئی شخص امام محمد بن الحسنؒ سے زیادہ کتاب اللہ کو جاننے والا نہیں دیکھا،اگر میں چاہوں تو کہہ سکتا ہوں کہ قرآن پاک محمد بن الحسنؒ کی لغت کے مطابق نازل ہوا ہے ان کی فصاحت کی وجہ سے (یعنی ایسی عمدہ فصاحت اور قواعدِ تجوید کے مطابق ایسا عمدہ قرآن پاک پڑھتے تھے کہ محسوس ہوتا تھا کہ اسی طرح قرآن پاک نازل ہوا ہے)

امام شافعیؒ نے فرمایا: میں نے امام محمد بن الحسنؒ سے ایک بختی اونٹ کے بوجھ کے برابر کتابوں کا علم حاصل کیا۔اور یہ بھی فرمایا: فقہ میں مجھ پر لوگوں میں سب سے زیادہ امام محمد بن الحسن کا احسان ہے۔(تاریخ بغداد:ص٦ ١٧/٢)

بویطیؒ نے امام شافعیؒ کا ارشاد نقل کیا ہے۔انہوں نے فرمایا علم حاصل کرنے میں اللہ تعالیٰ نے دو شخصوں کے ذریعہ میری مدد فرمائی،حدیث میں ابن عیینہ اور فقہ میں امام محمد بن الحسن رضی اللہ عنہما کے ساتھ۔(ذیل الجواہر المضیئۃ:ص ٥٢٧)

دیلمیؒ نے روایت کیا ہے کہ امام شافعیؒ نے فرمایا میں دس برس امام محمدؒ کی صحبت میں رہا ہوں اور ان کے کلام سے اونٹ کے دو بوجھ کے برابر کتابوں کا علم حاصل کیا ہے۔اگر وہ ہم سے اپنی عقل کے مطابق کلام فرماتے تو ہم ان کے کلام کو نہ سمجھ سکتے،لیکن وہ ہماری عقلوں کے مطابق کلام فرماتے تھے۔(ذیل الجواہر المضیئہ:ص ٥٢٨)

امام شافعیؒ کا یہ بھی ارشاد ہے۔محمد بن الحسنؒ کے علاوہ جب کسی سے میں نے مناظرہ کیا

تو اس کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ (تاریخ بغداد: ص ۱۷۷/۲)

الامام احمد بن حنبلؒ کا ارشاد ہے: جب کسی مسئلہ میں تین شخصوں کا قول (متفق) ہو تو پھر ان کی مخالفت کی گنجائش نہیں۔

دریافت کیا گیا وہ تین کون حضرات ہیں؟ فرمایا: ابو حنیفہؒ، ابو یوسفؒ، محمد بن الحسنؒ، ابو حنیفہؒ لوگوں میں سب سے زیادہ قیاس کو جاننے والے ہیں، ابو یوسف لوگوں میں آثار (احادیث) کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں، اور محمد بن الحسنؒ عربیت کو لوگوں میں سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ (الانساب للسمعانی: ص ۲۰۴/۸)

ابراہیم الحربیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے سوال کیا کہ یہ دقیق مسائل آپ کو کہاں سے حاصل ہوئے؟ فرمایا محمد بن الحسنؒ کی کتابوں سے۔ (تاریخ بغداد: ص ۱۷۷/۲)

امام محمد بن الحسنؒ کے بعض شاگردوں سے منقول ہے کہ امام صاحب کا معمول ہر روز ایک تہائی قرآن تلاوت کرنے کا تھا، اور ان سے انتہائی ذکاوت، عقل تام، ذہن کی تیزی، کثرتِ تلاوت بھی منقول ہے۔ (مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ للحافظ الذہبی: ص ۵۹)

امام کسائیؒ اور امام محمد بن الحسنؒ نے ہارون رشیدؒ کے ساتھ رے (شہر) کا سفر کیا اور وہاں دونوں کا ایک ہی دن میں انتقال ہوا، ہارون رشید نے فرمایا: آج لغت وفقہ دونوں کو دفن کر دیا گیا۔ (تاریخ بغداد: ص ۱۷۷/۲)

﴿۲۴﴾

﴿الامام زفر بن الہذیل رحمہ اللہ تعالیٰ﴾

المولود ۱۱۰ھ. المتوفی ۱۵۸ھ

وہ زفر بن الہذیل بن قیس البصریؒ ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ ان کی بہت تعظیم وتکریم کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے: وہ میرے اصحاب میں سب سے زیادہ قیاس سے واقف ہیں۔ (الفوائد البہیۃ فی تراجم الحنفیۃ ص ۷۵)

ابن معین اور ابونعیم نے فرمایا وہ ثقہ اور لائق اطمینان تھے۔

ابوعمر نے فرمایا: زفر عقل، دین، فہم والے، پرہیز گار اور حدیث میں ثقہ تھے۔ (الجواہر المضیئۃ: ص ۲۴۳، ۱/۲۴۴)

ابراہیم بن سلیمان کا ارشاد ہے ہم جب ان کے پاس بیٹھتے تو ان کے سامنے دنیا کے ذکر کرنے کی قدرت نہیں رکھتے تھے۔ اگر ہم میں سے کوئی بھی دنیا کا ذکر کرتا تو اس کو چھوڑ کر مجلس سے کھڑے ہو جاتے۔

ابن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام زفرؒ کو فرماتے ہوئے سنا وہ فرمارہے تھے:۔
''جب تک حدیث موجود ہو ہم رائے کو اختیار نہیں کرتے، اور جب حدیث آ جائے تو ہم رائے کو ترک کر دیتے ہیں''

امام وکیعؒ نے فرمایا: کسی کی صحبت سے مجھ کو اتنا نفع نہیں ہوا جتنا امام زفرؒ کی صحبت

سے ہوا۔

فضیل بن دکینؒ کا ارشاد ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی وفات کے بعد میں نے امام زفرؒ کی صحبت کو لازم پکڑ لیا، چونکہ وہ ان کے اصحاب میں سب سے زیادہ فقیہ اور سب سے زیادہ پرہیز گار تھے، پس میں نے ان سے بھرپور حصہ حاصل کیا۔

حسن بن زیادؒ نے فرمایا: امام زفرؒ اور داؤد طائیؒ دونوں بھائی بھائی کی طرح تھے، داؤد طائی فقہ کو ترک کر کے عبادت پر متوجہ ہو گئے، اور امام زفرؒ نے (فقہ اور عبادت) دونوں کو جمع کیا۔

محمد بن وہبؒ نے فرمایا: ''وہ (امام زفرؒ) اصحابِ حدیث میں سے تھے اور ان دس حضرات میں سے ایک تھے جنہوں نے کتب (فقہ) کو مدون کیا۔ (ذیل الجواہر: ص۵۳۴ر تا ۵۳۶)

صاحب مصابیح

کنیت ابومحمد، لقب محی السنہ، نام حسین بن مسعود، فراء، بغوی سے مشہور ہوئے، ابن الفراء بھی کہے جاتے ہیں ۴۳۵ھ میں پیدا ہوئے، فرو کے معنی پوستین، آپ کے آباءواجداد میں کوئی پوستین سیتے اور بیچتے تھے، بغوآپ کا وطن ہے، جو ہرات اور مرو کے درمیان واقع ہے، اس لئے "فرّاءبغوی" بولے جاتے ہیں، بغو کی اصل بغشور ہے جو باغ شور کا معرب ہے، شور حذف کرکے بغ کی طرف نسبت کی، یہ لفظ دوحرفی ہے، واؤ کی زیادتی سے تین حرفی ہوگیا۔ فقہ میں قاضی حسین بن محمد کے، اور حدیث میں ابوالحسن عبدالرحمٰن بن محمد داؤدی کے شاگرد ہیں، ان کے علاوہ دیگر محدثین سے بھی استفادہ کیا، تمام عمر تصنیف وتالیف اور حدیث وفقہ کے درس میں مشغول رہے، ہمیشہ باوضو درس دیتے، قائم اللیل اور صائم النہار تھے، زہد وقناعت میں زندگی گذاردی، بیوی نے ترکہ میں کافی مال چھوڑا، مگراس میراث سے کچھ نہ لیا، خشک روٹی پانی میں ترکرکے روزہ افطار کرتے، جب اصرار کیا گیا کہ خشک روٹی کھانے سے دماغ میں خشکی پیدا ہوگی تو بطور سالن روغن زیتون کھانے لگے، اپنے زمانہ میں تفسیر، حدیث اورفقہ کے زبردست امام تھے، اور مسلکاً شافعی تھے، جب آپ نے شرح السنۃ تصنیف کی تو آں حضور صلی اللہ وعلیہ وسلم کوخواب میں دیکھا ارشادفرمارہے ہیں کہ تو نے احادیث کی شرح کرکے میری سنت کوزندہ کردیا، اس کے بعد آپ کا لقب "محی السنہ" ہوگیا، آپ کی تصانیف میں مصابیح السنۃ حدیث کی مشہور کتاب ہے، جو۴۴۸۴صحاح وحسان روایات کا منتخب مجموعہ ہے، بخاری ومسلم سے۲۴۳۴، ترمذی، ابوداؤدوغیرہ سے۲۰۵۰۔

بعمر ۸۱/سال ۵۱۶ھ میں بمقام مرو بیخاہ شوال آپ کی وفات ہوئی، اورمقبرہ طالقان میں اپنے استاذقاضی حسین کے جوار میں مدفون ہوئے۔

آپ کے تبحر علمی کی شہادتیں

بڑے بڑے اکابر محدثین وعلماء نے آپ کے بلند مرتبہ کی شہادت دی ہے۔ مثلاً

(۱)...... حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"البغوی الامام الحافظ" آپ کے نیک عزم کی وجہ سے "بورک لہ فی تصانیفہ لقصدہ الصالح فانہ کان من العلماء الربانین کان ذا العبد ونسک وقناعۃ بالیسیر" (تذکرۃ الحفاظ ص: ۴/۵۴)

آپ کی تصانیف میں برکت عطاء ہوئی تھی، اس لئے کہ آپ علماء ربانیین میں سے ہیں، آپ عبادت گذار حج کرنے والے اور تھوڑے پر قناعت کرنے والے تھے۔

(۲)...... حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"کان علامۃ زمانہ فیھا رای فی العلوم وکان دینا ورعا زاھدا عابدا صالحا."

آپ علوم میں اپنے زمانہ کے علامہ تھے اور دیندار متقی، زاہد، عبادت گذار اور نیک تھے۔ (البدایہ والنہایہ: ۱۲/۱۹۵)

(۳)...... علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"کان اماما جلیلا ورعا زاھدا فقیھا محدثا مفسرا جامعا بین العلم والعمل سالکا سبیل السلف لہ فی الفقہ الید الباسطۃ"

آپ جلیل القدر امام، متقی، پرہیز گار، فقیہ، محدث، مفسر، علم وعمل کے جامع اور سلف کے طریق کے پیروکار تھے، آپ کو فقہ میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ (فوائد جامعہ: ۱۹۴/ بحوالہ الطبقات الکبریٰ للسبکی: ۲۱۴)

(۴)...... امام بغویؒ کو حدیث، فقیہ اور تفسیر تینوں فنون میں بہت کمال حاصل تھا، حضرت شاہ

عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''وے جامع است درسہ فن، وہر یک را بکمال رسانیدہ است، محدث بینظیر ومفسر بے عدیل وفقیہ شافعی صاحب فقہ است۔''	آپ تین فنون میں جامعیت رکھتے تھے اور ہر ایک کو کمال تک پہنچایا تھا، آپ بے نظیر محدث اور بے مثال مفسر اور فقہ شافعی کے فقیہ تھے۔ (بستان المحدثین (فارسی) ص:۱۳۷)

تصانیف

(۱)...... المصابیح. (۲)...... ارشاد الانوار فی شمائل النبی المختار.

(۳)...... ترجمة الاحکام فی الفروع. (۴)...... التهذیب فی الفروع.

(۵)......الجمع بین الصحیحین. (۶)...... شرح السنة.

(۷)...... الفایة فی الفقه. (۸)...... الکفایة فی القراءة.

(۹)...... معالم التنزیل. (۱۰)...... معجم الشیوخ.

⦿⦿⦿

صاحب مشکوۃ

کنیت ابوعبداللہ، لقب ولی الدین، نام محمد بن عبد اللہ، نسباً عمری ہیں، اور خطیب تبریزی سے مشہور ہیں، اپنے وقت کے محدث علام، فصاحت و بلاغت کے امام اور حدیث میں امتیازی شان رکھتے تھے، مبارک شاہ، ساوی وغیرہ آپ کے شاگرد تھے، آپ کی تصانیف میں سب سے زیادہ مشہور مشکوۃ المصابیح ہے جس میں صحاح کے علاوہ دوسری کتابوں کی حدیثیں بھی جمع ہیں، یہ دراصل علامہ فراء بغوی کی مصابیح السنۃ کی تکمیل ہے، مصابیح میں صرف حدیثیں مذکور تھیں، راوی کا نام مخرجِ حدیث، صحت وضعف وحسن وغیرہ کا تذکرہ نہ تھا، یہ سب صاحب مشکوۃ نے کیا اور ہر باب میں فصل ثالث کا بھی اضافہ کیا، مصابیح کی فصل اول میں صحیحین کی حدیثیں لائے ہیں جن کو صحاح سے تعبیر کیا، فصلِ ثانی میں ابوداؤد، ترمذی، نسائی، وغیرہ کی احادیث لائے جن کو حسان کے نام سے یاد کیا، فصلِ ثالث میں صاحب مشکوۃ صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کتب کی احادیث بھی لائے ہیں، نیز باب کے مناسب صحابہ وتابعین کے اقوال وافعال بھی جمع کردئے ہیں۔

تعداد احادیث مشکوۃ ومصابیح

مصابیح کی کل حدیثیں ۴۴۳۴ تھیں آپ نے ۱۵۱۱ حدیثوں کا اضافہ کیا، اس طرح مشکوۃ کی کل احادیث ۵۹۴۵ ہوگئیں، (یعنی ۵۵ رکم چھ ہزار) مشکوۃ المصابیح اس قدر مقبول ہوئی کہ تمام مدارس میں داخل درس ہے اور بڑے بڑے علماء نے اس کی شرحیں لکھیں۔

تاریخ حدیث میں ہے کہ ۷۴۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

آپؒ ۷۳۷ھ میں "مشکوۃ المصابیح" کی تالیف سے فارغ ہوئے، مشکوہ کی تالیف سے فراغت کے بعد آپ نے ایک رسالہ تصنیف فرمایا جس کا نام "اکمال فی اسماء الرجال" ہے، اس میں ان صحابہ وتابعین وائمہ کے حالات مختصر اور جامع انداز میں لکھے ہیں جن کا تذکرہ مشکوۃ میں ہوا، آپ اس رسالہ کی تالیف سے ۷۴۰ھ میں فارغ ہوئے۔

علم وفضل میں آپکو جو مقام عالی حاصل تھا وہ آپ کی تالیف "مشکوۃ المصابیح" کی مقبولیت اور نافعیت سے ہی واضح ہے، حضرت ملا علی قاریؒ نے آپ کا تذکرہ ان الفاظ سے فرمایا ہے:

"لما كان كتاب مشكوة المصابيح الذى أَلَّفَهُ مولانا الحبر العلامة والبحر الفهامة مظهر الحقائق وموضح الدقائق الشيخ التقى النقى ......" (مرقاة: ۲/ ۱)

جب کہ کتاب "مشكوة المصابيح" جس کی تالیف کی مولانا، بڑے عالم، علامہ اور علم ودانش کے دریا، حقائق کے ظاہر کرنے والے اور دقائق کی وضاحت کرنے والے شیخ جو متقی ہیں، پاک صاف ہیں۔

آپ کے بلند مقام کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ آپکے جلیل القدر استاذ علامہ طیبیؒ نے آپ کا تذکرہ "بقیۃ الاولیا قطب الصلحا ء" کے الفاظ سے کیا ہے۔ (فوائد جامعہ:۵۱۵)

شروح مشکوۃ شریف

مشکوۃ شریف کو منجانب اللہ بے حد قبولیت نصیب ہوئی تالیف سے لے کر اب تک اس سے افادہ واستفادہ مختلف انواع سے پورے عالم اسلام میں عوام وخواص، علماء وطلباء ومصنفین غرضیکہ ہر طبقہ میں بہت عموم وشیوخ سے جاری رہا ہے۔ "ذلک فضل اللہ یؤتیه من یشاء" علماء امت نے مختلف اطوار سے اس کتاب مقدس کی خدمت کی ہے، ایک نوع

خدمت اس کی شروح وحواشی لکھنا ہے، چنانچہ اس پر مختلف انداز سے شروح کثیرہ وحواشی لکھے گئے ہیں، جن میں صرف چند ایک کا تذکرہ ہم تبرکاً کرتے ہیں۔

(۱)......الکاشف عن حقائق السنن.

یہ صاحب مشکوۃ کے استاذ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ کی لکھی ہوئی شرح ہے۔ یہ مشکوۃ شریف کی سب سے پہلی شرح ہے، یہ شرح طیبی کے نام سے مشہور ہے۔ علامہ طیبی کا انتقال صاحب مشکوۃ کے انتقال کے تین سال بعد ۷۴۳ھ میں ہوا۔ گویا شرح تالیف مشکوۃ کے بعد چھ سال کے عرصہ کے اندر اندر لکھی گئی ہے، اس شرح میں حضرت علامہ طیبی نے زیادہ تر فصاحت وبلاغت کے نکات بیان کرنے کی طرف توجہ فرمائی ہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح مشکوۃ کے علاوہ اور بھی بہت سی مفید کتابیں زیب قرطاس فرمائی ہیں، مثلاً فن بلاغت میں "التبیان فی علم المعانی و البیان" اصول حدیث میں ایک کتاب "خلاصه فی اصول الحدیث" لکھی۔ قرآن پاک کی ایک تفسیر لکھی جس کا نام "کشاف" ہے۔ یہ زمخشری کی کتاب کے علاوہ ہے۔ اس میں زمخشری کے معتزلانہ نظریات کی تردید کی ہے۔ آخر عمر میں آپ نے ایک مبسوط تفسیر لکھنی شروع کی تھی، نماز فجر اور ظہر کے مابین اس تفسیر کے لکھے حصے کا روزانہ بڑے مجمع میں درس دیتے تھے۔ ظہر اور عصر کے دوران بخاری شریف سنانے کا معمول تھا، بروز منگل بتاریخ ۲۳ رشعبان ۷۴۳ھ حسب معمول درس بخاری کے لئے قبلہ رو ہوکر فرضوں کے انتظار میں مراقبہ میں بیٹھے ہوئے تھے اسی حالت میں انتقال ہوا۔

(۲)......لمعات التنقیح فی شرح مشکوۃ المصابیح.

مشکوۃ شریف کی یہ شرح عربی زبان میں ہے۔ ہندوستان کے مشہور محدث شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی لکھی ہوئی ہے۔ شیخ کی ولادت ۹۵۸ھ کو اور وفات ۱۰۵۲ھ کو ہوئی،

اس شرح کے پہلے قلمی نسخے کہیں کہیں موجود تھے، اب مکتبہ معارف علمیہ لاہور نے حقِ طباعت ادا کرتے ہوئے طبع کرانی شروع کی ہے، چند جلدیں چھپ چکی ہیں۔

(۳)......اشعة اللمعات.

یہ بھی حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی ہی لکھی ہوئی شرح ہے۔ اس میں احادیث مشکوۃ کا سلیس ونفیس فارسی زبان میں نہایت فصیح ترجمہ کیا ہے۔ اور ساتھ ساتھ ضروری تشریحات وفوائد کا اہتمام کیا گیا ہے۔ حل مشکوۃ کے لئے بہت کافی ہے۔

(۴)......مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح.

یہ شرح عربی زبان میں ہے۔ مشہور محدث وفقیہ حنفی علامہ علی بن سلطان محمد جوملا علی قاری کے نام سے معروف ہیں ان کی تصنیف ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۱۰۱۴ھ کو ہوا۔

(۵)......مبسوط.

مبسوط شرح ہے۔ روایات کے ضبط کا خصوصیت سے بہت اہتمام کیا ہے۔ ہر لحاظ سے مفید اور جامع ہے۔ نایابی کے بعد کئی حضرات نے اس کی طباعت کا اہتمام کیا ہے۔ مکتبہ امدادیہ ملتان نے ۱۱ رجلدوں میں مکمل طبع کرائی ہے۔

(۶)......مظاہر حق جدید۔

حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مشہو شاگرد حضرت علامہ قطب الدین خان دہلویؒ نے قدیم اردو زبان میں مشکوۃ شریف کی بہترین شرح لکھی ہے جس کا نام مظاہر حق ہے۔ نہایت مستند اور مقبول عند العلماء ہے اس کے مضامین زیادہ تر اشعۃ اللمعات سے ماخوذ ہیں۔

(۷)......علامہ سید شریف رحمہ اللہ تعالیٰ نے مشکوۃ شریف پر حاشیہ رقم فرمایا ہے جو علامہ طیبیؒ

کی شرح سے اختصار کیا گیا ہے۔

(۸)......التعلیق الصبیح علی مشکوۃ المصابیح.

مشہور محدث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے استاد معظم حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ کے ایماء پر عربی زبان میں شرح مشکوۃ لکھی۔ جس کا نام ''التعلیق الصبیح علی مشکوۃ المصابیح'' ہے۔ یہ آٹھ جلدوں میں ہے۔ پہلی چار جلدیں دمشق میں طبع ہوئیں۔ اور آخری چار جلدیں لاہور میں طبع ہوئیں۔

⦿⦿⦿

خطبہ ودیباچہ

جس میں حمد وصلوۃ کے بعد تدوین احادیث مبارکہ کی ضرورت، کتاب المصابیح کی اہمیت و جامعیت نیز مشکوۃ المصابیح کی وجہ تالیف، طریق تالیف، دونوں کتابوں میں فرق کی تفصیل کو بیان کیا گیا ہے۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

خطبۃ الکتاب

الحمد للّٰہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ واشھد ان لاالہ الا اللّٰہ الخ۔

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں ہم اسی کی حمد کرتے ہیں اور ہم اسی سے مدد طلب کرتے ہیں اور اسی سے مغفرت کی درخواست کرتے ہیں اور ہم اپنے نفس کی برائیوں اور اپنے اعمال کی خرابیوں سے خدا کی پناہ چاہتے ہیں، جس کو اللہ تعالیٰ سیدھا راستہ عطا کرے اس کو بھٹکانے والا کوئی نہیں اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کردے اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، یہ ایسی گواہی ہے جو نجات کا ذریعہ اور درجات کی بلندی کی ضامن ہے، اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسے وقت میں رسول بنا کر بھیجا جب ایمان کی راہوں کے نشانات مٹ چکے تھے، اور اس کی روشنیاں گل ہو چکیں تھیں، اس کے آثار ماند پڑ گئے تھے اور ان کی بتائی ہوئی منزل نظروں سے پوشیدہ ہو گئی تھی، چنانچہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان

مٹے ہوئے نشانات کو دوبارہ واضح کیا اور کلمۂ توحید کے ذریعہ لب گور مریض کو شفا بخشی، اور جو شخص ہدایت کی راہ پر گامزن ہونا چاہے اس کے لئے ہدایت کے راستوں کو روشن کر دیا، اور نیک بختی کے خزانے نیک بختی کے طالب کیلئے ظاہر فرما دیئے۔

حمد و صلاۃ کے بعد، یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو اسی وقت اختیار کیا جا سکتا ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ مبارکہ سے ظاہر ہونے والی چیز (حدیث پاک) کی کامل اتباع کیجائے۔ اور قرآن کریم کو مضبوطی سے اسی وقت تھاما جا سکتا ہے، جب اس کی تشریح احادیث مبارکہ کے ذریعہ سے ہو۔

وکان کتاب المصابیح الذی صنفه الامام محی السنة قامع البدعة ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی رفع الله درجته اجمع کتاب صنف فی بابه: سنت کو زندہ کرنے والے بدعت کو ختم کرنے والے (ابومحمد حسین بن مسعود فرا بغوی، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے) نے مصابیح کی تالیف فرمائی تھی، وہ کتاب اپنے فن کی ایک جامع کتاب تھی جس میں امام موصوف نے بہت اچھے انداز سے منتشر متون (احادیث مبارکہ) کو جمع فرمایا تھا، اور مصنف کا بغیر سند کے حدیث کو نقل کرنا ایسا ہی ہے جیسے سند کے ساتھ نقل کرنا، کیوں کہ وہ نقل حدیث میں ثقہ اور معتمد محدثین میں گنے جاتے ہیں، لیکن پھر بھی بے نشان والی چیز نشان والی چیز کے درجے میں نہیں ہو سکتی، اس وجہ سے میں نے اللہ تعالیٰ سے مدد چاہی اور اس کی توفیق کا طالب گار رہا، پھر میں نے ہر حدیث کو جس باب سے وہ متعلق تھی اس میں رکھا، اور علماء و محدثین نے جس طرح اس کو روایت کیا تھا اسی طرح میں نے سند اور حوالہ کتاب کے ساتھ اس کو ذکر کیا، مثلاً محمد بن اسماعیل بخاری، ابوالحسن مسلم بن حجاج قشیری، ابوعبداللہ مالک بن انس اصبحی ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعیؒ ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبلؒ شیبانی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، ابوعبدالرحمٰن احمد بن

شعیب نسائی، ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی، ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی، ابوالحسن علی ابن عمر دارقطنی، ابوبکر احمد بن حسین بیہقی، ابوحسن رزین ابن معاویہ عبدری، اور ان کے علاوہ بھی کچھ محدثین ہیں۔ اور بلاشبہ جب میں نے ائمہ حدیث کی طرف حدیث پاک کی نسبت کردی تو گویا میں نے حقیقتاً اس کی سند حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچادی، کیوں کہ ان ائمہ محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے سند ذکر کر کے ہم سب کو اس سے بے نیاز کر دیا ہے، اور میں نے اس کتاب کی ترتیب وہی رکھی ہے جو صاحب مصابیح نے رکھی تھی، اور اس سلسلے میں میں نے ان کی پیروی کی ہے۔ اور میں نے عام طور سے ہر باب کو تین فصلوں میں تقسیم کیا ہے، پہلی فصل میں شیخین کی روایت کو ذکر کیا ہے یا اس روایت کو ذکر کیا ہے جو ان دونوں میں سے کسی ایک کی کتاب میں ہے اگرچہ کچھ احادیث ایسی بھی ہیں جن کو دوسرے محدثین نے بھی ذکر کیا ہے، لیکن میں نے صرف شیخین کا ذکر ان کے بلندئ مرتبہ کی وجہ سے کیا ہے۔ اور دوسری فصل میں شیخین کے علاوہ جو ائمہ مذکورہ ہیں ان کی روایت کو ذکر کیا ہے، تیسری فصل میں احادیث کے علاوہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وحضرات تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کے ان آثار کو بھی جمع کیا ہے جو باب کے مطابق تھے، آثار کو جمع کرنے میں شرائط حدیث کو مدنظر رکھا ہے۔

وان وجدت اخر بعضه متروکا علی اختصاره او مضموما الیه تمامه فعن داعی اهتمام اترکه والحقه وان عثرت علی اختلاف فی الفصلین من ذکر غیر الشیخین فی الاول: اگر تم کو ایک حدیث ایسی ملے جس کا بعض حصہ اختصاراً حذف کر دیا گیا ہے یا اس میں کچھ حصہ ملا دیا گیا ہے تو یہ ملانا اور حذف کرنا ایک خاص مقصد کے تحت ہے، اور اگر دو فصلوں میں اختلاف محسوس ہو اور یہ اس طور پر ہو کہ شیخین کے علاوہ کی روایت فصل اول میں اور شیخین کی روایت فصلِ ثانی میں ہو تو یہ بات ذہن میں رہنا چاہئے کہ

یہ اختلاف غفلت یا تساہل کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ میں نے حمیدی کی کتاب "جمع بین الصحیحین" اور کتاب جامع الاصول میں بہت تلاش وجستجو کے بعد یہ ترتیب قائم کی ہے، اور اس سلسلے میں میں نے بخاری ومسلم کے اصل نسخوں پر اعتماد کیا ہے، اور اگر اختلاف اصل حدیث میں نظر آئے تو یہ اختلاف اسناد میں اختلاف کی وجہ سے ہوگا۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ جس روایت کو شیخ نے نقل کیا ہے وہ مجھے نہ مل سکی ہو، لیکن ایسا بہت کم ہوگا کہ روایت مجھے نہ ملی ہو، یا مجھے اصول کی کتابوں میں شیخ کی نقل کردہ روایت کے خلاف وہ روایت ملی ہو، لیکن اگر ایسا اختلاف ملے تو خطا کی نسبت کوتاہ علمی کی وجہ سے میری طرف کی جائے، شیخ اس قسم کی غلطی سے پاک ہیں اور اصل پاکی اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، اللہ تعالیٰ ان کے درجات دنیا وآخرت میں بلند فرمائے۔(آمین)

رحم اللہ من اذا وقف علی ذلک نبھنا علیه وارشدنا طریق الصواب ولم ال جھدا فی التنقیر والتفتیش بقدر الوسع والطاقة: اللہ تعالیٰ کی اس شخص پر رحمت ہو جس کو وہ روایت ملے اور ہمیں اس سے وہ مطلع کردے۔اور درست راستہ کی ہم کو رہنمائی کردے۔ میں نے اس کی تلاش اور تحقیق میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اور اپنی وسعت وطاقت کے مطابق بھرپور چھان بین کی۔ اور جیسا اختلاف پایا ویسا ہی نقل کردیا۔اور شیخ نے جن احادیث پر غریب یا ضعیف کا حکم لگایا ہے۔ میں نے ان سب کی وجہ کو بیان کردیا ہے، اور جن احادیث اور اصولی امور کی شیخ نے نشاندہی نہیں کی، میں نے بھی ان مقامات کو بغیر کسی مجبوری کے نہیں چھیڑا، اور کچھ ایسے بھی مقامات ملیں گے جہاں میں نے کتاب کا حوالہ نہیں دیا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ بسیار تلاش وجستجو کے باوجود مجھ کو راوی کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔لہٰذا وہ جگہ میں نے خالی چھوڑ دی ہے۔جس کو راوی کا نام معلوم ہو تو اس جگہ اس کا حوالہ دے دے۔اس کے لئے اللہ تعالیٰ تم کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اور اس کتاب کا نام میں نے

"**مشکوۃ المصابیح**" رکھا۔

اس کتاب کی تصنیف کے لئے اللہ تعالیٰ سے نیک توفیق، اس کی مدد، اس کی ہدایت اور مقصد کے حصول کے لئے خطاؤقصور سے حفاظت کا طالب ہوں، اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس زندگی میں اور مرنے کے بعد نیز تمام مسلم مردوں وعورتوں کو اس سے نفع پہنچائے۔ اللہ تعالیٰ میرے لئے کافی ہے اور بہترین کارساز ہے، طاقت وقوت اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہے جو تمام امور پر غالب اور حکمت والا ہے۔

تشریح: الحمد لله نحمده الخ: جملہ مصنفین کا طریق یہی ہے کہ اپنی کتاب کو بسم اللہ اور حمد و صلوۃ سے شروع فرماتے ہیں، مگر سب کا انداز جداگانہ ہوتا ہے کوئی جملہ اسمیہ کے ذریعہ تحمید کرتا ہے کوئی جملہ فعلیہ سے کوئی ایسا جملہ اختیار کرتا ہے جو اسمیہ فعلیہ دونوں ہوسکتا ہے صاحب مشکوۃ نے بھی یہی انداز اختیار کیا اور اپنی کتاب کو جملہ اسمیہ وفعلیہ دونوں سے شروع فرمایا ہے۔ غالبًا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جملہ اسمیہ تو دوام واستمرار پر دلالت کرتا ہے، تو مطلب یہ ہوا کہ ہر حال میں ہمیشہ ہر قسم کی تعریف حق تعالیٰ شانہ کے واسطے ہے، اور جملہ فعلیہ تجدد وحدوث پر دلالت کرتا ہے، مطلب یہ ہے کہ اے خدا ہم انواع مختلفہ کے ساتھ وقتًا فوقتًا یومًا فیومًا لیلًا فلیلًا کبھی اس انداز سے کبھی اس طریق سے تیری حمد کرتے ہیں، پھول پتی پر کبھی حمد کرتے ہیں، اور کبھی عمدہ عمارتوں پر کبھی حسن وخوبی پر، کبھی دولت ایمان پر، کبھی دولت علم پر، ہر حال میں ہر کیف میں ہم تیری تعریف کرتے ہیں اور چونکہ نحمده میں ایک دعویٰ کی صورت پائی جاتی ہے کہ ہم اس کی حمد کرتے ہیں۔

حالانکہ کہاں حق تعالیٰ شانہ کی حمد اور اس کا پاک نام اور کہاں ہماری ناپاک زبان اس کی شان تو یہ ہے۔ ؎

ہزار بار بشوئیم دہان زمشک وگلاب
ہنوز نامِ تو گفتن کمالِ بے ادبی است

وہاں تو یہ ہے کہ ہزار مرتبہ بھی منہ کو مشک وگلاب وغیرہ سے دھویا جائے تب بھی اللہ تعالٰی کا نام لینا بہت بڑی غلطی ہے اور یہاں دعوٰی کہ ہم تیری حمد کرتے ہیں اس دعوی سے بچنے کے لئے مصنف نے فرمایا:

"ونستعینہ" کہ اس حمد کرنے پر بھی ہم اللہ تعالٰی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ اگر وہ توفیق دے تو ہم حمد کر سکتے ہیں ورنہ نہیں۔ اور پھر بھی "الانسان مرکب من الخطأ والنسیان" [انسان غلطیوں سے مرکب ہے] انسان کتنی بھی سعی کرے اہتمام سے کام لے غلطی بھول چوک ہو ہی جاتی ہے، حمد میں بھی کچھ نہ کچھ کوتاہی اور غلطی ضرور رہیگی۔ اس لئے فرمایا:

"ونستغفرہٗ" کہ اگر کوئی غلطی ہو جائے تو ہم اللہ تعالٰی سے مغفرت چاہتے ہیں اور پھر چونکہ شیطان انسان کے پیچھے لگا ہوا ہے، پیدائش کے وقت ہی دو لمۃ پیدا ہوتے ہیں۔ لمۃ من الشیطان ولمۃ من الرحمن. اور لمۂ رحمانی اگر اچھائیوں کا القاء کرتا ہے۔ تو لمۂ شیطانی برائیوں کا القا کرتا رہتا ہے اس لئے ضروری ہوا کہ کسی بڑے کی پناہ گاہ کو پکڑا جائے اس لئے فرمایا:

"ونعوذ باللہ من شرور انفسنا." [کہ ہم اپنے نفسوں کے شر اور برائیوں سے اللہ تعالٰی کی پناہ چاہتے ہیں۔]

اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ جو برائیاں نفسوں میں موجود ہیں بذات خود بری نہیں، بلکہ تعلق کے اعتبار سے اس میں برائی آ جاتی ہے۔ کفر بذات خود برا نہیں اور غصہ بذات خود برا نہیں بلکہ اپنے محل ومتعلق کے بدل جانے سے برائی پیدا ہو جاتی ہے، کفر کا تعلق اگر شیطان کے ساتھ کیا جائے تو اچھا ہے ایسے ہی غصہ کا اور کفر کا تعلق خدا کے ساتھ کیا جائے تو برا اور مذموم ہے۔

اور جب شرور اور اعمال کی اضافت انفس کی طرف کی تو اس سے یہ وہم ہوسکتا تھا کہ نفوس مختار ہیں اور اعمال میں مستقل ہیں لہٰذا "من یھدہ اللہ فلا مضل لہ الخ" [جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور اللہ تعالیٰ جس کو گمراہ کردے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔] لاکر اس وہم کو دور کردیا کہ یہ سب منجانب خداوندی ہے بندہ کو صرف کسب حاصل ہے۔(شرح الطیبی:۱/۸۳)

آثار سے مراد کتابیں ہیں۔**انوار** سے مراد علماء۔اور **ارکان** سے مراد آیات۔ **مکان** سے مراد کتاب اور علماء دونوں ہیں۔

شیّد تشیید سے جس کے معنی مضبوط کرنا شید میں جو ضمیر ہے اس کا مرجع حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں تو چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر ضمناً ہوگیا اس لئے صلوت اللہ الخ لائے اور اول اشھد ان محمداً الخ میں صلوات الخ نہ کہا چونکہ یہ کلمات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایسے ہی منقول ہیں۔

من معالمھا: ماعفا کا بیان ہے اور من العلیل. من کان علی شفا کا بیان ہے۔فی تائید الخ علت ہے فی تعلیلیہ ہے اور یہاں صنعتِ مشاکلہ بھی پائی جاتی ہے، چونکہ دو ایسے لفظوں کا ایک کلمہ میں جمع کردینا جو لفظاً ایک ہوں اور معنًی جدا گانہ صنعت مشاکلہ کہلاتا ہے یہاں شفیٰ شفا دونوں ظاہراً ایک ہیں مگر اول فعل دوم اسم ہے۔

طرق الایمان: ایمان کے راستوں سے مراد انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والتسلیم، کتب سماویہ اور ان کے متبعین پیروکار علماء وصلحاء ہیں۔(مرقاۃ:۱/۸)

قد عفت اثارھا: [ان کے نشان مٹ چکے تھے] عفا یعفو عفوا. مٹنا مٹادینا۔ لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اور مبالغہ کے اوزان میں سے ہے یہ ماخوذ ہے اہل عرب کے قول "عفت الریح الأثار سے۔اور قرآن پاک میں ہے۔"عفا اللہ

عنک لم اذنت لھم" ای محا اللہ عنک. (لسان العرب)

آثار: اثر کی جمع ہے۔(مرقاۃ:١/٨)

و خبت انوارھا: اوران کی روشنی بجھ چکی تھی۔خبا یخبو خبواً وخُبُواً. بجھنادھیماپڑنا۔یہ اصل میں ہمزہ کے ساتھ "خبأ" تھامگر اہل عرب اس کو بلاہمزہ کے استعمال کرتے ہیں۔قرآن پاک میں ہے "کلما خبت زدناھم سعیرا". (لسان العرب)

انوار: سے مرادانبیاءاورعلماءوغیرہ کی تعلیمات وہدایات ہیں۔(تحفۃ المرأۃ)

ووھنت ارکانھا. وھن ض وھناً کمزوری،سستی،خواہ وہ عمل میں ہو یاامر میں یا اس کے علاوہ میں۔قرآن پاک میں ہے "حملته امه وھنا علی وھن" اس کی ایک تفسیر ضعفا علی ضعف بھی کی گئی ہے۔(لسان العرب)

ارکان: رکن کی جمع ہےاس سے مراداصل توحید،نبوۃ،بعث بعد الموت اورقیامت پرایمان ہےاورعندالبعض نماز،زکوۃ وغیرہ دیگر عبادات مراد ہیں۔(مرقاۃ:١/٨)

جھل مکانه: جھل س جھلا و جھالةً نہ جاننا۔یہ علم کی نقیض ہے۔

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کواس وقت مبعوث فرمایا،جب بنی نوع انسان جہالت اورضلالت کی انتہاءکوپہنچ گئی تھی اورایمان ودین کی روشنی پھیلانے والی وہ تعلیمات جوانبیاءکرام علیہم الصلوٰۃ والسلام،کتب ساویہ اوران کے متبعین کے ذریعہ عالم میں پہنچائی گئی تھیں ان کو یکسر نظر انداز اور بالکل فراموش کردیا گیا تھا،اوران تعلیمات وہدایات سے اس قدر دوری ہوگئی تھی کہ وہ ناممکن الحصول ہوگئی تھیں،اوراس قدر ظلمت وجہالت عام ہوچکی تھی کہ علماءوصلحاءکاوجودناپید ہوگیا تھا اور جومعدودے چند تھے وہ رہبانیت اختیار کیے ہوئے تھے،اورسماج ومعاشرہ میں ان کی کوئی حیثیت ووقعت نہیں تھی۔ (مستفاد:مرقاۃ)

وشفی من العلیل

من کان علی شفا.

پہلا "شفی" شفاء سے ماخوذ ہےاور فعل ماضی ہے نیز دوسرا "شفا" حافہ اور کنارہ کے معنی میں ہےاور اسم ہے۔

اس سے اشارہ ہے قرآن پاک کی آیت "وکنتم علی شفا حفرة من النار" کی طرف (مرقاۃ)

اور مراد یہ ہے کہ بنی نوع انسان کفر وشرک میں ابتلا کی وجہ سے روحانی طور پر بیمار ہوکر دوزخ کے گڑھے میں گرنے کے قریب تھی، کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اس کو ایمان وتوحید کی تعلیم کے ذریعہ جہنم سے بچا کر فلاح ونجات کے راستہ پر گامزن کردیا۔

واوضح سبیل الهدایة

لمن قصد ان یسلکها.

[اور ہدایت کے راستہ کو واضح کردیا اس شخص کے لئے جو اس پر چلنے کا ارادہ کرے۔]

کنوز سعادة. یعنی نیک بختی کے خزانے، اور اس سے مراد اسلام، ایمان، نیک اعمال، عبادات اور معارف ہیں کیونکہ ان کو حاصل کرنے والا جنت کے خزانوں کا مستحق ہوتا ہے۔

نیز "لمن اراد" اور اسی طرح "لمن قصد" سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بندہ کیلئے سعی ضروری ہے جیسا کہ بعض مشائخ سے منقول ہے کہ ان چیزوں کا حصول موقوف تو مشیت خداوندی پر ہے مگر بندہ کیلئے کسب وسعی ضروری ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ تبارک وتعالی نے قرآن پاک کی صفت "هدی للمتقین" ذکر فرمائی ہے۔ (مرقاۃ)

مَعَالِمُ. مَعْلَمٌ کی جمع ہے بمعنی علامت۔ (مرقاۃ)

اَمَّا: مجمل کی تفصیل کے لئے آتا ہے۔

لطیفہ: اور اماں بھی تفصیل کے لئے ہوتی ہے جو باپ کی پیٹھ میں مجمل ہوتا ہے۔ اماں اس کو اپنے پیٹ میں لیکر اس کی تفصیل کر دیتی ہے اور اس کو ظاہر کر دیتی ہے۔

اَمَّا کلام کا اسلوب بدلنے کے لئے بھی آتا ہے جس کو **فصلِ** خطاب کہتے ہیں۔ چونکہ یہ تفصیل کے لئے ہوتا ہے اور مجمل و مفصل میں تغایر ہوتا ہے۔

فان التمسک میں فاء چونکہ اما اکثر و بیشتر شرط کے لئے آتا ہے اس لئے فاء یہاں لایا گیا، جزا کے معنی موہوم کی وجہ سے یہ سمجھ کر اور خیال کر کے کہ اما شرط کیلئے ہے۔

تمسک: کسی چیز کو پانچوں انگلیوں سے پکڑنا مضبوط پکڑنا۔ ھدی راستہ دکھلانا اس کے معنی میں پیش قدمی رکھی ہوئی ہے ھدی کے معنی چال، سیرت چلن لا یستتب استقامت ہونا اقتفا، گدی کے پیچھے کا حصہ، یہاں مراد اتباع کرنا ہے۔ لما میں ما موصولہ ہے اور صَدَرَ اس کا صلہ ہے۔

من مشکوته الخ: میں مشکوۃ سے تشبیہ دی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کو، اور اس کو حذف کر دیا اور ضمیر کو لوٹا دیا، یہ استعارہ بالکنایہ ہے اسی کا نام استعارہ مکنیہ ہے۔[1]

اعتصام میں تمسک کے معنی کے بنسبت اور زیادتی ہے بحبل اللہ میں حبل اللہ سے مراد کلام اللہ شریف ہے۔

اما بعد سے یہاں تک حدیث کی ضرورت و عظمت کو بیان کیا اور فرقہ قرآنیہ کا ابطال

---

[1] اور اس تشبیہ کی وجہ یہ ہے کہ مشکوۃ کہا جاتا ہے طاق (وہ محراب دار ڈاٹ جو دیوار میں چراغ وغیرہ رکھنے کے لئے بناتے ہیں) کو۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سینہ مبارک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلب منور سے نور حاصل کر کے اس کا فیضان مخلوق پر کرتا ہے لہذا وہ طاق کے مشابہ ہے۔ (شرح الطیبی)
اور یہ ماخوذ ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان "اللہ نور السموات والارض مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح" سے۔ (مرقاۃ)

کردیا جو یہ کہتے ہیں کہ ہمیں صرف قرآن کافی ہے، حدیث کی ضرورت نہیں ۔

شـوارد: شـاردہ کی جمع ہے وحشی جانور مراد احادیث غریبہ، احادیث موصوف شواردہ صفت ہے اور ایسے ہی او ابد احادیث ہی کی صفت ہے ۔

البتہ شوارد سے مراد وہ احادیث ہیں جو کتب اصول میں روایت کی گئی ہیں، لیکن ان تک طالب کی رسائی مشکل ہوتی تھی کیونکہ یہ معلوم کرنا کہ کس کتاب میں ہے اور کس موقعہ پر ہے دشوار تھا، گویا وہ احادیث طالب کی نظروں سے پوشیدہ تھیں اور بھاگی ہوئی تھیں، اور اوابد سے مراد وہ احادیث ہیں جن کے معانی طالب حدیث سے پوشیدہ ہیں گویا کہ وہ اس سے بدکی ہوئی ہیں ۔ اور صاحب مصابیح نے ان کو اس طرح روایت کردیا کہ ان کے معانی کا سمجھنا اور ان کا تلاش کرنا آسان ہوگیا ۔

ضرورت تدوین احادیث مبارکہ

تقطیع اس کی یہ ہے کہ اما بعد سے لیکر "ببیـان کشفـه" تک وجہ تعیین من بیان کی کہ کنوز سعادت فلاح دارین بغیر ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر ممکن ہے اور کنوز سعادت فلاح دارین کی ہر انسان کو ضرورت ہے اس لئے احادیث وارشادات نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیان کئے گئے ۔

مصابیح کو اختیار کرنے کی وجہ

کـان کتـاب الـمصابیح سے او ابـدھا تک وجہ اختیار متن بتائی کہ اس فن میں کتاب المصابیح ہی کو کیوں متن بنایا اسی کی کیوں شرح کی بتلادیا کہ وہ سب کتابوں میں جامع ترین کتاب تھی اس لئے اس کو اختیار کیا ۔

اشکال: لما سلک: سے ایک اشکال کا جواب ہے کہ جب کتاب المصابیح جامع ترین کتاب تھی تو اس کی شرح کی کیا ضرورت تھی۔

جواب: گرچہ وہ جامع ترین کتاب تھی مگر اس میں اختصار اسقدر اختیار کیا گیا تھا کہ اسانید وماٗ خذ کو چھوڑ دیا تھا گرچہ اس وجہ سے کہ ایک بڑے بزرگ معتبر نے جمع کیا تھا، صحیح تھا، مگر بے نام ونشان ہونے کی وجہ سے حیران کن تھی اس وجہ سے شرح کی ضرورت پڑی۔

سلک کی ضمیر کا فاعل مصنف کتاب المصابیح اور چونکہ یہاں ایک کمی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور کمی سے ذرا دل کو رنج ہوتا ہے اس لئے فوراً دعا دیدی رضی اللہ عنہ

اغفال: بے نام ونشان راستہ اس عبارت میں وجہ تصنیف شرح بیان کی۔

اُعلام اور اغفال میں دو نسخے ہیں (١) دونوں میں ہمزہ کا فتحہ ایک علم کی جمع اور دوسری غفل کی جمع اس صورت میں اعلام کا مطلب ہوگا نشان والا راستہ۔ اور اغفال (بے نام ونشان راستہ) (٢) دونوں کا کسرہ، اس صورت میں یہ دونوں مصدر ہونگے اور معنی کے اعتبار سے ایک دوسرے کی ضد ہونگے۔ اور اعلام سے مراد ''مشکاۃ'' ہے اور اغفال سے مراد ''مصابیح السنۃ'' ہے۔

فاستخرت اللہ: اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وربک یخلق مایشاء ویختار ما کان لھم الخیرۃ" اور طبرانی نے حضرت انس سے مرفوعاً روایت کی ہے۔ "ماخاب من استخار ولا ندم من استشار ...... (مرقاۃ)

استخارہ

فاستخرت الخ. اللہ تعالیٰ کا ٹیلیفون نمبر دعائے استخارہ ہے اگر ایک دن کام نہ

چلے تو سمجھ لو لائن خالی نہیں پھر کرو۔ تین دن تک کچھ نہ کچھ مشورہ مل جائیگا اور اگر تین دن میں کچھ حاصل نہ ہو تو سمجھ لو کہ تمہاری لائن خراب ہے اسے صحیح کراؤ۔ اور پھر چوتھے دن پانچویں دن استخارہ کرو پھر بھی کامیابی نہ ہو تو چھٹے دن پھر ساتویں دن استخارہ کرو، ان شاء اللہ کامیابی ہوگی۔

استخارہ کا مقصد

استخارہ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جس کام میں انسان کو تذبذب ہو کہ کروں یا نہ کروں تو استخارہ کے ذریعہ سے اس کے کرنے یا نہ کرنے کا شرح صدر ہو جاتا ہے اور اطمینان ہو جاتا ہے اور یہ منجانب اللہ ہوتا ہے اور اس میں ان شاء اللہ خیر ہوتی ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض لوگ سمجھے ہیں کہ استخارہ کرنے سے کوئی خواب نظر آتا ہے جس میں اس کام کے کرنے یا نہ کرنے کی ہدایت ہوتی ہے سو یہ ضروری نہیں، خواب نظر بھی آسکتا ہے، نہیں بھی، اصل چیز شرح صدر کا ہو جانا ہے۔ فقط

فاعلمت ما اغفله: پس بانشان کر دیا میں نے ان تمام مقامات کو جن کو بے نشان چھوڑ دیا تھا صاحبِ مصابیح نے بایں طور کہ حدیث کے شروع میں راوی اور آخر میں مخرج کا التزامی طور پر تذکرہ کر دیا۔ (مرقاۃ)

مقر: جائے قرار، مناسب باب جو مناسب تھا اسی میں اس حدیث کو رکھدیا۔

اتقان: مضبوط، متقنون: اپنے علم میں مضبوط علماء، ثقات: ثقة کی جمع ہے بمعنی عادل۔ (مرقاۃ)

شیخین: شیخین سے مراد امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ ہیں۔ اس لئے کہ یہ لفظ جب محدثین میں بولا جاتا ہے تو امام بخاریؒ اور امام مسلم مراد ہوتے ہیں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں جب شیخین بولتے ہیں تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہوتے ہیں، اسی طرح فقہاء میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ اور مناطقہ میں ابو علی سینا اور فارابی مراد ہوتے ہیں۔

اشکال مع جواب

اشکال: انی اذا نسبت الحدیث الیھم: ان کی طرف یعنی ان بعض ائمہ کی طرف جن کو میں نے ذکر کیا اور جن کی کتب اسانید کے ساتھ متداول ہیں۔ (مرقاۃ)

قد فرغوا منه واغنونا عنه: یہ ایک اشکال کا جواب ہے اور اشکال یہ ہے کہ نقاد حدیث نے صاحب مصابیح پر اس وجہ سے اعتراض کیا تھا کہ انہوں نے نقل حدیث کے وقت سند حدیث کے ذکر کا التزام نہیں کیا تھا اور صاحب مشکوۃ نے بھی صرف صحابی اور کتاب کے حوالہ کو ذکر کر دینا کافی سمجھا ہے۔ لہذا ان پر بھی وہی صاحب مصابیح والا اعتراض ہوا۔

جواب: تو جواب دیدیا کہ جن ائمہ کی کتب سے یہ احادیث لی گئی ہیں انہوں نے اپنی کتب میں مکمل سند ذکر کی ہے اور وہ اسانید کے سلسلہ میں نقد و نظر اور تلاش و جستجو کے مرحلہ کو طے کر چکے تھے لہذا اب ہمارے لئے صرف طرق حدیث پر اکتفا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

انہوں نے ہم کو تحقیق حدیث سے بے نیاز کر دیا ہے یعنی اب ہمیں روایات کو نقل کرتے ہوئے (کتب معتمدہ سے) وصل و قطع، وقف و رفع، ضعف و حسن، اور صحت و وضع

وغیرہ کی تحقیق کی ضرورت نہیں، کیونکہ ائمہ متقدمین اس سلسلہ میں بحث وتمحیص اور چھان پھٹک کر چکے ہیں۔

نقل حدیث

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ مصنفؒ کی اس عبارت سے ایک مسئلہ یہ بھی نکلتا ہے کہ اگر کتب معتمدہ مشہورہ سے کوئی روایت نقل کی جائے خواہ عمل کے لئے ہو یا احکام واستدلال کے لئے، ان کتب کے مصنفین پر اعتماد کرتے ہوئے یہ جائز ہے، حالانکہ ابن الصلاح نے اس کے لئے بعض شرائط بھی لکھی ہیں مگر علماء نے ان کو استحباب پر محمول کیا ہے۔

اور ابن برہان فرماتے ہیں کہ تمام فقہاء اس رائے پر متفق ہیں کہ عمل بالحدیث کیلئے سماع شرط نہیں ہے بلکہ جب احادیث کا کوئی صحیح اور معتمد نسخہ مل جائے تو اسکی روایات پر عمل کرنا جائز ہو جاتا ہے۔ (مرقاۃ)

روایت امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی زیادہ مستحکم سمجھی جاتی ہیں، اور درایہ میں اوربھی ان سے بڑھ سکتا ہے جیسے امام مالکؒ کہ وہ کلیات کے مجتہد ہیں بخلاف امام بخاریؒ کے کہ یہ فروع کے مجتہد ہیں۔

بعض احادیث جو کتاب المصابیح میں مختصر ہیں وہ یہاں مطول ہیں اور جو مصابیح میں مطول ہیں وہ یہاں مختصر ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر دیکھا جائے کہ جو مسئلہ ہم کو بیان کرنا ہے اگر مختصر سے حاصل ہو جاتا ہے تو اس کو مختصر ذکر کر دیا، اور اگر مختصر سے مسئلہ ثابت نہیں ہوتا تو وہاں مطول کو ذکر کر دیا گیا ہے۔

وان عثرت الخ: مطلب یہ ہے کہ ہم نے بیان کیا تھا کہ فصل اول میں شیخین کی حدیثیں ذکر کرینگے اور ثانی وثالث میں غیر شیخین کی اگر اس میں اختلاف معلوم ہو تو یہ اس وجہ

سے ہے کہ میں نے جب کتاب لکھی تو بہت سی کتابیں جمع بین الصحیحین، جامع الاصول، بخاری، مسلم وغیرہ میرے سامنے تھیں تو اگر کوئی حدیث مصابیح میں ہے اور دوسری کتابوں میں بھی مگر بخاری ومسلم میں نہیں تو میں نے بخاری ومسلم پر اعتماد کیا اور اس کو میں نے فصل اول میں جگہ نہیں دی اور مصابیح میں فصل ثانی میں کوئی حدیث ہے، اور وہ متون بخاری ومسلم میں ہے تو میں نے اس کو فصل اول ہی میں جگہ دی۔

بعض مرتبہ ایسا بھی ہوگا کہ تمہیں مصابیح میں کسی باب یا کسی کتاب کے اندر کوئی روایت ملے گی لیکن مشکوۃ میں اس مقام پر وہ روایت نہ ملے گی، کیونکہ مصابیح میں وہ روایت مکرر تھی لہذا میں نے بالارادہ اس کو کسی مقام سے ساقط کردیا اور دوسرے مقام پر بعینہ وہ روایت بالتغیر کے ذکر کردی ہے۔ اور یہ عمل سہو ونسیان کی بنا پر نہیں، بلکہ بالقصد وبالارادہ ہے تکرار سے بچنے کی غرض سے۔ (مرقاۃ:۳۳)

اور بعض مرتبہ مصابیح اور مشکوۃ دونوں میں متن حدیث میں اختلاف ملے گا تو اس کی بنیاد اسانید ورواۃ حدیث میں اختلاف ہے اور بہت ممکن ہے شاید کہ میں اس روایت کو نہ پاسکا ہوں جس کے الفاظ شیخ نے ذکر کئے ہیں۔ (مرقاۃ)

فــي كتــب الاصـول: اس سے وہ کتب سبعہ مراد ہیں جن کی روایات صاحب مصابیح نے ذکر کی ہیں۔ (مرقاۃ)

ومـالـم يشـر اليــه مـعاني الاصول: یعنی جن روایات کے انقطاع، وقف اور ارسال وغیرہ کا تذکرہ جامع ترمذی، سنن ابی داؤد اور بیہقی وغیرہ میں ہے اور مصنفؒ نے اس کی طرف اشارہ نہیں کیا تو میں نے بھی ان کی اتباع میں اس مقام کی تشریح کو ترک کردیا ہے۔ (طیبی ومرقاۃ)

بـــغــر ض: کیونکہ بعض نقاد نے بعض احادیث مصابیح کو موضوع قرار دیا ہے لیکن

صاحب مشکوۃ کو ترمذی یا اس کے علاوہ میں اس کے صحت یا حسن پر صراحت مل گئی۔ تو انہوں نے اس صراحت کو نقل کردیا۔ مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت "المرء علی دین خلیلہ" ہے طاعنین نے اس کو موضوع قرار دیا ہے، مگر امام ترمذیؒ نے اس کو اپنی جامع میں حسن اور امام نووی نے "ریاض الصالحین" میں صحیح الاسناد قرار دیا ہے لہذا ان کے زعم باطل کے قلع قمع کے لئے اس صراحت کو نقل کردیا۔ (شرح الطیبی مع زیادۃ)

مھملۃ: مخرج حدیث کے تذکرہ کے بغیر۔

فان عثرت: اس لئے بعض علماء نے ان مقامات کے حاشیہ میں مخارج حدیث کو ذکر کردیا ہے۔ اور اصل کتاب میں بیاض چھوڑ دی ہے۔ (مرقاۃ)

ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العزیز الحکیم ای لاحول عن معصیۃ اللہ ولا طاقۃ علی الطاعۃ الا باللہ العزیز الحکیم: یعنی نہ معاصی سے رکا جاسکتا ہے، اور نہ کسی طاعت وعبادت پر قدرت ہوسکتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی مدد سے۔ جب اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو تب ہی بندہ گناہ سے بچ سکتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو تب ہی بندہ کوئی عبادت بجالاسکتا ہے۔

فوائد خطبہ

صاحب اشرف التوضیح نے فوائد خطبہ اورفوائد دیباچہ کوسہل انداز میں بیان فرمایا ہے، جوطلباءحدیث کے لئے بہت مفید ہے اس لئے اس کونقل کیاجاتا ہے۔

آغاز کتاب مقدس

حضرت مصنف قدس سرہٗ نے قرآن پاک کی ترتیب کتابی، آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی حدیث پاک اورطریقہ سلف صالحین کی اتباع کرتے ہوئے اپنی کتاب مقدس کو تسمیہ اورحمد سے شروع فرمایاہے، حدیث ''کل امر ذی بال'' مختلف الفاظ سے واردہوئی ہے،بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں۔

کل امر ذی بال لم یبدأ فیه بسم الله الرحمن الرحیم فهو ابتر. (رواه الخطیب بهذا اللفظ فی کتاب الجامع) کذا فی المرقاة.

ہرقابل اہتمام کام جو''بسم الله الرحمن الرحیم'' سے شروع نہ کیا گیاہووہ بے برکت ہے۔

بعض روایات کے الفاظ یہ ہیں۔

کل امر ذی بال لا یبدأ فیه بالحمد لله فهو اجذم. (رواه ابوداؤد والنسائی فی عمل الیوم واللیلة) کذا فی المرقاة.

ہرذی شان کام جو''الحمدللہ'' سے شروع نہ کیا گیا ہو وہ بے برکت ہے۔

الفاظ ذیل سے بھی یہ حدیث ملتی ہے۔

كل امر ذی بال لا يبدأ فيه بالحمد لله فهو اقطع. (رواه ابن ماجة) كذا في المرقاة.	ہر مہتم بالشان کام جو "الحمد للہ" سے شروع نہ کیا جائے وہ بے ثمر ہے۔

ان تمام روایات کا حاصل ہر مہتم بالشان کام یا کلام کو بسم اللہ اور الحمد للہ سے شروع کرنے کی ترغیب دینا ہے۔ یہ حدیث مندرجہ ذیل الفاظ سے بھی وارد ہوئی ہے۔

كل امر ذی بال لا يبدأ فيه بذكر الله فهو اقطع. (رواه الرهاوی في اربعينه وحسنه ابن الصلاح) كذا في المرقاة.	ہر اچھا کام جس کا آغاز "ذکر اللہ" نہ ہو وہ برکت سے خالی ہوگا۔

راوی نے اس حدیث کے الفاظ ذیل بھی نقل فرمائے ہیں۔

كل امر ذی بال لم يبدأ فيه بذكر الله ثم بالصلوة فهو اقطع ممحق من كل بركة. (اخرجه الرهاوی عن ابی هريرة مرفوعا) كذا في المرقاة: ۴/ ۱.	ہر ذی احترام کام جو "ذکر اللہ" سے اور پھر مجھ پر درود پڑھنے سے شروع نہ کیا گیا وہ ہر برکت سے خالی ہے۔

علامہ رہاوی کی حدیث نے تسمیہ اور حدیث تحمید کی مراد واضح کر دی ہے کہ حضرت شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اصلی مقصد یہ ہے کہ ہر ذی بال کام کے آغاز میں برکت پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہونا چاہئے، وہ "بسم اللہ" کہنے کی صورت میں ہو خواہ "الحمد للہ" کہنے کی شکل میں ہو۔ اگر مقصود سے قبل دونوں کو ہی ذکر کر لیا جائے تو نور علی نور ہے۔ حصول برکت کے لئے ان دونوں میں سے کوئی ایک یا ذکر باری کے قبیل سے کوئی اور کلمہ کہہ لینا بھی کافی ہے۔

تقریر بالا سے حدیث تسمیہ اور تحمید میں تعارض کا شبہ جاتا رہا کیونکہ دونوں حدیثوں کا مقصود ''ذکر اللہ'' سے کام شروع کرنے کی ترغیب دینا ہے۔ اگر علی سبیل التنزل تعارض تسلیم کرلیا جائے تو سہل اور صاف جواب یہ ہے کہ ابتدائے حقیقی اگرچہ بسیط غیر ممتد ہے ایک ہی چیز سے ہوسکتی ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلام محاورات عامہ اور عرف کے مطابق ہوتا ہے۔ عرف میں مقصود سے پہلے ہر مناسب مقام کئے جانے والے کام کو ابتدائی کام سمجھا جاتا ہے۔ ابتدائے عرفی امر ممتد اور موسع ہے اس میں متعدد امور واقع ہوسکتے ہیں۔ اس لئے شروع فی المقصود سے قبل تسمیہ، تحمید اور صلوٰۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وغیرہا امور سب عرف کے اعتبار سے ابتدائی امور ہیں۔

تسمیہ اور حمد میں ترتیب

''الحمد للہ'' شکر باری تعالیٰ کو متضمن ہے۔ ''تکلم بالحمد'' تک جتنی نعمتیں حق تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں سب پر اجمالاً شکر کرنا مقصود ہے، کتاب کا افتتاح ''بسم اللہ'' سے کرنے کی توفیق مل جانا بھی بہت بڑی نعمت ہے۔ اس لئے حمد کو تسمیہ کے بعد لائے تاکہ اس نعمت عظیمہ پر بھی شکر ادا ہوجائے۔ نیز ''بسم اللہ'' پڑھنے کی ترغیب ہر اچھے کام سے پہلے دی گئی ہے، خواہ جنس کلام سے ہو خواہ جنس طعام واکل وشرب وغیرہا سے ہو، اور حمد کو (عادۃً) خطب اور جنس کلام کے ساتھ خاص سمجھا جاتا ہے، لہٰذا تسمیہ عام ہوا اور حمد خاص اور عام خاص سے مقدم ہوتا ہے اس لئے تسمیہ کو حمد پر مقدم کیا گیا۔ (من رقم الشیخ قدس سرہٗ)

قولہ الحمدللہ نحمد: حضرت مصنفؒ نے حمد کے لئے دو جملے ذکر فرمائے ہیں، ایک اسمیہ یعنی ''الحمدللہ'' دوسرا فعلیہ مضارعہ یعنی ''نحمدہ''. شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لمعات میں فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ ''الحمدللہ'' سے اس بات کی

خبر دینا مقصود ہے کہ تمام محامد ذات پاک کے ساتھ مخصوص ہیں اور ''نحمده'' سے انشائے حمد مقصود ہے، گویا پہلا جملہ صورۃً و معنًی خبریہ ہے اور دوسرا صورۃً خبریہ ہے، معنًی انشائیہ ہے اس صورت میں تکرار نہ رہے گا، یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں معنًی انشائیہ ہوں۔ دوسرا جملہ گو ظاہراً تکرار ہے لیکن اس کے بعد ''نستعینه'' کہنے سے تجدید فائدہ ہوگی کہ ہم انشائے حمد حق جل وعلا کی اعانت کے بغیر کہاں کر سکتے ہیں۔ (لمعات:۲۵/۱)

دونوں جملوں میں فرق

''الحمد للہ'' جملہ اسمیہ ہے۔ اسمیت جملہ استمرار و دوام پر دلالت کرتی ہے۔ اسمیہ جملہ کا معنی ہے۔ ''عدول الجملة عن الفعلية الى الاسمية'' ''نحمده'' جملہ فعلیہ مضارعیہ ہے۔ فعل حدوث وتجدید پر دال ہے۔ اور مضارعیت استمرار پر دلالت کرتی ہے۔ اس طرح سے جملہ فعلیہ مضارعیہ استمرار تجددی پر دال ہوگا۔

دو جملے ذکر کرنے میں حکمتیں

(۱)...... جنس نعم باری تعالیٰ مستمر و دائم ہے۔ کوئی آن ایسی نہیں جس میں ہم پر ان کی جنس نعمت کسی نہ کسی نوع یا فرد کے ضمن میں فائض نہ ہو رہی ہو، البتہ منعم پاک کی نعمت کے انواع وجزئیات آناً فاناً یوماً فیوماً نوبہ نو تازہ بتازہ وارد ہوتے رہتے ہیں۔ جنس نعم کے دوام واستمرار کے پیش نظر جملہ اسمیہ لائے اور انواع وجزئیات نعم کے تجدد کے پیش نظر جملہ مضارعیہ لائے۔ مطلب یہ ہے کہ جیسے ان کی نعمتیں جدید فجدید نو بہ نو ہم پر فائض ہوتی رہتی ہیں انہیں کے مطابق ہماری طرف سے نو بہ نو حمد کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

(۲)...... ذات محمود سبحانہ تعالیٰ واحد دائم لم یزل ولایزال ہے اور ان کی نعم متجدد ہیں، امر اول

کے پیش نظر جملہ اسمیہ اور ثانی کے پیش نظر جملہ مضارعیہ لائے۔

(۳)......حمد کی دو قسمیں ہیں: (الف) حمد باری تعالیٰ اپنی ذات پر۔ یہ دائم و مستمر ہے، اصل حمد یہی ہے حامد جتنا بلند ہوگا اور محمود کو جس قدر پہنچانے والا ہوگا اسی قدر اس کی حمد ارفع ہوگی ظاہر ہے کہ یہ بات حمد باری تعالیٰ علی ذاتہ کے برابر کسی میں نہیں۔

(ب) حمد مخلوق خالق کے لئے۔ قسم اول دائم ہے، دوام حامد کی وجہ سے اس کی مناسبت سے پہلا جملہ اسمیہ لائے قسم ثانی حادث و متجدد ہے۔ حدوث حامد کی وجہ سے اس کی مناسبت سے دوسرا جملہ فعلیہ مضارعیہ لائے۔ (من رقوم الشیخ قدس سرہ)

صیغہ جمع لانے میں حکمت

بظاہر حمد کرنے والے تصنیف کرنے کے وقت تنہا مصنف ہیں، مقتضی ظاہر "احمدہ" بصیغة الافراد تھا، مصنف رحمة اللہ تعالیٰ علیہ نے "نحمدہ" کہا ہے، عدول عن مقتضی الظاهر کے کئی وجوہ محتمل ہیں۔

(۱)......صیغۂ جمع متکلم لاکر عظمت شان حمد کی طرف اشارہ ہے کہ اس جامع الکمالات پاک ذات کی حمد اتنا بڑا کام ہے کہ اس سے عہدہ برآ ہونا افراد بنی آدم میں سے کسی ایک کے بس کی بات نہیں اس لئے صیغۂ جمع لاکر ہر حامد کو شریک کر لیا ہے، خواہ اس کی حمد حالی ہو یا قالی، بایں ہمہ "نستعینہ" کہہ کر بتادیا کہ سب مخلوق مل کر بھی اس امر عظیم کو ادا نہیں کر سکتی جب تک انہی کی اعانت شریک حال نہ ہو۔

(۲)......حضرت مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے تو اضعاً صیغہ جمع اختیار فرمایا ہے کہ تنہا میری حمد اس قابل نہیں کہ اسے بارگاہ ایزدی میں شرف قبولیت حاصل ہو۔ اپنی حمد کو انبیاء کرام علیہم السلام اولیائے عظام اور صالحین مخلصین رحمہم اللہ کی حمد کے ساتھ ملا کر پیش کیا تا کہ ان

نفوس قدسیہ کی مخلصانہ محامد کے ضمن میں یہ عیبناک سودا بھی نکل جائے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر صفقہ واحدہ میں کئی چیزوں کا سودا ہوا ہو پھر ان میں سے بعض میں عیب نکل آئے تو اس صورت میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ رد کرے تو سب کو کرے، رکھے تو سب کو رکھے۔ عیبناک کو رد کر دینا اور صحیح سالم چیز کو رکھ لینا جائز نہیں جب حق تعالی نے کمزور بندوں کو یہ تعلیم فرمائی ہے تو وہ کریم ذات خود بدرجہ اولی مخلوط چیزوں میں سے صحیح سالم رکھ کر عیب ناک کو رد نہ فرمائیں گے۔ بلکہ صحیح سالم کی برکت سے عیب ناک کو بھی قبول فرمالیں گے۔ جماعت کی نماز میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ ادنی ببرکت اعلی مقبول ہو جائے۔

(۳)......اپنے اخوان واصحاب پر شفقت اور ہمدردی کی وجہ سے صیغہ جمع لائے ہیں تا کہ اس اہم عبارت میں ان کو بھی شریک کر لیا جائے۔ کمال ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ جو چیز اپنے لئے پسند کی جائے وہی دوسروں کے لئے بھی پسند کی جائے۔ (کمافی الحدیث)

قولہ ونستعینہ: یعنی حق تعالی شانہ کی حمد کے امر عظیم میں اور تمام دیگر امور میں اپنے عجز وقصور کا اعتراف کرتے ہوئے ہر امر میں اس پاک وقادر مطلق ذات سے مدد کے طالب ہیں۔

یہاں حضرت مصنف رحمہ اللہ تعالی نے ''ایاہ نستعین'' [ہم اسی سے مدد چاہتے ہیں] بعنوان حصر ذکر نہیں فرمایا اس لئے کہ مقام اختصاص کا ادراک وظیفہ خواص ہے۔ ہر کس وناکس کا یہ مقام نہیں کہ دل کی سچائی سے یہ کہہ سکے کہ مشاہدۂ قدرت ہم پر اتنا غالب آچکا ہے کہ ہمارا کسی غیر کی طرف اب التفات ہی نہیں رہا، مطلب یہ کہ اعتقاد اس امر کا تو ہر مومن کو حاصل ہے۔ لیکن اس کا استحضار صادق وظیفہ خواص ہے اسی لئے ابن دینار رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ ''لولا وجوب قرأة الفاتحة لما قراء تها لعدم

صدقی فیھا'' (مرقاۃ: ۱/۷)

قولہ ونستغفرہ: یعنی حمد میں جو غفلات و تقصیرات ہم سے واقع ہوئی ہیں نیز اس کے علاوہ جن جن اسرافات وسیئات کا ہم شکار رہے ہیں سب سے معافی کے طالب ہیں۔

ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سئیات اعمالنا: شرور نفس اور اعمال سیئہ میں تمام محرمات ومکروہات ظاہرہ وباطنہ بالعموم اور حمد وتصنیف کے موقع کی بے اعتدالیاں بالخصوص داخل ہیں۔ مثلاً حمد سے غفلت، اس میں ریاء وسمعہ ودیگر شوائب نفس کا اختلاط، قلت یا عدم اخلاص، اپنی استعداد وقابلیت پر نظر، توفیق الٰہی سے صرف نظر اور تفصیل مسائل کے وقت قلت تدبر اور تجاوز عن حد الاعتدال وغیرہا امور۔

قولہ من یھدہ اللہ الخ: یہ کلام صورۃً تو اس بات کی خبر ہے کہ ہدایت واضلال کے وصف میں باری تعالیٰ متفرد ہیں کسی خیر وشر کا خالق ان کے سوا کوئی نہیں، لیکن معنیً یہ جملہ انشائیہ (دعائیہ) ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہدایت واضلال انہی کے قبضہ قدرت میں ہے اس لئے ہم ان سے سوال ودرخواست کرتے ہیں کہ ہمیں ہر قسم کے ضلال سے محفوظ رکھے۔ ہدایت سے نوازے رکھے۔

فائدہ

اس سے پہلے جملہ ''نعوذ باللہ الخ'' میں شرور واعمال کو اپنے نفوس کی طرف منسوب کیا تھا اس جملہ ''من یھدہ الخ'' میں یہ بتادیا کہ اچھے اور برے اعمال کی نسبت بندہ کی طرف کسب کے درجہ تک ہے۔ نیکی اور بدی کے ہر کام کا خلق صرف ذات پاک کی ہی صفت ہے بندہ اپنے کسی فعل کا خالق نہیں، پہلے جملہ میں جبریہ کا رد تھا، اس میں قدریہ اور معتزلہ کا رد ہے۔ خلق افعال عباد کے مسئلہ کی توضیح ان شاء اللہ باب الایمان بالقدر میں کی جائے گی۔

شهادة تكون للنجاة وسيلة ولرفع الدرجات كفيلة: شهادةً اشهد کا مفعول مطلق ہے، اور جملہ "تكون للنجاة وسيلة الخ" شہادت کی صفت ہے، یعنی میں توحید باری تعالیٰ کی ایسی شہادت دیتا ہوں جو نجات کے لئے وسیلہ ہو۔ اور جنت میں درجات عالیہ کے حصول کی ضامن ہو۔

شہادت توحید کے دو مرتبے ہیں۔ اول یہ کہ اعتقاد و یقین تو درست ہو چکا ہے لیکن ابھی اس زور قوت کا نہیں جو اعمال صالحہ کے ارتکاب اور اعمال طالحہ سے اجتناب کا موجب بنے۔ ثانی یہ کہ یقین قلبی پھوٹ پھوٹ کر اعضاء و جوارح پر اعمال حسنہ و طاعات واجبہ تک ہی منتج ہو تو دخول اولیٰ فی الجنۃ کا سبب ہوگا۔ اور اگر طاعات نافلہ تک پہنچانے والا ہو تو اس کی برکت سے جنت میں دخول اولیٰ بھی ہوگا اور درجات عالیہ بھی حاصل ہوں گے۔

غرضیکہ وسیلہ نجات ہونا شہادت کے درجہ اولیٰ کا اور ضامن رفع درجات ہونا اس کے درجہ ثانیہ وعلیا کا ثمرہ ہے، اعمال حسنہ و طاعات و اخلاق حمیدہ اسی مرتبہ ثانیہ کے ثمرات ونتائج ہیں۔ "وبما قررنا اندفع مايرد على المصنف من ان دخول الجنة بالايمان ورفع الدرجات بالاعمال فكيف اضاف رفع الدرجات الى الشهادة" (كذا فی المرقاة:٨/١)

واشهد ان محمداً عبده ورسوله: "عبد" کی اضافت حق تعالیٰ کی طرف تشریفی ہے کہ حقوق ربوبیت کی ادائیگی میں سب کائنات پر فوقیت لے جانے کی وجہ سے حق تعالیٰ کے سب سے اخص مقرب ومشرف بندہ ہیں۔

قرب ومحبت کی منازل میں سے گو رسالت سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے۔ لیکن چونکہ عبد کا اصل موضوع عبدیت ہی ہے اس لئے اس کو مقدم فرمایا۔ عبدیت آپ کے اوصاف میں سے سب سے گراں قدر اور اشرف وصف ہے اس لئے آپ کے بہت سے اہم اور

اشرف مقامات ومناصب کے تذکرہ کے مواضع میں قرآن پاک نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر خیر عنوان عبد سے کیا مثلاً معراج کے واقعہ عظیمہ کو ذکر کرتے وقت فرمایا ہے: "سبحان الذی اسری بعبدہ" اورتنزیل فرقان کی نعمت کے اظہار کے موقعہ پر فرمایا: "تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ" ایک دوسرے موقعہ پر فرمایا: "فاوحی الی عبدہ ما اوحی"

مذہب عشق مجازی میں بھی عبد کا وصف جب محبوب کی طرف منسوب ہوجائے تو اس کو خاصی شرافت وحلاوت حاصل ہوجاتی ہے۔ اسی مزاج کا ایک شاعر کہتا ہے۔ ؎

لا تدعني الا بيا عبدها

فانه اشرف اسمائيا

[مجھے جب بھی پکارنا ہو تو صرف اس (محبوبہ) کا عبد کہہ کر پکارا کرو کیونکہ اس کے برابر شرافت میں میرا کوئی دوسرا نام نہیں ہے۔]

قاضی عیاض شارح مسلم اور صاحب الشفاء رحمۃ اللہ فرماتے ہیں ؎

ومما ازد ادني عجبا وتيها

وكدت باخمصي اطأ الثريا

دخولي تحت قولك يا عبادي

وان صيرت احمدني نبيا

(کذا فی المرقاۃ: ۱/۸)

[یعنی آپ کے ارشاد پاک یا عبادی میں داخلہ اور احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہمارے لئے نبی اور ہمارا ان کی امت میں سے ہونا ایسے انعام ہیں جس کے سرور کی وجہ سے پاؤں کے تلوے زمین پر نہیں لگتے۔]

وصف عبدیت کے ذکر میں یہ نکتہ بھی ہے کہ ختم رسالت ومعراج جیسے مناصب جلیلہ پر فائز ہو جانے سے رسول عبدیت سے نکل نہیں جاتے۔ بلکہ مقامات عالیہ ان کی عبدیت میں اور بھی عروج وچاشنی پیدا کر دیتے ہیں۔

نیز اس میں تعدیل اعتقاد بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں نہ نصاریٰ جیسی افراط کی جائے کہ عبدیت سے نکال کر الوہیت تک پہنچا دیا جائے نہ یہود جیسی تفریط کی جائے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ کا رسول اور بندہ مقبول بھی نہ سمجھا جائے۔

قوله الذی بعثه الخ: الذی اسم موصول ہے۔ بعثه سے لے کر وجهل مکانها تک اس کا صلہ ہے۔ وطرق الایمان میں واؤ حالیہ ہے۔ فشید، شفی، اوضح اوراظهر اسی فعل صلہ پر مترتب ہیں۔ موصول اپنے صلہ سے مل کر رسوله کی نعت ہے۔

اس سے مقصود یہ بتانا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری شدید ترین ضرورت کے موقعہ پر ہوئی اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت لوگ جہالت وضلالت کی انتہاء تک پہنچے ہوئے تھے۔ کہیں کوئی ایسی صحیح قیادت موجود نہ تھی جو گم کردہ راہ افراد کو عقائد، اعمال واخلاق کی صحیح منزل تک پہنچا سکے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

”لم یکن الذین کفروا من اهل الکتاب والمشرکین منفکین حتی تأتیهم البینة رسول من الله یتلو صحفا مطهرة“ (سورة البینة) [جولوگ اہل کتاب اور مشرکین میں سے کافر تھے وہ (اپنے کفر سے ہرگز) باز نہ آنے والے تھے، جب تک کہ ان کے پاس واضح دلیل نہ آتی۔ (یعنی) ایک اللہ کا رسول جو ان کو پاک صحیفے پڑھ کر

سناوے۔] (بیان القرآن)

وطرق الایمان قد عفت آثارھا الخ: اس کے شیخ قدس سرہ نے اشعۃ اللمعات میں دو مطلب لکھے ہیں۔

(۱)......طرق الایمان سے مراد حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اوران کے نائبین علمائے عظام رحمہم اللہ ہیں اور نشانات مٹ جانے اور انوار بجھ جانے اور ارکان کمزور پڑ جانے سے مراد یہ ہے کہ ان شخصیات مقدسہ کی تعلیمات اور ہدایات کا سلسلہ تعلیم وتعلم ختم ہو چکا تھا۔اوران کے مقتضیٰ کے مطابق عمل کا رواج باقی نہ رہا تھا۔جھل مکانھا سے مراد یہ کہ ان کے علوم ومعارف کی قدر ومنزلت سے ناواقفیت وناشناسائی عام تھی۔

مطلب یہ ہے کہ ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت اس وقت ہوئی جب کہ انبیائے سابقین علیہم السلام کی تعلیمات بالکل ناپید ہو چکی تھیں، صحیح رہبری بالکل معدوم تھی۔کہیں کہیں اکا دکا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم پر عمل کرنے والا کوئی ہوگا لیکن وہ بے چارے حالات زمانہ سے مجبور ہو کر اپنی جان وایمان کو کسی گوشہ گمنامی میں لئے بیٹھے تھے۔عامۃ الناس کی قیادت نہ کر سکتے تھے۔

(۲)......طرق الایمان سے مراد وہ عقائد،اعمال،اخلاق،آداب وریاضات ہیں جو تکمیل انسانیت کا ذریعہ ہیں۔آثار کے مٹ جانے روشنیوں کے بجھ جانے سے مراد علمی وعملی طور پر ان امور کا چرچا نہ رہنا ہے۔واللہ اعلم بالصواب۔

فوائد دیباچہ

خلاصہ دیباچہ

صاحب مشکوۃؒ نے حمد وصلوۃ کے بعد دیباچہ مشکوۃ میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے تو آپ نے علم حدیث کی ضرورت اور اہمیت مختصر مگر جاندار لفظوں میں بیان فرمائی ہے کہ علم حدیث ایسا ضروری علم ہے جس کے بغیر حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت کو اپنایا نہیں جا سکتا۔اور ایسا علم ہے جس کے بغیر قرآن پاک حل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے میں نے اس اہم علم میں تصنیف کے لئے قلم اٹھایا۔

کسی علم میں تصنیف کے دوطریقے ہوتے ہیں۔ایک یہ کہ اس میں مستقل کتاب لکھی جائے۔دوسرا یہ کہ کسی اور کتاب کو لے کر اس میں کچھ اضافات کر کے ایک نئی کتاب کی شکل دیدی جائے۔صاحب مشکوۃ فرماتے ہیں کہ میں نے دوسری راہ اختیار کی ہے۔میں نے اپنی محنت کا میدان بنانے کیلئے امام بغویؒ کی تصنیف لطیف ''المصابیح'' کا انتخاب کیا۔اس کی جامعیت کے پیش نظر اس میں کچھ تغیرات،الحاقات اور اضافات کر کے ایک نیا مجموعہ تیار کیا۔

مصابیح میں مذکورہ بالا اضافات والحاقات وتغیرات کے بعد جو کتاب تیار ہوئی۔میں نے اس کا نام ''مشکوۃ المصابیح'' رکھا ہے اسم اور مسمّی میں مراعات تامہ رکھتے ہوئے

عجیب نام تجویز فرمایا۔مشکوۃ دیوار کے اس طاقچہ کو کہتے ہیں جس میں چراغ وغیرہ رکھا جاتا ہے۔اور مصابیح! مصباح کی جمع ہے بمعنی چراغ۔مصابیح سے مراد "کتاب مصابیح" بھی ہوسکتی ہے اور وہ احادیث بھی ہوسکتی ہیں جو مصابیح میں مندرج ہیں۔گویا ہر حدیث سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ میں یقین ومعرفت میں ترقی دینے کے لئے چراغ کا کام دیتی ہے۔نام کا ترجمہ ہوا:[کتاب مصابیح کا طاقچہ]یا[احادیث مصابیح کا طاقچہ] مصباح کی روشنی کھلی جگہ رکھنے کی صورت میں پھیلتی ہے اس لئے اس میں تیزی اور قوت کم ہوتی ہے۔جب اس کو طاقچہ میں رکھا جاتا ہے تو روشنی منضبط ہونے سے تیز اور قوی ہوجاتی ہے۔اسی طرح مصابیح کی احادیث پہلے بھی بہت نافع تھیں،لیکن مشکوۃ میں آنے کے بعد ان اغفال میں جو اعلام لگے ہیں ان سے ان کی ضوء اور افادیت میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا ہے۔نیز طاقچہ میں مصباح رکھ کر اور بھی چیزیں رکھنے کی گنجائش ہوتی ہے۔یہی حال مشکوۃ شریف کا ہے کہ اس میں پوری احادیث مصابیح رکھنے کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت سی احادیث رکھی گئی ہیں۔

غرضیکہ مصابیح پر وضع اعلام اور الحاقات واصلاحات وتغیرات کے بعد جو مجموعہ تیار ہوا اس نافع ترین ذخیرہ کا نام "مشکوۃ المصابیح" ہے۔کسی نے خوب کہا ہے۔ ؎

لئن کان فی المشکاۃ یوضع مصباح
فذالک مشکاۃ وفیها مصابیح
وفیها من الانوار ماشاع نفعها
لهذا علی کتب الانام تراجیح
ففیه اصول الدین والفقه والهدی
حوائج اهل الصدق منه مناجیح

(مرقاۃ:۱/۲)

[یعنی اگر عام طاقچوں میں صرف ایک ایک مصباح ہوتا ہے سو یہ طاقچہ تیار ہوا جس میں کئی مصباح ہیں۔ اور اس میں ایسے انوار ہیں جن کی افادیت عام پھیل چکی ہے، اس کو دوسرے حضرات کی تصنیفات پر گونا گوں وجوہ ترجیح حاصل ہیں۔ سو اس میں اصول دین، فقہ، ہدایت سبھی کچھ ہے۔ تمام اہل صدق وصفا کی دینی حاجات اس سے بخوبی پوری ہوتی ہیں۔

"مصابیح" میں صاحب مشکوۃ نے جو اضافات، الحاقات ونفع افزا اصلاحات اور تغیرات کئے ہیں وہ اور کتابوں میں امتیاز اور فرق کے وجوہ الگ بیان کر دینا مناسب ہے ان کو یاد کر لیا جائے۔

وجوہ الفرق بین المشکوۃ والمصابیح

(١)...... "مصابیح" میں متن حدیث سے پہلے صحابی کا ذکر نہیں تھا۔ صاحب مشکوۃ نے یہ التزام فرمایا ہے کہ ہر حدیث سے پہلے اس صحابی کا اسم گرامی ذکر فرما دیا ہے۔ جنہوں نے یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

(٢)...... "مصابیح" میں احادیث کے آخر میں مخرجین کا حوالہ بالتعین نہیں دیا صاحب مشکوۃ نے ہر حدیث کے آخر میں متعین مخرج کا حوالہ دے دیا ہے۔

(٣)...... "مصابیح" اور مشکوۃ دونوں اس امر میں تو مساوی ہیں کہ حدیثوں کی پوری سندیں ان میں مذکور نہیں۔ فرق یہ ہے کہ مصابیح میں تعیین مخرج بھی نہیں اور مشکوۃ میں تعیین مخرج ہے جو بمنزلہ پوری سند ذکر کرنے کے ہے۔

(٤)...... "مصابیح" میں ہر باب کو دو حصوں میں تقسیم کر کے پہلے حصہ کی احادیث کو من الصحاح کے عنوان سے اور دوسرے کو من الحسان کے عنوان سے شروع کیا گیا ہے۔ مشکوۃ میں یہ تبدیلی کی گئی ہے کہ پہلے حصہ کو الفصل الاول سے تعبیر کرتے ہیں۔

05 Khutbatul Kitab

دوسرے کوالفصل الثانی سے۔حدیثیں وہی ہیں جو مصابیح میں تھیں۔فصل اول میں شیخین کی اور ثانی میں غیر شیخین کی۔غیر شیخین کی احادیث کوحسان کہنا یا تو تغلیباً ہے یا ان کی اپنی اصطلاح ہے۔کما مر.

(۵)......"مصابیح" کے ہر باب کے صرف دو حصے تھے۔صاحب مشکوۃ نے اکثر ابواب میں ایک تیسرے حصہ کا اضافہ فرمادیا ہے جس کوالفصل الثالث سے تعبیر کرتے ہیں اس فصل میں جو احادیث لاتے ہیں وہ مصابیح میں نہ تھیں،ان کا اضافہ ہے۔

(۶)......"مصابیح" میں اصالۃً صرف مرفوع حدیثیں ذکر کی گئی ہیں،صاحب مشکوۃ نے الفصل الثالث میں موقوف اور مقطوع حدیثوں کو بھی ذکر فرمایا ہے۔

(۷)......"مصابیح" میں بعض احادیث مختصر تھیں،صاحب مشکوۃ نے کہیں تو ان کو مختصر ہی رہنے دیا ہے۔کہیں بعض اسباب ودواعی کی بنا پر ان مختصر حدیثوں کی تکمیل کر دی ہے۔

(۸)......"مصابیح" میں بعض حدیثیں مکرر تھیں۔مشکوۃ میں تکرار حذف کر دیا گیا ہے۔

(۹)......صاحب "مصابیح" نے بعض حدیثیں الصحاح کے عنوان کے ماتحت ذکر کیں جس سے معلوم ہوا کہ یہ شیخین کی حدیثیں ہیں۔لیکن صحیح بخاری،صحیح مسلم،جمع بین الصحیحین للحمیدی اور جامع الاصول میں سے کسی میں بھی نہ مل سکنے کی وجہ سے صاحب مشکوۃ نے بعض احادیث میں غیر شیخین کا حوالہ دیا ہے۔

(۱۰)......بعض حدیثیں "مصابیح" کے دوسرے حصہ میں تھیں جس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ حدیثیں صحیحین میں نہ ہوں گی لیکن ان میں سے بعض حدیثیں صاحب مشکوۃ کو صحیحین میں مل گئیں اس لئے شیخین کا حوالہ دے دیا۔

(۱۱)......بسا اوقات "مصابیح" میں حدیث کے اور لفظ ہوتے ہیں،مشکوۃ میں اور،اس کی

وجہ یہ کہ مصابیح میں پیش کردہ لفظوں کا حوالہ صاحب مشکوۃ کو نہ مل سکا۔ اس لئے اس حدیث کو وہ الفاظ پیش کئے جن کی سند و حوالہ ان کو دستیاب ہو سکا۔

(۱۲)...... "مصابیح" کی بعض حدیثوں کو نقل کر کے کبھی صاحب مشکوۃ یوں کہہ دیتے ہیں کہ ماوجدت ہذہ الروایۃ فی کتب الاصول یا یوں فرما دیتے ہیں وجدت خلافہا فیہا۔ یہ اس وقت فرماتے ہیں جب کہ مصابیح کی روایت بعینہا تفتیش تام کے بعد بھی ان کو نہ مل سکی۔ اس صورت میں جو اختلاف روایت پاتے ہیں اس کو نقل فرما دیتے ہیں۔

(۱۳)...... "مصابیح" کی بعض احادیث کے متعلق شیخ بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ بتا دیا کہ یہ ضعیف ہے یا غریب یا کوئی اور وصف بیان کیا۔ صاحب مشکوۃ نے ایسے موقعہ پر یہ طرز اختیار فرمایا ہے کہ عام طور پر ضعف یا غرابت وغیرہ کی وجہ بیان کر دی، بعض جگہ وجہ بیان نہیں کی، معلوم نہ ہو سکنے کی وجہ سے یا اس لئے کہ اس میں اختلاف تھا اور یہ طول میں نہ جانا چاہتے تھے۔

(۱۴)...... کتب اصول میں کبھی کسی حدیث کے متعلق صحیح یا حسن یا غریب یا ضعیف یا منکر وغیرہ کوئی صفت بیان کی گئی ہوتی ہے لیکن صاحب "مصابیح" نے اس کو نقل نہیں کیا، صاحب مشکوۃ بھی عدم نقل میں انہی کی اتباع کرتے ہیں، لیکن کہیں کسی غرض سے اس کو نقل بھی فرما دیتے ہیں۔

(۱۵)...... صاحب مشکوۃ نے بعض احادیث کے آخر میں مخرج کا حوالہ معلوم نہ ہو سکنے کی وجہ سے جگہ خالی چھوڑ دی ہے۔

ذکر صحابی کے فوائد

صاحب مشکوۃ ہر روایت کے شروع میں صحابی رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہیں جن سے

وہ حدیث مروی ہے۔ صحابی رضی اللہ عنہ کا نام ذکر کرنے سے بہت سے فائدے حاصل ہو سکتے ہیں۔ مثلاً

(الف)...... ناسخ اور منسوخ کے پہچاننے میں مدد ملتی ہے۔ مثلاً ایک مسئلہ میں دو متعارض حدیثیں ہمارے سامنے ہیں اب غور کرنا پڑے گا ان میں سے کون سی حدیث متقدم ہے کون سی متاخر ہے۔ متاخر ناسخ ہوتی ہے۔ اس تقدم وتأخر کا پتہ چلانے میں ذکر صحابی رضی اللہ عنہ سے مدد مل سکتی ہے مثلاً ایک حدیث کو روایت کرنے والے صحابی رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام ہیں اور دوسری حدیث کو نقل کرنے والے بعد میں اسلام لائے ہیں اس سے کچھ اندازہ ہو سکے گا کہ کونسی حدیث پہلے کی ہے۔

(ب)...... کبھی دو حدیثوں میں تعارض ہوتا ہے ذکر صحابی رضی اللہ عنہ سے ایک کو ترجیح دینے میں مدد ملتی ہے وہ اس طرح سے کہ مثلاً ایک حدیث کو روایت کرنے والا صحابی فقیہ ہوتا ہے اور دوسری حدیث کو روایت کرنے والے صحابی فقیہ نہیں ہیں۔ تمام کے تمام صحابہ عادل تو ہیں۔ لیکن ہر صحابی کا فقیہ ہونا ضروری نہیں۔ فقیہ کی روایت کو غیر فقیہ کی روایت پر ترجیح دی جاتی ہے۔ ذکر صحابی سے اس کام میں مدد ملے گی۔

(ج)...... کبھی ذکر صحابی سے حدیث کی قوت یا ضعف کا بھی اندازہ لگ جاتا ہے وہ اس طرح سے کہ ایک صحابی کی حدیث جو آگے چلی ہے وہ تو اچھی سند سے پہنچی ہے۔ طالب علموں میں مشہور ہے کہ یہ اچھی سند والی ہے۔ اور دوسرے صحابی کی حدیث جس سند سے آگے چلی ہے وہ سند کمزور ہے اور طالب علموں کو اس بات کا بھی پتہ ہے کہ یہ حدیث جس سند سے پہنچی ہے وہ کمزور ہے۔ صاحب مشکوۃ کے صحابی ذکر کر دینے سے اس کی پہچان میں مدد ملے گی۔

تعیین مخرج کے فوائد

صاحب مشکوۃ نے یہ التزام کیا ہے کہ تعیین مخرج فرماتے ہیں اس میں بہت سے فوائد ہیں۔ مثلاً:

(١)...... اجمالی طور پر سند کی حالت معلوم ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ جن مخرجین و مصنفین کے حوالے دیتے ہیں ان کی شرائط معروف ہیں، مثلاً علماء اور طلباء جانتے ہیں کہ امام بخاری کس شرط اور معیار پر تول کر حدیث لاتے ہیں، جب کہیں گے ''رواہ البخاری'' تو اس سے ہم اندازہ کر سکیں گے یہ اس معیار کی حدیث ہے۔ علیٰ هذا القياس.

(٢)...... مخرجین کی قلت اور کثرت معلوم ہو جاتی ہے کبھی کبھی صاحب مشکوۃ ایک حدیث نقل کر کے متعدد مخرجین کا حوالہ دے جاتے ہیں، اس سے اس حدیث کے بارے میں اطمینان بڑھے گا کہ اس کی تخریج کرنے والے اتنے حضرات ہیں۔

قواعد و فوائد ''ہمزہ ابن''

دیباچہ میں لفظ ابن کافی استعمال ہوا ہے اور ویسے بھی کتب حدیث میں لفظ ابن بکثرت استعمال ہوتا ہے۔ عموماً اس کے قواعد سے طلبہ عزیز ناواقف ہوتے ہیں اس لئے اس لفظ کے بارہ میں اہم فوائد پیش کر دینا مناسب ہے۔

(١)...... لفظ ابن کا ہمزہ وصلی ہے اور ہمزہ وصلی کا عام قاعدہ یہ ہے کہ جب وسط کلام میں واقع ہو تو لکھنے میں رہتا ہے، پڑھنے میں گر جاتا ہے۔

(٢)...... قاعدہ مذکورہ کی بنا پر درج کلام میں آنے کی صورت میں ابن کا ہمزہ کتابت میں آنا چاہئے صرف تلفظ میں گر جانا چاہئے۔ لیکن ابن کے استعمال کی ایک خاص صورت

''ایسی ہے جس میں اس کا ہمزہ تخفیفاً کتابت میں بھی گرادیا جاتا ہے۔ وہ صورت استعمال یہ ہے کہ ابن علمین متناسلین کے درمیان میں واقع ہو، (یعنی پہلا علم بیٹا ہو اور ابن کے بعد والا علم باپ یا ماں ہو) اور یہ (ابن) پہلے علم کی صفت بن رہا ہو اور دوسری طرف مضاف ہو۔

(۲)......ایسی صورت میں ابن کا ہمزہ لکھنے میں بھی گرادیا جاتا ہے۔ جیسے محمد بن اسماعیل۔ محمد بیٹا ہے اسماعیل کا یہ علمین متناسلین ہوئے۔ ابن محمد کی صفت اور اسماعیل کی طرف مضاف ہے اس لئے یہاں اس کا ہمزہ نہ پڑھا جائے گا نہ لکھا جائے گا مشکوۃ شریف میں جتنے محدثین کے اسماء مبارکہ ذکر کئے گئے ہیں سب میں یہ قاعدہ چلتا ہے۔ اس صورت میں ہمزہ خطاً گرانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ترکیب عرب میں کثرت سے استعمال ہوتی ہے اور کثرت استعمال خفت کا تقاضا کرتی ہے۔ پڑھنے میں تو یہ ہمزہ گرنا ہی تھا، مزید تخفیف یہ ہوئی کہ لکھنے میں بھی گرادیا۔

(۳)......اگر لفظ ابن علمین متناسلین کے درمیان میں ہو اور مذکورہ شرطیں بھی پوری ہوں، لیکن لفظ ابن سطر کے شروع میں آرہا ہو تو پھر اس کا ہمزہ لکھا جاتا ہے۔

(۴)......صورت مذکورہ میں ایک تخفیف یہ بھی ہوتی ہے کہ ابن سے پہلا علم اگر قابل تنوین ہو تو اس کی تنوین بھی گرادی جاتی ہے۔ جیسے: محمد بن اسمٰعیل میں محمد منصرف اور قابل تنوین ہے اس پر تنوین تخفیفاً گرادی گئی ہے۔

(۵)......اگر ابن علمین متناسلین کے درمیان تو آئے لیکن پہلے کی صفت نہ ہو بلکہ اس سے خبر ہو تو ابن کا ہمزہ لکھنے میں نہ گرے گا لکھنا ضروری ہے۔ جیسے زیدٌ ابن عمرو جبکہ ابن عمرو مرکب بنا کر زید کی خبر بنانا مقصود ہو [زید عمرو کا بیٹا ہے] اب ابن کا ہمزہ صرف تلفظ میں گرے گا کتابت میں آئے گا۔

(٦)......"محمد بن یزید ابن ماجه" مشکوۃ شریف کی اس عبارت میں دو ابن ہیں۔ پہلے بن کا الف لکھنے میں گرانا چاہئے اس لئے کہ یہ علمین متناسلین کے درمیان ہے۔ محمد بیٹا ہے یزید کا۔لیکن دوسرے ابن کا الف لکھنا چاہئے اس لئے کہ یہ علمین متناسلین کے درمیان نہیں۔ یزید ماجہ کا بیٹا نہیں بلکہ اس کا عین ہے۔ایک قول کے مطابق،اور زوج ہے دوسرے قول کے مطابق،اس لئے یہ ابن ماجہ یزید کی صفت نہیں بن سکتا،بنا بریں اس پر تخفیف کا قاعدہ مذکورہ چسپاں نہیں ہوتا،اس کا الف لکھنا چاہئے جیسے کہ ملا علی قاریؒ مرقاۃ میں فرماتے ہیں:باثبات الف ابن خطا فانه بدل من ابن یزید ففی القاموس ماجه لقب والد محمد بن یزید صاحب السنن لاجده وفی شرح الاربعین ان ماجة اسم امه.

حاصل یہ کہ دوسرا ابن یزید کی صفت نہیں بن سکتا بلکہ ابن یزید سے بدل ہے۔محمد بیٹا یزید کا یعنی بیٹا ماجہ کا اس کو خوب ذہن نشین کرلیا جائے۔محمد بن یزید ابن ماجہ جیسی تراکیب کتب حدیث میں اور بھی بہت سی ملتی ہیں۔مثلاً:

(١)......عبد الله بن عمرو ابن ام مکتوم: عمرو ام مکتوم کا بیٹا نہیں بلکہ زوج ہے۔عمرو عبداللہ کے والد کا نام ہے اور ام مکتوم والدہ کا دوسرے ابن کا الف لکھنا چاہئے۔

(٢)......عبد الله بن ابی ابن سلول: سلول عبداللہ کی والدہ اور ابی کی بیوی ہے۔

(٣)......عبد الله بن مالک ابن بحینة: بحینة عبداللہ کی والدہ مالک کی زوجہ ہے۔

(٤)......محمد بن علی ابن الحنفیة: حنفیہ محمد کی ماں اور حضرت علی کی زوجہ ہیں۔

(٥)......اسمٰعیل بن ابراهیم ابن علیة: علیہ ابراہیم کی زوجہ اور اسمٰعیل کی ماں ہیں۔

(٦)......اسحق بن ابراهیم ابن راهویه: راہو یہ ابراہیم ہی کا لقب ہے۔

لفظ ماجہ کی تحقیق

لفظ ماجہ جیم کی تخفیف کے ساتھ ہے اس پر تشدید پڑھنا غلط ہے۔محمد بن یزید ابن ماجہ کے متعلق عام طور پر ناواقفیت کی بنا پر یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ ماجہ محمد کے دادا اور یزید کے باپ ہیں حالانکہ یہ غلط ہے۔ یزید تو محمد کے باپ ہیں ماجہ یزید کے باپ اور محمد کے دادا نہیں پھر ماجہ کا یزید اور ان کے بیٹے محمد سے کیا رشتہ ہے اس میں دو رائیں ہیں، ایک یہ کہ ماجہ یزید کی بیوی اور محمد (صاحب سنن ابن ماجہ) کی والدہ ہیں، اس صورت میں یزید اور ماجہ میں علاقہ زوجیت کا ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ ماجہ محمد کے والد یزید کا لقب ہے، اس صورت میں یزید اور ماجہ ایک ہی شخص کے دو نام ہیں۔ یزید محمد کے والد کا علم ہے اور ماجہ انہی کا لقب اور عرف ہے۔ اب یزید اور ماجہ میں علاقہ عینیت کا ہے۔

تاریخی حیثیت سے ان میں سے کونسی رائے صحیح اور وزنی ہے اس کی مکمل تفصیل کا تو یہ موقعہ نہیں البتہ مختصراً اتنی بات یاد رکھیں کہ اس میں بھی اختلاف ہے دونوں طرف تصحیح ملتی ہے۔ علامہ سید مرتضیٰ زبیدیؒ نے بعض علماء سے قول اول (ماجہ صاحب سنن محمد کی ماں ہیں) کی تصحیح نقل کی ہے، چنانچہ تاج العروس شرح قاموس میں فرماتے ہیں:

وهنا لک قول آخر و صححوه وهو ان ماجة اسم لامه والله اعلم. (امام ابن ماجه اور علم حديث: ا)

اور اس بارے میں ایک اور قول بھی ہے اور اسکی بھی علماء نے تصحیح کی ہے کہ ماجہ آپ کی والدہ کا نام تھا۔ واللہ اعلم۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بستان المحدثین میں اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔ (بستان المحدثین: ۲۹۸)

نواب صدیق حسن خان نے بھی اپنی کتاب ''الحطة بذكر الصحاح الستة

اور اتحاف النبلاء المتقین" میں بعینہ یہی فرمادیا ہے۔ (کہ ماجہ محمد کی ماں ہیں)

مگر شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ رحمہ اللہ تعالیٰ نے عجالہ نافعہ میں صاف لفظوں میں تصریح کی ہے کہ ماجہ آپ کے والد یزید کا لقب ہے، محمد کی ماں کا نام نہیں۔ (عجالہ نافعہ:٢٣)

شاہ صاحب نے عجالہ نافعہ میں جو کچھ لکھا ہے اکثر علماء کی تصریحات اسی کے موافق ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس بحث کے طے کرنے کا حق سب سے زیادہ مؤرخین قزوین کو ہے کیونکہ امام ابن ماجہ خود قزوینی ہیں۔ "صاحب البیت ادری بما فیہ" ان (مورخین قزوین) کے بیانات اسی کی تصویب کرتے ہیں کہ ماجہ یزید کا لقب ہے۔ چنانچہ محدث رافعی تاریخ قزوین میں امام ابن ماجہ کے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ "انہ محمد بن یزید وان ماجۃ لقب یزید" [ان کا نام محمد بن یزید ہے اور ماجہ یزید کا لقب ہے۔] (تہذیب التہذیب:٩/٥٣٢)

اور حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں حافظ خلیلی کے حوالہ سے جو قزوین کے مشہور مؤرخ ہیں نقل کیا ہے کہ ماجہ یزید کا عرف اور لقب تھا۔ (البدایہ والنہایہ:١١/٥٢)

سب سے بڑھ کر یہ کہ اس بارے میں خود امام ماجہ کے مشہورترین شاگرد حافظ ابوالحسن بن القطان کا بیان موجود ہے، جس میں وہ نہایت جزم کے ساتھ تصریح کرتے ہیں کہ ماجہ آپ کے والد کا لقب تھا، ظاہر ہے کہ ان تصریحات کے ہوتے ہوئے اب اس بارے میں کوئی شبہ نہیں رہتا تھا کہ ماجہ درحقیقت آپ کے والد ماجد ہی کا لقب تھا، اسی لئے امام نووی نے تہذیب الاسماء واللغات میں اور علامہ مجدالدین فیروزآبادی نے القاموس المحیط میں اور علامہ ابوالحسن سندھی نے شرح ابن ماجہ میں صاف تصریح کی ہے کہ ماجہ آپ کے والد کا لقب تھا، دادا کا نہیں۔ ایسی صورت میں قواعد املاء کے مطابق ابن ماجہ میں ابن کو الف کے ساتھ لکھنا

چاہئے تا کہ اس کو محمد کی صفت سمجھا جائے یزید یا عبداللہ کی صفت نہ سمجھ لیا جائے۔

الجمع بین الصحیحین للحمیدی“ کا تذکرہ

دیباچہ مشکوۃ میں ”الجمع بین الصحیحین للحمیدی“ کا ذکر کیا گیا ہے۔ حمیدی سے مراد ابوعبداللہ بن ابی نصر حمیدی اندلسی ہیں، مذہب ظاہریہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے ان کو ”ظاہری“ ہی کہہ دیتے ہیں۔ انہوں نے اندلس، مصر، شام، عراق اور حرم شریف میں رہ کر حدیث کی سماعت کی۔ ابن حزم ظاہری کے بھی شاگرد ہیں۔ ابوعبداللہ قرا عی، ابن عبدالبر، ابوبکر الخطیب اور دوسرے محدثین سے بھی استفادہ کیا ہے۔ (بستان المحدثین: ٢١٢)

آپ بہت ہی پرہیز گار اور عفیف الطبع تھے۔ ان کی عفت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک بار ابوبکر بن میمون آپ کے حجرہ پر آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ کو کسی مشغولی کی بنا پر علم نہ ہوا۔ اور کوئی جواب نہ دے سکے۔ ابوبکر بن میمون یہ سمجھ کر کہ جب ممانعت نہیں فرمائی تو اجازت ہی ہوگی۔ اندر تشریف لے گئے۔ حمیدیؒ کی ران کھلی ہوئی تھی۔ آپ پر یہ بات نہایت گراں گذری اور دیر تک یہ کہتے ہوئے روتے رہے کہ جب سے مجھ کو تمیز و شعور حاصل ہوا ہے اب تک میری ران کسی نے برہنہ نہیں دیکھی۔ (ایضاً: ٢١٣)

ولادت

آپ کی ولادت کے سلسلہ میں بستان المحدثین میں ہے:

”تولد او در عشرۃ اولی از قرن خامس است“ [ان کی پیدائش قرن خامس کے عشرہ اولی میں ہوئی۔]

اور حاشیہ بستان المحدثین میں ابن خلکان کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے کہ ٤٢٠ھ سے قبل پیدا ہوئے۔

وفات

آپ کی وفات ١٧ذوالحجہ ٤٨٨ھ کو ہوئی۔ یہی تاریخ وفات بستان المحدثین عمدۃ القاری میں نقل کی گئی ہے۔اورمرقاۃ میں اورلمعات التنقیح کے حاشیہ میں بحوالہ تعلیق الالبانی آپ کا سن وفات ٤٨٠ھ لکھا گیا ہے۔ (بستان المحدثین:٢١٤،عمدۃ القاری:١/١٨، مرقاۃ:١/٣٤،لمعات التنقیح:١/٤٦)

آپ کی کرامت

آپ نے وفات سے قبل کئی بار شہر کے بڑے افسر ''مظفر'' کووصیت کی تھی کہ مجھے بشر حافی کے پاس دفن کیا جائے لیکن اس نے کسی وقتی عذر کی بناپر آپ کو وہاں دفن نہ کیا، بلکہ کسی اورجگہ دفن کردیا۔ایک دن اس نے خواب میں حضرت حمیدی کودیکھا کہ وہ اس بات کی شکایت فرمارہے ہیں۔ چنانچہ اس نے مجبوراًماہ صفر ٤٩١ھ آپ کو وہاں سے منتقل کر کے بشر حافی کے پاس دفن کیا۔اس وقت آپ کی یہ کرامت ظاہر ہوئی کہ آپ کا کفن بالکل تازہ تھا اور بدن بالکل صحیح وسالم تھا اورآپ کے جسم مبارک سے بڑی دور تک خوشبو مہک رہی تھی۔ (بستان المحدثین:٢١٤)

آپ کے مفید اشعار

بستان المحدثین میں آپ کے بہت سے مفید اشعار نقل کئے ہیں۔ان میں سے دو شعر یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔جو حقیقت میں بہت ہی نافع اورمفید ہیں:

لقاء الناس لیس یفید شیئا
سوی الھذیان من قیل وقال
فاقلل من لقاء الناس الا
لاخذ العلم او اصلاح حال

[یعنی لوگوں کی ملاقات کچھ نفع نہیں پہنچاتی۔سوائے گفت وشنید اور لغو گوئی کے پس لوگوں کی ملاقات کو کم کر مگر وہ ملاقات جو علم حاصل کرنے کے لے ہو یا اصلاح حال کی خاطر ہو۔]

تنبیه: یہ حمیدی جن کا تذکرہ کیا گیا جنہوں نے "الجمع بین الصحیحین" فرمائی ہے۔یہ امام بخاریؒ کے کافی بعد ہوئے ہیں، ایک اور حمیدی ہیں جو امام بخاریؒ کے استاذ ہیں۔امام بخاریؒ اپنی صحیح میں سب سے پہلے انہی کی حدیث لائے ہیں۔ان کا نام عبداللہ بن زبیر ہے۔ان کا انتقال ۲۱۹ھ کو ہوا ہے۔ان دونوں میں عام طور پر اشتباہ ہو جاتا ہے۔

جامع الاصول کا تذکرہ

دیباچۂ مشکوۃ میں "الجامع الاصول" کا ذکر بھی آیا ہے۔یہ ابن الاثیر الجزری کی تصنیف ہے۔جس میں انہوں نے صحاح ستہ کی احادیث کو جمع فرمایا ہے۔اور ابواب کی ترتیب حروف تہجی کے لحاظ سے رکھی ہے۔یہ نہایت ہی جامع اور مفید کتاب ہے۔اور اس سے استفادہ بھی سہل ہے۔علامہ یاقوت رومی اس کتاب کا تعارف کرانے کے بعد لکھتے ہیں:

"اقطع قطعاً انه لم یصنف مثله قط و لا یصنف" (فوائد جامعہ: ۷۳، معجم الاباء: ۱ ۲۴/۶)

[مجھے پکا یقین ہے کہ اس جیسی کتاب نہ پہلے تصنیف کی گئی ہے اور نہ ہو سکے گی۔]

آپ کا اسم گرامی اس طرح ہے: ''مجد الدین ابو السعادات مبارک بن محمد الجزری'' زیادہ مشہور ابن الاثیر الجزری کے نام سے ہیں۔آپ کا انتقال ۶۰۶ھ کو ہوا۔(مرقاۃ: ۳۴/۱، حاشیہ لمعات: ۱۸)

آپ نے لغات الحدیث پر ایک مفید کتاب لکھی ہے، جس کا نام "النهایه" ہے۔

انما الاعمال بالنیات

اس حدیث کو "ثلث الاسلام" [اسلام کا تہائی حصہ] کہا گیا ہے۔ اور بعض نے "نصف العلم" کہا ہے۔ چونکہ اعمال کی دو قسمیں ہیں۔

(۱)......قالب سے متعلق۔

(۲)......قلب سے متعلق۔

یہ حدیث اعمال قلب سے تعلق رکھتی ہے۔ اس حدیث کو حدیث انما اور حدیث المنبر بھی کہتے ہیں۔

نسخۂ کیمیا

حسن نیت کی وجہ سے انسان اپنے ہر جائز عمل کو عبادت بنا سکتا ہے۔ یہاں تک کہ کھانا پہننا، سونا جاگنا، چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا، بیوی بچوں سے ہنسی تفریح، دوستوں سے ملنا جلنا، کھیتی باڑی، محنت مزدوری، تجارت وزراعت، حرفت وصنعت، نفسانی خواہشات کو شرعی حدود کے اندر پورا کرنا۔

یہ سب اعمال حسن نیت سے عبادت بن سکتے ہیں، اور اسطرح انسان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ عبادت بن سکتا ہے۔

امام ابو داوُدؒ فرماتے ہیں: ''میں نے پانچ لاکھ احادیث سے اپنی کتاب کو منتخب کیا ہے، پھر ان میں سے چار احادیث کا انتخاب کیا ہے۔ وہ چار احادیث یہ ہیں:

(۱)...... ''انما الاعمال بالنیات'' [اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔]

(۲)...... ''الحلال بین والحرام بین وبینهما مشتبها'' [حلال بھی کھلا ہوا ہے، اور حرام بھی کھلا ہوا ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں۔] (پس مومن کو مشتبہ چیزوں سے بھی بچنا لازم ہے۔)

(۳)...... ''لایؤمن احدکم حتی یحب لاخیه مایحب لنفسه'' [تم میں کوئی مومن نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ جو اپنے لئے پسند ہے وہی اپنے بھائی کیلئے پسند کرے۔]

(۴)...... ''من حسن الاسلام المرأ ترکه مالا یعنیه'' [اسلام کا حسن ''لایعنی چیزوں کا ترک کر دینا ہے''۔]

امام اعظم ابو حنیفہؒ نے ان میں پانچویں حدیث کا انتخاب فرمایا ہے، وہ یہ ہے: ''المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده'' [مسلمان وہ ہے کہ مسلمان اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے محفوظ رہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیث انما

﴿اعمال کادارومدار نیت پر ہے﴾

﴿۱﴾ عَنْ عُمَرَ[۱] بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ، وَاِنَّمَا لِامْرِئٍ مَانَوٰی فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ، وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلٰی دُنْیَا، یُصِیْبُهَا اَوْ اِمْرَاَةٍ یَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰی مَا هَاجَرَ اِلَیْهِ، الحدیث۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف : ج ۱/ص ۲، باب کیف کان بدء الوحی، کتاب بدء الوحی، حدیث نمبر۱، مسلم شریف: ج ۲/ص ۱۴۰، ۱۴۱، باب قولہ صلی اللہ علیہ وسلم "انما الاعمال بالنیة"، کتاب الامارة، حدیث نمبر ۱۹۰۷۔

---

۱ **حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مختصر احوال**: نام عمر، والد کا نام خطاب، کنیت ابو حفص، سب سے پہلے امیر المومنین کے نام سے آپ ہی کو پکارا گیا، آپ کا لقب فاروق ہے، جس کے معنی ہیں حق وباطل کے درمیان فرق کرنے والا، اس لقب کی وجہ یا تو یہ ہے کہ آپ کے ایمان سے قبل اسلام اور اہل اسلام غایت خفاء میں تھے آپ کے بعد اسلام کا بہت ظہور ہوا اور مسلمانوں کی ہمت بڑھی، دوسرا قول قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر: ۲/۲۰۷، آیت "ویریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت" کی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ ایک یہودی اور منافق کے درمیان نزاع ہوا، حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے یہودی کے حق میں فیصلہ دیا تھا مگر پھر بھی وہ منافق حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس فیصلہ کے لئے آیا۔ ساری تفصیل سن کر...... (باقی اگلے صفحہ پر)

حل لغات: امرئ، الرجل کے معنی میں ہے، اس کی جمع نہیں آتی (عمدۃ القاری: ج ا ص ۱۵) یصیب، صوب سے مشتق ہے، اَصَابَ الشی پالینا، امرأۃ کی جمع نساء، خلاف قیاس ہے۔

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اعمال کا دارو مدار نیت پر ہے، آدمی کے لئے وہی چیز ہے جس کی اس نے نیت کی ہے، چنانچہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے لئے ہجرت کی، تو اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے لئے ہی ہوگی، اور جس شخص نے حصول دنیا، یا کسی عورت سے شادی کی غرض سے ہجرت کی، تو اس کی ہجرت اسی چیز کے لئے ہے، جس کا اس نے ارادہ کیا ہے۔'' (بخاری و مسلم)

(حاشیہ صفحہ گذشتہ)......حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس منافق کی گردن اڑا کر فرمایا: کہ جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فیصلہ نہ مانے اس کا فیصلہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں یہ ہے۔

معدودے چند افراد کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام ثابت ہے، کعب بن لوئ پر جا کر ان کا نسب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے یہ بھی قبیلہ قریش کے ایک بطن کی طرف منسوب ہو کر علوی کہلاتے ہیں، ہجرت کے تیرہویں سال حضرت ابوبکر کی وفات کے بعد آپ کے دست مبارک پر بیعت خلافت کی گئی۔

مناقب عمر: ان کے مناقب بیشمار ہیں خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کتب حدیث میں ان کے مناقب میں بہت سی روایات منقول ہیں، خلفاءِ راشدین میں سے دوسرے ہیں ۲۳ھ میں اخیر ذی الحجہ میں ابولولو کے خنجر مارنے سے شہادت عمل میں آئی، اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ شہادت کا وقت کیا ہے مگر اس پر علماء نے اتفاق نقل کیا ہے کہ تدفین اس وقت عمل میں آئی جب محرم شروع ہو چکا تھا۔ (مرقاۃ: ۳۹/۱، الکاشف: ۵۹/۲، شذرات: ۳۳)

لو کان نبیا بعدی لکان عمرؓ، الحدیث (اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتے) الحق ینطق علی لسان عمرؓ، الحدیث (حضرت عمرؓ کی زبان پر حق بولتا ہے) اور جس راستہ کو عمرؓ جاتے ہیں شیطان اس راستہ کو نہیں جاتا۔ یہ احادیث تو بہت مشہور ہیں۔

تشـــریح: مطلب یہ ہے کہ جیسی نیت ہوتی ہے ویسا ہی ثمرہ ہوتا ہے، اگر رضاءِ خدا کے لئے نماز پڑھی تو رضاءِ خدا حاصل ہوگی، اور اگر رضاءِ خلق کے لئے نماز پڑھی تو ثمرہ میں رضاءِ خلق حاصل ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل نہ ہوگی۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ بروز قیامت اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک عالم کو لایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس کے سامنے اپنی نعمتیں گنوائیں گے، اور پھر ارشاد ہوگا کہ تو نے ان نعمتوں کا کیا حق ادا کیا؟ عالم کہے گا کہ اے پروردگار! تیری رضاء کے لئے میں نے علم پڑھا، اور دوسروں کو پڑھایا، اور پوری زندگی اسی میں گذاردی، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جھوٹ ہے، تو نے علم اس لئے حاصل کیا تھا کہ لوگ تجھ کو علاّمہ کہیں سو تجھ کو علاّمہ کہا جا چکا، اب تیرے لئے یہاں کچھ نہیں اور فرشتوں کو ارشاد ہوگا کہ اسے جہنم میں داخل کردو۔ پس اس کو جہنم میں داخل کردیا جائے گا۔

ایسے ہی ایک سخی اور ایک مجاہد کا حال ہوگا، اور بدنیتی کی وجہ سے دونوں کو جہنم میں داخل کردیا جائیگا۔

سخی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں یاد دلائیں گے، اور پھر فرمائیں گے تو نے ان نعمتوں کا کیا حق ادا کیا؟ وہ کہے گا کوئی خیر کا کام ایسا نہیں جہاں میں نے خرچ نہ کیا ہو، ارشاد ہوگا یہ سب اس لئے کیا کہ تجھ کو سخی کہا جائے کہ بہت بڑا سخی ہے۔ سو کہا جا چکا، اب یہاں کیا چاہتے ہو؟ اور اس کو بھی جہنم میں ڈالدیا جائے گا۔

اسی طرح مجاہد کو پیش کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو بھی اپنی نعمتیں یاد دلائیں گے، اور فرمائیں گے، کہ تو نے ان نعمتوں کا کیا حق ادا کیا؟ وہ کہے گا کہ پروردگار تیرے لئے جہاد کرتا رہا یہاں تک کہ شہید ہوگیا، حکم ہوگا یہ سب اس لئے کیا تھا کہ تجھ کو بہادر کہا جائے، سو کہا جا چکا، یہاں تیرے لئے کچھ نہیں اور اس کو بھی جہنم میں ڈالدیا جائے گا۔ اعاذنا اللہ منه.

حدیث ہذا کو ”حدیث المنبر “ بھی کہا جاتا ہے اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سامنے منبر پر بیان کیا تھا۔ کما فی البخاری. اور مہلب نے کہا کہ بعض روایت میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد سب سے پہلے منبر پر یہی حدیث بیان فرمائی تھی، اس لئے ”حدیث المنبر“ کہا جاتا ہے۔ لیکن سند کے لحاظ سے یہ بات زیادہ وزنی نہیں ہے۔ اور اس حدیث میں نیت کا ذکر ہے۔ بنابریں ”حدیث النیۃ“ بھی کہا جاتا ہے۔

حدیث ہذا کی عظمت وجلالت شان کے بارے میں تمام محدثین کرام متفق ہیں، چنانچہ سفیان بن عیینہ، امام شافعیؒ، عبدالرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں: کہ یہ حدیث دین کے ستر بابوں کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ اور عبدالرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں: کہ جو کسی کتاب لکھنے کا ارادہ کرے تو سب سے پہلے اس حدیث سے ابتداء کرے، اور امام شافعیؒ سے مروی ہے کہ یہ حدیث ”نصف العلم“ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ نیت عمل قلب ہے، اور اعمال عبادت بدن ہیں اور امام احمد اور امام شافعیؒ کا قول ہے کہ یہ ”ثلث الاسلام“ یا ”ثلث دین“ ہے۔ کیونکہ بندہ کا کسب یا بذریعہ قلب ہوگا وہ نیت ہے یا بذریعہ زبان ہوگا یا بذریعہ جوارح ہوگا، بنابریں ”ثلث الاسلام“ کہا۔

یہی وجہ ہے کہ تمام سلف وخلف اپنی مصنفات کا اسی حدیث سے افتتاح کرتے تھے تاکہ قارئین اپنی نیت ابتداء ہی سے خالص کرلیں۔ اور علامہ خطابیؒ تو صرف تصنیف کے ساتھ خاص نہیں کرتے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ متقدمین اپنے ہر کام کی ابتداء اسی حدیث سے کرتے تھے تاکہ برکت ہوجائے۔ بنابریں قدوۃ المحدثین امام بخاریؒ نے بھی اپنی کتاب صحیح بخاری کی ابتداء اسی حدیث سے کی۔ اس لئے صاحب مشکوۃ نے بھی سلف صالحین کی اقتداء کرتے ہوئے اپنی کتاب کو حدیث النیۃ سے شروع کیا تاکہ طالب علم اپنی نیت کی اصلاح کرے،

نیز سامنے کتاب الایمان وکتاب الطہارت آرہی ہے اوران کا مدار نیت پر ہے اس لئے بھی اس سے شروع کیا۔

دوسری رائے ملاعلی قاریؒ نے حافظ ابن حجرؒ سے یہ ذکر کی ہے کہ اس روایت کو شروع میں لانیکی وجہ امام بغویؒ کی اقتدا کرنا ہے کیونکہ انہوں نے بھی اس روایت کو کتاب الایمان سے قبل اور مقدمہ کے بعد اسی طرح ذکر کیا ہے، بخاریؒ کی اتباع مقصود نہیں۔ (مرقاۃ:٣٩/١)

شروع میں اس روایت کو لاکر اشارہ کردیا کہ معلم اور متعلم دونوں کو نیت درست کرنی چاہئے اور اس میں اخلاص پیدا کرنا چاہئے، کیوں کہ یہی ایسی بنیاد ہے جس پر عقائد واعمال کا مدار ہے نیز طالب حدیث ایسا ہے گویا کہ وہ حضوراقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی طرف ہجرت کررہا ہے لہٰذا اس کو مقام اختصاص کے حصول کے لئے اخلاص کی ضرورت ہے، اس لئے اس روایت کو عام مصنفین شروع میں ذکر کرتے ہیں حتی کہ اس کا نام ”طلیعة کتب الحدیث“ ہے۔ (مرقاۃ:٣٨-٣٩/١)

امام نوویؒ نے شرح مسلم میں ذکر کیا ہے کہ مسلمان اس حدیث کی اہمیت فوائد کی کثرت اور صحت روایت پر مجتمع ہیں۔ امام عبدالرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں کہ جو تصنیف کرے اس کے لئے مناسب ہے کہ اس حدیث سے ابتدا کرے تصحیح نیت پر تنبیہ کرنے کیلئے۔

لیکن اس بات کا خیال رہے کہ یہ روایت غریب ہے (غریب کی تعریف آپ لوگ یاد کر چکے ہو کہ اگر سند میں کہیں ایک ہی راوی رہ جائے تو اس کی روایت غریب ہو جاتی ہے اور غرابت صحت کے منافی نہیں ہے)

لطیفہ: نیز اس میں ایک لطیفہ باعتبار اسناد کے یہ ہے کہ اس کی سند میں تین تابعی ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں (١) یحیٰی بن سعید: یہ صغار تابعین میں سے ہیں، (٢) محمد بن ابرہیم التیمی: یہ اوساط تابعین میں سے ہیں، (٣) علقمہ بن وقاص اللیثی: یہ کبار تابعین میں

سے ہیں۔ نیز سب ایک دوسرے سے لینے میں منفرد ہیں اور یحیٰ بن سعید کے بعد اس روایت کے متعدد طرق ہوئے ہیں۔ حتی کہ جیسا پہلے گذر چکا سات سو طرق تک پہونچ گئے ہیں۔ (شرح مسلم للنووی، کتاب الامارۃ: ۷/۴۷، فتح الباری: ۱/۱۶)

شان ورود

بعض علماء نے اس مقام پر اس روایت کا شان ورود ذکر کیا ہے ابن مسعودؓ کی روایت ہے:

من هاجر يبتغي شيئاً فهو له، قال: هاجر رجل ليتزوج امرأة يقال لها ام قيس، وكان يسمى مهاجر ام قيس. (طبرانی: ۹/۱۰۳، رقم الحديث: ۸۵۴۰)

حافظ ابن حجر نے ایک روایت اور ذکر کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کو پیغام دیا، اس نے نکاح کے لئے شرط لگائی کہ اگر وہ شخص ہجرت کریگا تب نکاح کرونگی ورنہ نہیں، لہذا اس شخص نے ہجرت کی، اور انہوں نے نکاح کرلیا، پھر ان کو مہاجر ام قیس کہا جانے لگا۔ (فتح الباری: ۱/۱۷)

یہ وہی ام قیس ہیں جن کے بھائی عکاشۃ بن محصن کا واقعہ صحیحین کی روایت میں وارد ہے: کہ وہ ان ستر ہزار لوگوں میں سے ایک ہونگے جو بلا حساب وکتاب جنت میں جائیں گے۔

لیکن اس روایت میں یہ نہیں ہے کہ حدیث "انما الاعمال......" کو اسی وجہ سے بیان کیا گیا ہے نیز حافظ ابن حجرؒ کی رائے ہے کہ یہ واقعہ اپنی جگہ، لیکن کسی سند میں مجھے یہ نہیں ملا کہ اس حدیث کا اس واقعہ سے صراحتاً کوئی تعلق ذکر کیا گیا ہو۔ (فتح الباری: ۱/۱۷)

اور اگر مان لیا جائے کہ اس واقعہ سے اس روایت کا تعلق وجوڑ ہے تو جواب یہ ہوگا کہ ان کی نیت مخلوط تھی، جو محض خلاف اولی ہے مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بھی نکیر فرمائی ہے۔

بہر حال یہ حدیث شریف شروع میں ایسی ہی ہے جیسے کلام اللہ کے شروع میں بسم اللہ۔ اوراس سے اشارہ کردیا کہ ہرعمل کے لئے تصحیح نیت ضروری ہے، پس طالب علم کوبھی اپنی نیت صحیح کرنا ضروری ہے اگر نیت صحیح نہو تو علم الٹا وبال ہوگا۔

حقیقت اخلاص

اس حدیث کا اصل موضوع ہے اخلاص کی تعلیم اور ترغیب دینا۔ اخلاص کی حقیقت لغت کے اعتبار سے یہ ہے کہ جس چیز میں کھوٹ مل سکتا ہو، ملاوٹ کی جاسکتی ہوتو اس کو کھوٹ اور ملاوٹ سے پاک صاف رکھنا، مثلاً دودھ میں پانی کی ملاوٹ کی جاسکتی ہے، دودھ کو اس ملاوٹ اور شائبہ سے بچالینا یہ اخلاص اللبن کہلائے گا، اور ملاوٹ سے بچنے والے دودھ کو اللبن الخالص کہیں گے، شریعت کی اصطلاح میں اخلاص کا معنی ہے اپنے عمل کو غیر اللہ کے شوائب سے بچا کر رکھنا۔ مطلب یہ ہے کہ عمل صرف اللہ کے لئے ہونا چاہئے، اس میں کوئی اور شائبہ نہ آنا چاہئے۔ عمل میں شائبہ یہ ہوسکتا ہے کہ دنیوی اغراض میں سے کسی غرض کے لئے کیا جائے۔ ہر قسم کے شائبہ سے بچانا اخلاص العمل کہلائے گا۔

عمل مشوب کا حکم

عمل کی تین قسمیں ہیں۔ ہر کام کرنے کا کوئی نہ کوئی باعث اورمحرک ضرور ہوتا ہے، اس باعث اورمحرک کے اعتبار سے عمل کی تین قسمیں ہیں۔

(۱)......عمل کا باعث اورمحرک صرف اخروی غرض ہو۔ اللہ عز وجل کی رضا حاصل کرنا ثواب اور جنت لینا۔

(۲)......عمل کا باعث صرف دنیوی غرض ہو، مثلاً لوگوں کی نظر میں عزت وجاہت حاصل کرنا، یا کوئی اور دنیوی غرض حاصل کرنا۔

(۳)……کسی عمل میں باعثین کی شرکت ہو، یعنی غرض اخروی اور غرض دنیوی دونوں کے لئے کیا جارہا ہو۔

اس تیسری قسم کو عمل مشوب کہتے ہیں۔ یعنی ملاوٹ والا عمل۔ اور پہلی دونوں قسموں کو عمل خالص کہتے ہیں۔ پہلی قسم خالص للآخرۃ اور دوسری قسم خالص للدنیا ہے۔ لغت کے اعتبار سے ان دونوں قسموں کو اخلاص کہا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ ہر ایک میں غرض ایک ہی ہے۔ دوسری جانب کی ملاوٹ نہیں ہے۔ لیکن جب شریعت میں اخلاص کا لفظ بولا جاتا ہے تو مراد اخلاص العمل للآخرۃ ہی ہوتا ہے۔ اپنے عمل کو دنیوی اغراض کے شوائب سے پاک کر لینا۔

تینوں قسموں کا حکم

پہلی قسم بالاتفاق مقبول ہے، اس پر ثواب ملے گا۔ دوسری قسم بالاتفاق مردود ہے، اس پر عقاب ہوگا۔ تیسری قسم کے حکم میں تفصیل ہے۔ عمل مشوب وہ عمل ہے جس میں دونوں غرضیں ملی ہوئی ہوں اس کی تین حالتیں ہو سکتی ہیں۔

(۱)…… باعثین مساوی ہوں، یعنی پچاس فی صد دنیوی غرض ہے، اور پچاس فیصد اخروی غرض ہے۔

(۲)…… باعث دنیوی غالب ہو اور باعث اخروی مغلوب ہو۔ مثلاً: اسی فیصد دنیوی غرض ہے، بیس فیصد اخروی غرض ہے۔

(۳)…… باعث اخروی غالب ہے اور باعث دنیوی مغلوب ہے۔

یہاں پہلی حالت میں نہ ثواب ہے نہ عقاب، اکثر علمائے کرام کی یہی رائے ہے۔ دونوں غرضیں ایک دوسرے کی مزاحم بن گئی ہیں۔ باقی قسموں کا کیا حکم ہے اس میں تین قسم کے اقوال ہیں، جو سید مرتضیٰ زبیدی نے اتحاف شرح احیاء میں نقل کئے ہیں۔ ایک قول اشد ہے۔

اور ایک اخفاء ہے اور ایک اعدل ہے۔

(۱)......علامہ عز الدین بن عبدالسلام اور علامہ محاسبی اور علامہ صلاح الدین علائی کا مذہب یہ ہے کہ جس قول میں تھوڑی سی دنیوی غرض بھی مل جائے وہ مردود ہے۔ یہ قول اشد ہے۔

(۲)......بعض علماء کا قول نقل کیا ہے کہ جس عمل میں تھوڑی سی اخروی غرض بھی مل جائے وہ مقبول ہے۔ یہ قول سب سے نرم ہے۔

(۳)......امام غزالی اور علامہ قرطبی اور جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ دوسری تیسری قسم نہ مطلقاً مقبول ہیں، نہ مطلقاً مردود۔ بلکہ اس میں تفصیل ہے، وہ یہ ہے کہ جب باعث اخروی غالب ہو اور باعث دنیوی مغلوب ہو اس پر ثواب مل جائے گا، لیکن اتنا ثواب نہیں ملے گا جتنا کہ خالص للآخرۃ میں ملنا تھا، بلکہ جس قدر دنیوی غرض کی ملاوٹ ہوگی اتنا ہی کم ثواب ملے گا، جب غرض دنیوی غالب ہو اس پر عقاب ہوگا، لیکن اتنا عقاب نہیں ہوگا جتنا کہ خالص للدنیا ہونے کی صورت میں ملنا تھا، بلکہ جتنی اخروی غرض مل گئی اتنا ہی ثواب ملے گا اور اتنا ہی عقاب کم ہو جائے گا، یہ قول معتدل ہے، اسے عقل ونقل قبول کرتے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے: ''من یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ'' اس قول میں اس قانون کی پوری رعایت ہے۔ نہ تو ذرّۂ خیر کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ اور نہ ہی ذرّۂ شر کو۔

ایک غلطی کا ازالہ

اس میں شک نہیں کہ اخلاص میں کافی کھوٹ ملتے رہتے ہیں، بعض لوگ ان شوائب سے ڈر کر نیک کام کرنا ہی چھوڑ دیتے ہیں کہ جب ہم سے شوائب وریا دور نہیں ہوئے اور اخلاص کامل نہیں آیا تو پھر نیکی کرنے کا فائدہ کیا، یہ بہت بڑی شیطانی چال ہے۔

امام غزالی اور دوسرے مشائخ نے اس پر خصوصی تنبیہات فرمائی ہیں: ریاء کے ڈر سے عمل کا چھوڑ بیٹھنا یہ شیطان کو کامل درجہ کا خوش کرنا ہے، جب نیکی کرتا تھا بغیر اخلاص کامل کے شیطان کو ایک خوشی تھی، یعنی ترک اخلاص کی خوشی جب اس نے کام ہی چھوڑ دیا تو اب شیطان کو دو خوشیاں نصیب ہو گئیں، ایک ترک عمل کی اور ایک ترک اخلاص کی، تو دشمن کو زیادہ خوش کرنا احمقانہ حرکت ہے۔

فائدہ

مشائخ نے تصریح کی ہے کہ ریاء کے خوف سے عمل چھوڑ دینا یہ خود ریا ہے۔ اس لئے کہ اخلاص کا مقصود تو صرف یہ تھا کہ نظر اللہ تعالی پر رہے، جب لوگوں کے دکھاوے کے خوف سے عمل چھوڑا تو معلوم ہوا کہ اس کی نظر غیروں پر ہے، یہ بری قبیح حرکت ہے، تو عمل چھوڑ کے کونسا کمال حاصل کیا ہے کہ دشمن کو اور زیادہ خوش کر دیا ہے۔ اور خالق کا وظیفہ چھوڑ کر دوسروں کا وظیفہ شروع کر دیا۔ شان عبدیت یہ ہے کہ نہ غیر اللہ کے لئے کام کرنا ہے نہ ان کے لئے چھوڑنا ہے۔ صرف اللہ تبارک وتعالی پر نظر رہنی چاہئے۔

اس بات پر بھی نظر رہنی چاہئے کہ اخلاص پر عمل کرنا کوئی مشکل بات نہیں، اخلاص مامور بہ ہے، اور شریعت اسی چیز کا امر کرتی ہے، جو اختیار اور بس میں ہو ہر کام کے شروع میں اتنا دھیان کر لینا کہ میں اللہ تعالی کو راضی کرنا چاہتا ہوں، یہ اختیاری بھی ہے، آسان بھی ہے، صرف تھوڑی سی توجہ کی ضرورت ہے۔ (اشرف التوضیح)

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ: لفظ ''اِنَّمَا'' حصر کے لئے ہے، عبدالقاہر جرجانی دلائل اعجاز القرآن میں لکھتے ہیں کہ جب متکلم کو اپنی بات پر پورا یقین ہو کہ میری بات صد فی صد صحیح ہے اس میں کسی قسم کے شبہ وشک کی گنجائش نہیں۔ اس جگہ پر انما استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے انما هو اله واحد.

"اَلْاَعْمَال" یہ جمع ہے عمل کی اور عمل فعل اختیاری کو کہا جاتا ہے، اس لئے حیوانات کے بارے میں حقیقۃً عمل کا اطلاق نہیں کیا جاتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہاں لفظ اعمال لائے افعال نہیں لائے اس لئے کہ دونوں میں فرق ہے کہ عمل کہا جاتا ہے کہ جس میں دوام واستمرار ہو اور فعل میں دوام واستمرار نہیں ہوتا بلکہ ایک بار کرنے سے فعل کہا جاتا ہے، اس لئے جنت کی بشارت میں ان الذین امنوا وعملوا الصالحات آیا ہے و فعلوا الصالحات نہیں آیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ ایک دفعہ نیک اعمال کرنے سے نجات نہیں ہوگی بلکہ دوام واستمرار ضروری ہے۔

اَلنِّیَّات: نیت کی جمع ہے، اس کے لغوی معنی قصد اور ارادہ ہے۔ اور شرعاً اس کے معنی توجه القلب نحو الفعل ابتغاء لوجه الله تعالیٰ۔ اور فقہاء کرام کے نزدیک نیت سے مراد لیتے ہیں التمییز بین العملین یا تمییز بین العبادة و العادة، حدیث ہذا میں نیت لغوی مراد ہے، شرعی مراد نہیں تا کہ مابعد کے ساتھ تطبیق ہو جائے کیونکہ سامنے نیت کی تقسیم کی جارہی ہے، خیر وشر کی طرف، اور نیت شرعی میں خیر ہی ہے شر نہیں ہے۔

وضو میں نیت کا حکم

اصل میں یہاں ایک اجتہادی مسئلہ مختلف فیہا چلا آرہا ہے، کہ وضو کی صحت کے لئے نیت شرط ہے یا نہیں؟ تو پہلے سمجھ لینا چاہئے کہ عبادات کی مختلف قسمیں ہیں، ایک "عبادت محضہ" ہے جیسے نماز، روزہ وغیرہ اس میں سب کا اتفاق ہے کہ اس کی صحت اور اس پر ثواب مرتب ہونے کے لئے نیت ضروری ہے، دوسری صرف "عبادت آلیہ" کہ دوسری عبادت محضہ کے لئے آلہ ہے، جیسے طہارت بدن ومکان وثوب، اس میں بھی سب کا اتفاق ہے کہ اس کی صحت کے لئے نیت شرط نہیں اور ثواب کے لئے نیت شرط ہے۔

تیسری قسم جس میں طہارت وعبادت کی شان موجود ہے اس میں بھی ثواب کیلئے نیت شرط ہونے میں سب کا اتفاق ہے البتہ اسکی صحت کیلئے نیت شرط ہے یانہیں؟ اسمیں شوافع اور احناف کے درمیان اختلاف ہے، شوافع عبادت کی شان کوراجح قرار دیکر دوسری عبادتوں کی طرح نیت ضروری قرار دیتے ہیں اور احناف جہت طہارت کو راجح قرار دے کر دوسری طہارت بدن، کپڑے کی طرح نیت کوضروری نہیں کہتے، وہ ہے وضوء تو شوافع کے نزدیک بلانیت وضودرست نہیں ہوگا، اوراحناف کہتے ہیں کہ بلا نیت وضو صحیح ہوجائیگا، اورنماز کیلئے آلہ بن جائیگا، طہارت ثوب وبدن کے مانند، ہاں یہ دوسری بات ہے کہ اس پر ثواب نہیں ملے گا۔

تو اس اختلاف کی بناء پر "بالنیات" کے متعلق نکالنے میں اختلاف کیا گیا تو شوافع صحت متعلق مانتے ہیں کیونکہ ظروف کے متعلق افعال عامہ ہی ہوتے ہیں۔ اور صحت افعال عامہ میں سے ہے تو مطلب یہ ہوا کہ تمام اعمال کی صحت نیت پر ہے۔ اور وضوء بھی ایک عمل ہے، لہٰذا اس کی صحت بھی نیت پر ہوگی، اوراحناف نے تُثَــابُ متعلق مقدر مانا کیونکہ سامنے فمن کانت هجرته الخ میں ثواب کا ذکر ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ وضو بلانیت کے بھی صحیح ہوجائے گا، یعنی مفتاح صلوٰۃ بن جائے گا، البتہ اس پر ثواب نہیں ملے گا۔

الاعمال المتعلقة بالنية: امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جو اعمال نیت کے متعلق ہوتے ہیں وہ تین قسم کے ہیں، (۱) طاعات، (۲) معاصیات، (۳) مباحات۔ معاصیات میں اچھی نیت نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ نیت صالحہ کے لئے شرط یہ ہے کہ اعمال کے اندر اس کی صلاحیت بھی ہو حالانکہ معصیت کے اندر یہ صلاحیت نہیں، مثلاً کسی کی غیبت کرنا، دوسرے کوراضی کرنے کے لئے یا مال حرام سے ثواب کی نیت سے صدقہ کرے۔ یا مثلاً: چوری کرے اس نیت سے کہ اس کے ذریعہ میں غریبوں کی، بیواؤں کی مدد کروں گا یہ جائز نہیں، اوراس نیت سے گناہ کا کام جائز نہ ہوگا، بلکہ گناہ کے کام میں اس میں نیک نیت کرنا

دوسرا جرم عظیم ہوگا، بلکہ بعض اوقات ایمان چلے جانے کا خطرہ ہے، طاعات کی صحت کے لئے نیت کرنا ضروری ہے، اسی طرح زیادت ثواب کے لئے بھی نیت کرنا ضروری ہے۔ اور اگر نیت فاسد ہو مثلاً ریا، سے عبادت کرے تو ثواب نہیں ملے گا گو صحیح ہو جائے گی۔

مباحات ایسے اعمال ہیں جو فی نفسہ نہ موجب ثواب ہیں اور نہ موجب گناہ ہیں، نیت کے ذریعہ ثواب و گناہ ملے گا، اچھی نیت ہو تو ثواب ملے گا بری نیت ہو تو گناہ ہوگا۔ مثلاً عطر استعمال کرنا، اگر اس میں اتباع سنت کی نیت ہو یا لوگوں کے دل کو خوش کرنا اور اپنی بدبو سے لوگوں کو تکلیف سے بچانے کی نیت ہو تو ثواب ہوگا۔ اگر فخر و مباہات یا عورتوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی نیت ہو تو گناہ ہوگا۔

وَ اِنَّمَا لِامْرِءٍ مَانَوٰی: اس جملہ کے بارے میں بحث ہوئی کہ آیا یہ پہلے جملے کی تاکید ہے یا تاسیس ہے تو علامہ قرطبی کی رائے ہے کہ نیت کا معاملہ نہایت اہم ہے اس لئے دوسرے جملہ سے بطور تاکید اسی مضمون کو اعادہ کیا گیا لہذا یہ جملہ پہلے کی تاکید ہے، مگر اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ التاسیس اولیٰ من التاکید کے پیش نظر تاسیس ماننا زیادہ بہتر ہے کہ اس سے نیا ایک فائدہ بیان کرنا مقصود ہے۔ پھر نئے فائدہ کی تعیین میں مختلف اقوال ذکر کئے گئے ہیں۔ (۱) بعض کہتے ہیں کہ پہلا جملہ قاعدۂ عرفیہ یا کلیہ ہے، اور دوسرا جملہ قاعدۂ جزئیہ یا قاعدۂ شرعیہ ہے۔ (۲) بعض کہتے ہیں کہ پہلے جملہ میں عمل نیت کے تابع ہو کر حکم مرتب ہونے کا بیان ہے اور دوسرے جملے میں عامل اور نیت کے تعلق کا ذکر ہے۔ (۳) علامہ ابن دقیق العید کی رائے یہ ہے کہ پہلے میں عمل اور نیت میں ربط کا بیان ہے۔ اور دوسرے میں عمل کو اس کی شرائط کے ساتھ ادا کرنے کے بعد جو نیت ہوگی وہی حاصل ہوگا۔ اس کا بیان ہے۔ (۴) علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ دوسرے جملے میں منوی کی تعیین کا شرط ہونا بیان کیا گیا ہے۔ (۵) بعض کہتے ہیں کہ جو اعمال خارج از عبادت ہیں ان کو داخل کرنے کے لئے دوسرا

جملہ لایا گیا۔ (٦) بعض کہتے ہیں دوسرے جملے میں نیت کے اندر عدم نیابت کا بیان ہے۔ (٧) بعض کی رائے یہ ہے کہ دوسرے جملہ میں یہ بیان ہے کہ وحدت وتعدد اجر وحدت وتعدد نیت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (٨) پہلا جملہ علت فاعلیہ ہے اور دوسرا جملہ علت غائیہ وثمرہ ہے۔

قولہ فمن کانت هجرته الخ: اس جملہ سے پہلے قاعدہ کی مثال بیان فرمارہے ہیں۔ جملہ میں تین چیزیں تھیں، عمل، نیت، ثمرہ، تو فمن کانت هجرتهٗ سے عمل کی طرف اشارہ ہے اور الی اللہ الخ سے نیت کی طرف اشارہ ہے۔ اور فہجرتہ الخ سے ثمرہ ونتیجہ کی طرف اشارہ ہے۔ اسی طرح بعد کے جملے میں بھی یہی تین چیزیں ہیں۔

اشکال مع جواب

یہاں ظاہراً شرط وجزا میں اتحاد ہوگیا۔ حالانکہ دونوں میں تغایر ضروری ہے۔ لیکن معنیً تغایر ہے، معنی کے اعتبار سے عبارت یوں ہوگی: فمن كانت هجرتهٗ نيةً وارادةً فهجرتهٗ اجراً وثواباً۔ یا مبالغۃً کبھی اتحاد ہوجاتا ہے، پس شرط وجزا میں تغایر ہونے کا اشکال ختم ہوگیا۔

اشکال دوم مع جواب

یہاں دوسرا اشکال یہ ہوتا ہے کہ پہلی مثال میں اللہ ورسول کا ذکر مکرر لائے اور دوسری مثال میں دنیا وعورت کے ذکر کا اعادہ نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اللہ اور رسول کے نام میں لطف والتذاذ ہے۔ بناء بریں مکرر لایا گیا۔ بخلاف دنیا وامرأۃ کے کہ اس میں قباحت وعدم مبالات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے مکرر نہیں لایا گیا۔ پھر امرأۃ کو خصوصی طور پر ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اعظم فتنہ ہے۔ اس لئے اس میں خطرہ زیادہ ہے اس سے پرہیز کرنے کے لئے خصوصی طور پر ذکر کیا گیا۔

فمن کانت الخ: میں ایک تمثیل ذکر فرمائی ہے نیت تخم ہوتا ہے، اور اس کے اوپر لگنے والا ثمرہ ہوتا ہے، جیسا تخم ہوتا ہے ویسا ہی ثمرہ ہوتا ہے۔

ہجرت کو مثال میں ذکر کرنے کی وجہ

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے، اشکال یہ ہے کہ اعمال تو بہت ہیں مگر مثال میں ہجرت ہی کو کیوں خاص طور پر ذکر کیا گیا۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں ہجرت کی بڑی اہمیت تھی، یہاں تک کہ ہجرت الی المدینہ کو ایمان وکفر میں فرق قرار دیا گیا تھا، اور قرآن واحادیث مبارکہ میں ہجرت کی خاص فضیلت واہمیت بھی بیان کی گئی ہے، اور ایک خاص واقعہ بھی پیش آ گیا تھا، جس کی وجہ سے ہجرت کو خاص طور پر ذکر کیا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اول انما الاعمال الخ بیان فرمایا ہے کہ جیسی نیت ہوگی ویسا ہی ثمرہ ہوگا۔

پس یہ جملہ قاعدہ کلیہ ہے، یعنی اس جملہ میں قاعدہ کلیہ کا بیان ہے، اور دوسرا جملہ "انما لامرئ مانوی الخ" جزئیہ یا ثمرہ ہے۔ اور تیسرا جملہ "فمن کانت هجرته الخ" اس کی مثال ہے۔

اس حدیث سے جو مسائل مستنبط ہوتے ہیں وہ تم شرح وقایہ وغیرہ میں پڑھ چکے ہو، وہاں دیکھ لیجیو۔

خلاصہ: یہ ہے کہ جو اعمال از قبیل عبادات محضہ ہیں وہ بغیر نیت کے صحیح نہیں ہوتے تمام ائمہ کے نزدیک نیت شرط ہے۔ موقوف علیہ ہے۔ اور وہ اعمال جن میں عبادت کی کوئی صورت ہی نہیں وہ افعال حسیہ جن میں تعبد کا کوئی شائبہ نہیں ہوتا وہ بغیر نیت کے بھی صحیح

ہیں جیسے مکان بنانا، کھانا کھانا، وغیرہ، لیکن وہ اعمال جن میں کچھ حصہ تعبدی ہے کچھ غیر تعبدی ہے جیسے وضو اس میں اختلاف ہے امام اعظمؒ کے نزدیک فعل حسی پورا ہونے کے لئے نیت ضروری نہیں لیکن شانِ تعبدی پیدا ہونے کے لئے نیت ضروری ہے۔

امام شافعیؒ واحمدؒ کے نزدیک وضو کے لئے نیت ضروری ہے جس طرح نماز میں۔ دلیل "انما الاعمال بالنیات" کو پیش کرتے ہیں کہ وضو ایک عمل ہے اور ہر عمل کے لئے نیت ضروری ہے لہٰذا وضو کے لئے نیت ضروری ہے۔

امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ وضو کے دو پہلو ہیں ایک فعل حسی اور شان مفتاحی دوسرا شان تعبدی۔ شان تعبدی کے لئے نیت ضروری ہے۔ شان مفتاحی کے لئے ضروری نہیں۔ اگر بغیر نیت کے وضو کرلیا وہ وضو مفتاح صلوۃ تو بن جائے گا۔ مگر ثواب نہ ہوگا۔ اعمال کا فعل حسی ہو جاتا ہے تعبدی نہیں ہوتا، پس امام اعظم کے نزدیک عبارت یہ ہوگی "انما الاعمال بالنیات، ای ثواب الاعمال معتبر بالنیات."

اقسام ہجرۃ

ہجرت کے لغوی معنی چھوڑنا۔ اور شرعاً ترک ما نهي الله کو بھی ہجرت کہا جاتا ہے اور قرآن وحدیث میں اکثر ہجرت کا اطلاق ترک الوطن الذی بدار الکفر الی دار الاسلام پر ہوتا ہے۔ پھر ہجرت کی بہت اقسام ہیں: (١) هجرت من دار الخوف الی دار الامن کما في هجرة الحبشه (٢) هجرت من مكة الى مدينة، یہ دونوں ہجرتیں منسوخ ہوگئیں جیسا کہ حدیث میں ہے "لاهجرة بعد الفتح" (٣) هجرت من دار الكفر الى دار الايمان (٤) هجرت من دار البدعة الى دار السنة (٥) الهجرة لطلب العلم وغیرہ۔ یہ ہمیشہ باقی رہیں گی۔

فوائد و مسائل

اس حدیث سے فقہاء نے بہت سے احکام اور فوائد استنباط کئے ہیں، ہم یہاں چند احکام اور چند فوائد ذکر کرتے ہیں۔

(١)......ائمہ ثلاثہ نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے وضو اور غسل میں نیت کو واجب قرار دیا ہے۔ جبکہ امام ابو حنیفہؒ، سفیان ثوریؒ، امام اوزاعیؒ کے نزدیک وضو یا غسل میں نیت کی ضرورت نہیں۔

(٢)......دوسرا مسئلہ اس حدیث سے یہ مستنبط کیا گیا ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک اور امام احمدؒ کی ایک روایت کے مطابق رمضان کے مہینے میں ابتداء میں ایک نیت تمام روزوں کے لئے کافی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رمضان کے تمام روزے مل کر عبادت واحدہ ہیں۔ لہٰذا ایک ہی نیت کافی ہے۔ جبکہ امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ کے نزدیک ہر ہر روزہ کے لئے مستقل الگ الگ نیت ضروری ہے۔ کیوں کہ ہر روزہ مستقل عبادت ہے۔ لہٰذا ایک نیت سب کے لئے کافی نہیں۔

(٣)......ایک مسئلہ یہ مستنبط کیا گیا ہے کہ خطبہ کے دوران احادیث بیان کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ کے دوران یہ حدیث ارشاد فرمائی۔

(٤)......ایک مسئلہ یہ بھی مستنبط کیا گیا ہے کہ عبادات کے لئے نیت لازم اور واجب ہے۔ البتہ عبادات مقصودہ میں وجوب نیت بالاتفاق ہے اور وسائل میں اختلاف ہے۔

فوائد

(١)......اس روایت سے ایک فائدہ یہ سمجھ میں آیا کہ علوم دینیہ کی تحصیل کے لئے ہجرت ظاہرہ

درکار ہے۔

(٢)...... دوسرا فائدہ اس سے یہ حاصل ہوا کہ علوم دینیہ میں حصول کمال ہجرت باطنہ پر موقوف ہے۔

(٣)...... تیسرا فائدہ یہ سمجھ میں آیا کہ ''خرم فی الحدیث'' جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب. یعنی حدیث کے بعض جملوں پر اکتفاء کیا جائے اور بعض جملوں کو حذف کر دیا جائے۔ (کشف الباری)

(٤)...... اعمال کا ثمرہ ملنے کا دارومدار نیات پر ہے۔

(٥)...... ہر آدمی کو عمل کا ثواب بقدر نیت ملے گا۔ مثلاً اگر کسی عمل میں دس نیتیں کر لی ہیں تو دس کا ثواب مل جائے گا۔

(٦)...... کتابوں کے شروع میں یہ حدیث لکھنی چاہئے تا کہ ابتداء ہی سے معلم اور متعلم کی نیت صاف ہو جائے۔

(٧)...... کسی ضابطہ کلیہ کو بیان کرنے کے بعد بہتر یہ ہے کہ اس کی تمثیل بھی پیش کر دی جائے تا کہ مخاطبین کے لئے سمجھنا آسان ہو جائے، جیسا کہ اس حدیث میں ہجرت کی مثال پیش کی گئی ہے۔

(٨)...... کسی خاص شخص میں کوئی خاص کوتاہی ہو بہتر یہ ہے کہ شدید ضرورت کے بغیر خطاب خاص نہ کیا جائے، خطاب عام میں اصلاح کی کوشش کی جائے۔ جیسے مہاجر ام قیس کی خطاب عام میں اصلاح فرمائی ہے۔

(٩)...... اگر کسی عام چیز کو ذکر کیا جائے پھر اس کے خاص فرد کے الگ ذکر کرنے میں کوئی نکتہ ہو تو اس کی تخصیص اچھی چیز ہے، مطلب یہ ہے کہ تخصیص بعد التعمیم میں اگر کوئی حکمت ہو تو یہ مفید چیز ہے۔

(١٠)......حدیث سے ثابت ہوا کہ محبوب چیز کا تکرار کرنا محمود ہے۔

(١١)......قبیح چیز کا تکرار کرنا قبیح ہے، یہ دونوں باتیں یوں ثابت ہوئیں کہ ہجرت کے دو جملوں میں سے پہلے جملے میں اللہ اور اس کے رسول کا نام صراحۃً ذکر کیا گیا ہے، اور دوسرے جملہ میں دنیا اور عورت کا نام دوبارہ نہیں لیا، بلکہ اس کی جگہ "ماھاجر الیہ" کہہ دیا ہے، معلوم ہوا کہ قبیح چیز کو بغیر ضرورت کے ذکر نہ کرنا چاہئے۔

(١٢)......مصنفؒ نے اس حدیث کو یہاں لا کر اشارہ کر دیا، دیباچہ میں احادیث ذکر کرنا مستحسن چیز ہے۔

(١٣)......اس حدیث سے یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ دین کو کسب دنیا کا ذریعہ بنانا مذموم ہے۔

(١٤)......مصنفؒ نے آغاز کتاب سے پہلے اس حدیث کو لا کر اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ یہ حدیث کسی خاص بات کے ساتھ مخصوص نہیں اس کی ضرورت ہر بات میں ہے۔

(١٥)......شروع میں حدیث لانے سے اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ طالب علم کے لئے ہجرت ظاہرہ یعنی ترک وطن کرنا ہوگا۔

(١٦)......شروع میں یہ حدیث لا کر اس طرف بھی اشارہ کر دیا ہے کہ طالب علم کو علم کے لئے ہجرت باطنہ بھی کرنی پڑے گی، صورت وسیرت ٹھیک کرنی پڑے گی، ترک معاصی کے بغیر نور علم حاصل نہیں ہوسکتا، امام شافعیؒ فرماتے ہیں: ؎

شَکَوْتُ اِلٰی وَکِیْعٍ سُوْءَ حِفْظِی

فَأَوْصَانِیْ اِلٰی تَرْکِ الْمَعَاصِی

فَاِنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِّنْ اِلٰھِیْ

وَنُوْرُ اللّٰہِ لَایُعْطٰی لِعَاصِی

❁❁❁

تم

الجزء الاول بحمد اللّٰہ تعالیٰ

و احسانہ و توفیقہ تعالیٰ و بمنہ و کرمہ

و یلیہ الجزء الثانی اولہ کتاب الایمان

انشاء اللّٰہ تعالیٰ ربنا تقبل منا انک انت السمیع

العلیم و تب علینا انک انت التواب الرحیم بحرمۃ

حبیبک سید المرسلین و صلی اللّٰہ تعالیٰ

علیہ و علی الہ و اصحابہ اجمعین

الی یوم الدین

محمد فاروق غفرلہ